محمد سخاوت مرزا: اہم مقالات کی تدوین

مقالہ برائے ایم فل اردو

نگران

پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل

محقق

روبینہ تبسم

رول نمبر: 48-F

رجسٹریشن نمبر: 48-FLL/MSURDU/F.08

International Islamic Univ.
CENTRAL LIBRARY
ISLAMABAD.

شعبہ اردو

کلیۂ زبان و ادب

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Accession No TH-9296

MS
891.4391
روم
اردو ادب - شاعری
اردو شاعری

فہرست مضامین

موضوعات	صفحہ نمبر
پیش لفظ	
باب اوّل سخاوت مرزا کی سوانح اور شخصیت	
خاندانی پس منظر۔ پیدائش، تعلیم و تربیت اور ذاتی زندگی	1
ذوقِ علمی کا پس منظر اور ارتقاء، تصانیف، تدوینِ متن	
حواشی و تعلیقات	14
باب دوم	
مقالات کی تدوین	
اعیمہ (مدراس کی ایک جیّد شاعرہ)	16
ایک گمنام شاعر خروشی معاصر ولی	26
برہان العاشقین	82
حضرت خواجہ بندہ نوازؒ قدس سرہٗ	113
حضرت میراں جی شمس العشاق کی تاریخ وصال	121
خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے چند ہندی گیت	131
سب رس میراں جی شمس العشاق یا تاج الحقائق وجہی	136
شاہ عبدالقادر کرنولیؒ	149
صراط مستقیم کیا وجہی کی تصنیف ہے؟	160
ضمیمہ برائے مقالات	

☆☆☆☆☆

پیش لفظ

اردو تحقیق کے حوالے سے اگرچہ ہمارے یہاں تحقیق کا رجحان یا تو کم رہا ہے یا پھر اقربا پروری کی بھینٹ چڑھ کر زوال پذیری کی طرف مائل ہو رہا ہے ان حالات میں چند لوگوں نے محدود وسائل کے باوجود اس شمع کو روشن رکھا۔ جن میں میرے فاضل استاد جناب معین الدین عقیل بھی شامل ہیں جنہوں نے تحقیق کے حوالے سے اردو ادب میں گراں قدر خدمت سرانجام دی ہیں

جب مجھے ایم فل کے مقالے کا عنوان ''سخاوت مرزا: اہم مقالات کی تدوین'' ملا تو میں دکنی ادب کے بارے میں بہت کم جانتی تھی اور خصوصاً سخاوت مرزا کے بارے میں صرف اتنا کہ وہ ایک محقق ہیں اور کچھ نہیں جانتی تھی ان کے حالات زندگی اور مقالات کی تلاش ایک مشکل امر تھا مگر اس سلسلے میں ہمارے اساتذہ کرام کی خصوصی رہنمائی نے اس کام کو کسی حد تک سہل کر دیا۔

پہلا مرحلہ مقالات کی تلاش تھا جن کی روشنی اور داخلی شہادتوں کی بنیاد پر ان کے حالات زندگی اور تحقیق کے رجحان کا اندازہ لگانا تھا۔ کیوں کہ سخاوت مرزا پر اس سے پہلے باقاعدہ کچھ خاص نہیں لکھا گیا تھا۔ موضوع کی وسعت سے قطع نظر مواد کی تلاش اور ان کے حوالوں کے تلاش تھی جو کہ مقالات کی تدوین کے لیے ناگزیر تھے یہ مرحلہ نہایت کٹھن تھا اور باوجود تلاش بسیار کے میں بہت زیادہ حوالے تلاش نہ کر پائی حتیٰ کہ بعض حوالے آپ کو نامکمل بھی محسوس ہوں گے جس کی وجہ کتب کی بوسیدگی اور سرورق کا نہ ہونا تھا اور بعض جگہ صفحہ نمبر یا تو پھٹ چکے تھے یا پھر ان کو شناخت نہ کیا جا سکتا تھا اور بعض جگہ حوالہ در حوالہ پر اکتفا کرنا پڑا کیوں کہ سخاوت مرزا کا موضوع عموماً وقت اور لاعلمی کے دھندلکوں کے کھو جانے والی شخصیات تھیں جنہیں وقت کی گرد سے نکال کر تاریخ ادب میں ان کے درست مقام کا تعین تھا مگر مشکل یہ ثابت ہوئی ک جن شخصیات یا موضوعات پر انہوں نے لکھا وہاں کسی اور نے ان موضوعات پر کچھ نہ لکھا ان کے موضوعات کی اکثریت ایسی ہے جن پر سخاوت مرزا کی تحقیق حتمی ہے اور کسی نے ان موضوعات یا شخصیات پر لکھنے کی جرات نہیں کی یا اگر کسی نے لکھا بھی ہے تو

ان کی تحقیق غیر معیاری تھی یا پھر انہوں نے خود سخاوت مرزا کی تحقیق کو بنیاد بنایا تھا ان حالات کی وجہ سے مجھے ان کے مقالا ت کی تدوین میں بے حد مشکل پیش آئی کیوں کہ اس ضمن میں سخاوت مرزا سے زیادہ دقیق اور معتبر تحقیق اور کسی کی نہ تھی تا ہم جن مقالات کے تقابل کے لیے مضامین دستیاب ہوئے ان کی تدوین کی کوشش اس مقالے میں کی گئی ہے اہم تحقیق میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی اس کوشش کے معیاری یا غیر معیاری ہونے کا فیصلہ ہمارے اساتذہ کرام ہی کرینگے۔

سخاوت مرزا کا شمار دکنی ادب کے اولین محققوں میں ہوتا ہے دکنی ادب کی تلاش و بازیافت کے حوالے سے سخاوت مرزا کا تحقیقی کام نا قابل فراموش ہے جن میں خصوصاً قدیم صوفیا و شعرا کے حالات زندگی، اصناف سخن، متروک اصناف اور شاعری کے نمونوں کی تدوین و شروعات جیسے موضوعات پر آپ کے مقالات نہایت اہم ہیں راقمہ نے تلاش بسیار سے تقریباً ننانوے سے زائد مقالات تلاش کیے ہیں جن کی فہرست آخر میں دی جا رہی ہے نیز یہ کہ یہ کن کن لائبریریوں میں دستیاب ہیں تا کہ اگر کوئی میرے بعد مزید اس موضوع پر کام کرنا چاہے تو وہ اس سے استفادہ حاصل کر سکے اپنی طرف سے میں نے اس کام کو جامع اور معتبر بنانے کی کوشش میں حتیٰ المقدور غیر جانبداری سے کام لیا ہے جس کا تمام کریڈٹ میرے اساتذہ کرام کو جاتا ہے۔ اور جہاں کہیں کوئی غلطی یا کمزوری رہ گئی ہے میں اس کے لیے خود کو ذمہ دار گردانی ہوں۔

اس مقالے کی تکمیل پر سب سے پہلے میں اپنے رب کے حضور سجدۂ شکر بجالاتی ہیں جس کے فضل و کرم سے ہی اس کام کو انجام دینے کے قابل ہوئی

سپاس گزار ہوں میں اپنے نگراں جناب معین الدین عقیل اور جناب رشید امجد صاحب کی جن کے بروقت مشوروں اور بروقت رہنمائی نے ہر مشکل مرحلے پر میری حوصلہ افزائی کی اور درست راہوں کی نشاندہی کی۔

ان کے علاوہ میں اپنے دیگر اساتذہ کرام جن میں سرفہرس محترمہ نجیبہ عارف صاحبہ، ڈاکٹر سہیل اور ڈاکٹر روش ندیم شامل ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً مجھے اپنے قیمتی وقت اور مشوروں سے نوازا ہر قدم پر میری رہنمائی کی اس کے علاوہ میں فوزیہ حنیف، رخشندہ سلیمان اور رانا شہباز خالد کی بھی مشکور ہوں جنکا تعاون ہر قدم پر میرے ساتھ رہا۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں کراچی سے اسلام آباد تک کی لائبریریوں سے جو مواد کی فراہمی ممکن ہوئی تو اس کے لیے متعلقہ معاونین کی بھی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے کمال شفقت سے میری ہر ممکن مدد فرمائی، اور اپنے کتب خانوں سے آزادانہ استفادہ کا موقع فراہم کر کے اپنی بے پناہ شفقت اور علم دوستی کا ثبوت دیا جن میں بیدل لائبریری کے زبیر احمد صاحب اور احسان اللہ صاحب، غالب لائبریری کراچی کے جناب تسیم صاحب اور نازیہ صاحبہ انجمن ترقی اردو کراچی کے معروف صاحب ادارہ ادبیات اردو اسلام آباد کی بیگم سعیدہ درانی صاحبہ، اور سابق ڈی جی جناب ظہیر الدین ملک صاحب، مقتدرہ قومی زبان کے جناب افتخار عارف اور راشد حمید صاحب کی عنایات کی خصوصی طور پر ممنون ہوں جن کی شفقتیں، تعاون اور رہنمائی مجھے ہمیشہ حاصل رہا انہی قابل احترام ہستیوں کی بدولت اس مقالے کی تدوین مکمل ہو سکی۔

روبینہ تبسم

سخاوت مرزا کی سوانح اور شخصیت

سخاوت مرزا اعلیٰ ذوق کے حامل ایک وسیع النظر اور غیر جانبدار محقق تھے۔ اعلیٰ پائے کی تحقیق اور مستند حوالہ جات کی تلاش و جستجو ان کا خاص مزاج تھا۔ سخاوت مرزا نے اگر چہ دکنی ادب کی بازیافت کے سلسلے میں نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں مگر

"نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا"

کے مصادق انھوں نے کبھی ستائش یا صلے کو کام کی شرط نہ بنایا اور خاموشی سے اپنے حصے کا کام کیے چلے گئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی اعلیٰ ترین ادبی خدمات اور تحقیق کے باوجود تاریخ ادب میں ان کا وہ مقام متعین نہ ہوسکا جس کے دراصل وہ مستحق تھے اور مجہول الاحوال شخصیات کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر لوگوں کے سامنے لانے والا وقت کی گرد میں آج خود فراموش ہونے کے قریب ہے۔

سخاوت مرزا نے تصنیف و تالیف کے سلسلے میں کتب خان آصفیہ سے اور کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد دکن سے مکمل استفادہ کیا۔ وہاں موجود نادر و نایاب کتابوں، حوالوں، مخطوطات اور کار آمد مواد کو محفوظ کر لیا۔ بعد ازاں یہ چیزیں ان کی تحریروں میں حوالے کی حیثیت سے کام آئیں۔

سخاوت مرزا نے جن موضوعات پر لکھا خوب لکھا۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موضوع کا حق ادا کر دیا۔

دکنی ادب میں تحقیق کی ابتداء کرنے والوں میں گارساں دتاسی (مرتب دیوان ولؔی)، حکیم شمس اللّٰہ قادری (اردوئے قدیم)، نصیر الدین ہاشمی (دکن میں اردو)، ڈاکٹر محی الدین زورؔ (اردو شہ پارے) اور مولوی عبدالحق (مضمونِ کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ) کے نام نمایاں ہیں۔ اسی قبیل کے ایک فرد سخاوت مرزا بھی ہیں۔ یوں تو وہ عدالت میں سر رشتہ دار تھے۔ مگر طبیعت تصنیف و تالیف خصوصاً تحقیق کی طرف مائل تھی۔ مختلف کتب خانوں اور خاص طور پر مخطوطات سے مواد حاصل کرنے میں انھیں مہارت حاصل تھی۔

سخاوت مرزا دکنی ادب کے خاموش خدمت گزار تھے۔ انھوں نے ساری زندگی نہایت دل جمعی سے دکنی ادب کے شہ پاروں اور قلم کاروں کی تلاش و جستجو اور تعارف و تنقید کا غیر جانبدارانہ اور بے لوث علمی کام سر انجام دیا۔

وہ دکنیات سے متعلق تواریخ، تبصروں، صوفیائے دکن اوران کے شجروں اور سوانح کے بارے میں گہرا علم رکھتے تھے۔ وسیع مطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قوی الحافظہ بھی تھے۔ دکن کے بعض شخصیات کے بارے میں ان کی تحقیق اولین تحقیق کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی بیشتر تحریریں گمنام تصانیف یا شخصیات کے تعارف اور سوانح پر مبنی ہیں۔

خاندانی پس منظر:

سخاوت مرزا کا پورا نام "محمد سخاوت مرزا" ہے۔ نسب کے اعتبار سے یو۔ پی کے مشہور شہر آگرہ کے ایک چغتائی (مغل) خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سپاہی پیشہ اس خاندان میں شعروسخن کی روایت بطریقِ احسن موجود تھی۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ "مولوی احمد خان شیفتہ" اپنے دور کے نامور شاعر گزرے ہیں۔ جنھیں "خلیفہ گلزار علی" سے تلمذ تھا۔ [1]

سخاوت مرزا کے جدِ امجد میں سے یہ ہی بزرگ سب سے پہلے حیدرآباد دکن پہنچے۔ اور نواب سالار جنگ (اول) کے مصاحب ہوئے۔ جب کہ ریاست کی سرکاری خدمات پر بھی معمور رہے۔ بعدازاں سخاوت مرزا کے والد "آغا مرزا دلدار بیگ" ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد دکن آئے۔

مالک رام تذکرہ معاصرین میں لکھتے ہیں کہ:

> "جب غلام امام شہید الہ آبادی (ف: جنوری ۱۸۷۹ء) حیدرآباد دکن کے بعض عمائد کی دعوت پر وہاں گئے تو احمد خان شیفتہ بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ اور غالباً انھی کی سفارش پر یہ ریاست کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اولاً کچھ دن دارلانشا میں کام کیا پھر نواب مختار الملک میر تراب علی خان سالارِ جنگ (دوم) (ف: فروری ۱۸۸۲ء) نے انھیں مصاحبت کا شرف عطا کیا اور اپنے فرزندِ اکبر (سالار جنگ سوم) میر لائق علی خان بہادر منیرالدولہ (ف: جولائی ۱۸۸۹ء) کا اتالیق مقرر کردیا۔ شیفتہ نے ۱۳۱۰ء میں (۱۸۹۳۔۱۸۹۲ء) میں حیدرآباد میں ہی رحلت کی ان کی اولاد آج تک وہیں مقیم ہے۔" [2]

سخاوت مرزا کے دادا مرزا امیر بیگ بھی اپنے ماموں خسر شیفتہ ہی کے ساتھ حیدرآباد آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ اِن کی اولاد میں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ چھوٹے علی مرزا عین عنفوانِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئے۔ بڑے بیٹے محمد آغا مرزا نے فارسی اور عربی کی مروجہ تعلیم حاصل کی وہ فنِ شہ سواری کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ بعدازاں ان کا نکاح رحیم خاں اکبرآبادی کی دختر نظیر بیگم سے ہوا۔

محمد آغا مرزا اور نظیر بیگم کے یہاں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ جن کے نام بالترتیب سخاوت مرزا۔ افضل مرزا، خورشید مرزا، لطیف مرزا اور بیٹیوں میں حمیدہ بیگم، رشیدہ بیگم اور صغیرہ بیگم شامل ہیں۔ آغا مرزا نے ریاست میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں ان کا انتقال ہوا۔

پیدائش، تعلیم وتربیت وذاتی زندگی:

"سخاوت مرزا ۱۳۱۵ء بمطابق جنوری/فروری ۱۸۹۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے"۔ [۳، ۴، ۵] یہ ان کا تاریخی نام ہے۔ والد کے زیرِ سایہ ابتدائی تربیت کے بعد باقاعدہ تعلیم کا آغاز قرآنِ کریم سے ہوا۔ پھر مروجہ طریقے کے مطابق بقدرِ نصاب عربی اور فارسی کی تحصیل کی۔ مڈل کا امتحان چادرگھاٹ اسکول سے پاس کیا مگر ناسازیِ طبعیت کی بناء پر تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ کچھ عرصے بعد ۱۳۲۶ھ میں انھوں نے نظامت کوتوالی اضلاع کی ملازمت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔۔۔مگر ساتھ ساتھ اپنے طور پر تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اپنی ذاتی دلچسپی اور محنت سے فارسی کا امتحان منشی پاس کیا۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۲۷ء میں بی۔اے اور ۱۹۲۹ء میں ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ریاست کے مختلف محکموں میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ جن مین محکمۂ جیل خانہ جات، نظامتِ اضلاع پولیس، سررشتہ دار عدالت، منتظمِ عدالت، فوجداری، محکمہ مجالس، دفتر ہوم سکریٹری عدالتِ عالیہ شامل ہیں۔ بالآخر عدالت سیشن جج کے عہدے سے ۱۹۵۱ء میں قبل از وقت نیک نامی کے ساتھ رضا کارانہ طور پر سبکدوش ہوئے۔ [۶، ۷]

سخاوت مرزا نے دو نکاح کیئے۔ پہلی بیگم خیر النساء سے دو بچے ہوئے۔ مرزا بیگ اور رابعہ سلطانہ۔ جبکہ دوسری بیگم جمیل النساء بنت، محمد علی، خان (سرکل انسپکٹر پولیس) سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ جنکے نام بالترتیب ہمایوں مرزا، اقبال مرزا شجاعت مرزا، اختر سلطانہ اور نور سلطانہ ہیں۔ اولاد میں سے کسی کا بھی والد کی طرح تصنیف وتالیف کی طرف رجحان نظر نہیں آتا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سخاوت مرزا کئی مرتبہ کراچی آئے۔ ۱۹۵۲ء میں مکمل طور پر پاکستان ہجرت کر گئے اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔

ابتداء میں وہ کچھ دنوں تک انجمن ترقیِ اردو (کراچی) سے وابستہ رہے۔ پھر ترقی اردو بورڈ کراچی میں معاون مدیر مقرر ہوئے۔ عمر کی پابندی کی وجہ سے یہ ملازمت بھی زیادہ دیر نہ چل سکی۔ مرزا صاحب کے تعلقات پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ایجوکیشنل کانفرنس اور اقبال اکادمی سے بھی منسلک رہے۔ اس دوران وہ مختلف اداروں میں اجرت پر کام کرتے رہے۔

کراچی کا قیام انھیں راس نہ آیا اور ابتدائی مدت کے علاوہ وہ ہمیشہ ہی خانگی مسائل اور مالی ناآسودگی کا شکار رہے۔ مگر پھر بھی انھوں نے تصنیف وتالیف کے جس کام کا آغاز ۱۹۲۸ء میں کیا تھا وہ انکی موت تک جاری رہا۔ مالی مسائل کے علاوہ ان کے ایک داماد کا جوانی میں انتقال ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد ان کا چھوٹا بیٹا شجاعت مرزا ایک قتل کے مقدمے میں ماخوذ ہوگیا۔

ان معاشرتی ناانصافیوں نے انہیں نہایت دلبرداشتہ کردیا اور انھی پریشانیوں میں وہ بالآخر دوشنبہ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۷۷ء [۸] کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انھیں درگاہ سخی حسن قبرستان کراچی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

ان کی تاریخ، وفات کے درج ذیل مادہ ہائے تاریخ دیئے گئے ہیں۔

"سوگ افزا وفاتِ سخاوت مرزا"

۱۹۷۷ء

اور یہ کہ:

اپنی ترحیل کے صدمے دے کر | ہو گئے دہر سے رخصت مرزا
ان کی تاریخِ اجل ہے یہ شمیم | "ہائے اندوہ سخاوت مرزا"

۱۳۹۷ھ ۹

سخاوت مرزا نہایت سنجیدہ، سادہ اور کم سخن شخصیت تھے۔ چہرے پر عام طور پر مسکراہٹ رہتی تھی دورانِ گفتگو دوسروں کی بات زیادہ سنتے تھے جب کہ اپنی کم کہتے تھے راسخ العقیدہ مسلمان، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور ذاکر وشاغل تھے۔ قادری سلسلے میں بیعت تھے۔ کبھی کبھی اپنے نام کے ساتھ "قادری" بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ مزاج میں انتہا درجے کی سادگی وانکساری تھی۔

ایک اعلیٰ درجے کے محقق کے لئے اس درجہ نا آسودگی اور مالی مشکلات ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ قسمت پر تو کسی کا بس نہیں مگر اگر وہ مالی طور پر بھی آسودہ ہوتے تو ان کے کام میں مزید پختگی اور نکھار ہوتا۔ اور شائد ہمارے اردو ادب کا دامن ان کی اعلیٰ تحقیق سے مزید پرُ ہوتا۔ اور ہم ان کے علم سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کر پاتے۔ مگر افسوس کہ گردشِ زمانہ نے ہم سے ایک قابل محقق چھین لیا۔ وہ تو اپنے حصے کی شمع روشن کر گئے۔ اب ہمارا کام ہے کہ ہم ان کے کام کو مزید آگے بڑھائیں۔ ان کی اعلیٰ خدمات کے لئے تاریخِ اردو ہمیشہ ان کی شرمندہ احسان رہے گی۔

ذوقِ علمی کا پس منظر اور ارتقاء:

سخاوت مرزا نے قدیم ادب کے مختلف موضوعات پر بکثرت مقالات لکھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو تصنیف و تالیف کے کام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں نواب سالار جنگ چہارم یوسف علی خان بہادر (ف: ستمبر ۱۹۶۲ء) کی حوصلہ افزائی۔ نیز عمر الیافعی (ف: ۲۷ اگست ۱۹۶۱ء) اور ان کے ساتھیوں کی مساعی کی بدولت حیدر آباد دکن میں دکنی زبان و ادب کی تحقیق و بازیافت کی تحریک شروع ہوئی تو سخاوت مرزا بھی اس میں دلچسپی لینے لگے۔

مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر محی الدین زورؔ سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۹۳۸ء میں لکھنا شروع کیا۔

ان کا پہلا تحقیقی مقالہ "سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی" ۱۰ انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ "اردو" میں ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ جب کہ اگلی اشاعت جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں بعض تسامحات کی تصحیح بھی شائع ہوئی۔

پھر جب ان کے مضامین تواتر کے ساتھ سہ ماہی 'اردو' میں شائع ہونے لگے تو ادبی حلقوں میں انکا ایک اعتبار قائم ہو گیا اور انھیں ایک غیر جانبدار محقق صادق گردانا جانے لگا۔ بعد ازاں آپ کے مضامین دوسرے معروف رسائل میں بھی شائع ہونے لگے۔ جن میں معارف (اعظم گڑھ)، نوائے ادب (بمبئی)، اردو ادب (علی گڑھ)، ہماری زبان (علی گڑھ)، قومی زبان (کراچی)، ماہِ نو (کراچی)، برہان (دہلی)، سب رس (کراچی)، اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، اردو نامہ (کراچی)، صحیفہ (لاہور) اور بصائر جیسے رسائل شامل تھے۔ آج بھی ان کے مضامین و مقالات کی خاصی تعداد مختلف رسائل میں منتشر پڑی ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ اپنی کتاب 'حیدرآباد کے ادیب' ۱۹۶۲ء میں لکھتی ہیں کہ:

"ان کی تالیفات کی تعداد ۱۲ ہے، جن میں "تذکرہ اولیائے دکن"، "تذکرہِ اقوامِ دکن"، "سوانح سید شاہ کمال الدین کڑپوی" ۱۰، "سوانح حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز" حالات و تعلیمات حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت" قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن ان مین سے کسی کے بھی چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ 'من لگن' (شیخ محمود بحریؒ) انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔" ۱۱

اسکے برعکس مالک رام "تذکرہ معاصرین" میں لکھتے ہیں کہ:

"ان کی چھوٹی بڑی مطبوعات کی تعداد ۳۵ ہے۔ ان مین زیادہ اہم مثنوی 'من لگن (بحری)'۔ تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مخزن اسرار حقیقت (یعنی مختصر حالات و ملفوظات حضرت شاہ کمال الدین حیدرآبادی) ہیں۔ دکنیات سے متعلق ان کے متعدد مضامین دائرۃ المعارف (پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں بھی شامل ہیں۔ یقین ہے کہ ہنوز غیر مطبوعہ ان کے مسودات میں پڑا ہوگا۔" ۱۲

مذکورہ بیانات کے سلسلے میں ہمیں یہ بات بھی نظر میں رکھنی ہوگی کہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی کتاب 'حیدرآباد کے ادیب' ۱۹۶۲ء میں جبکہ مالک رام کی 'تذکرہ معاصرین' ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ جبکہ سخاوت مرزا کا انتقال ۱۹۷۷ء میں ہوا۔ گمان غالب ہے کہ اس کے بعد بھی ان کی تصنیفات کا سلسلہ جاری رہا ہوگا۔

اگرچہ سخاوت مرزا پر تحقیقی کام اس رفتار اور سنجیدگی سے نہ ہو سکا جو کہ ان کا حق تھا مگر پھر بھی حیدرآباد دکن کی ایک اسکالر ڈاکٹر حکیم رئیس فاطمہ روشنی نے جو کتاب سخاوت مرزا کے سلسلے میں لکھی ہے (جو دراصل ان کے ایم فل کا مقالہ ہے) وہ بھی اس سلسلے کے اہم مآخذ میں سے ایک ہے۔ وہ اپنی کتاب 'محمد سخاوت مرزا' میں لکھتی ہیں کہ:

"راقمۃ الحروف کو ہندو پاک کے مختلف علمی و ادبی رسائل میں سخاوت مرزا کے ۸۵ مضامین و مقالات دستیاب

ہوئے ہیں۔جن میں بیشتر دکنی الشعرا،ادیبوں اور ین کی تخلیقات کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ان مقالات کے علاوہ سخاوت مرزا کی قلمی فتوحات میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆حضرت مخدوم عبدالحق ساوی کے مختصر حالاتِ زندگی۔

☆تذکرہ مخدم جہانیاں جہاں گشت۔

☆معراج العاشقین۔

☆مخزن اسرارِ حقیقت (یعنی مختصر حالاتِ زندگی وملفوظات حضرت شاہ کمال الدین بخاریؒ)

☆مکتوباتِ ابوالعلی اکبرآبادی۔

☆تذکرہ مبلیغین ومجاہدینِ اسلام۔

☆اقوامِ ہندودکن۔

☆تذکرہ اولیائے دکن۔

☆سوانح حضرت خواجہ سیّد محمد حسینی گیسودراز۔

☆گجرات میں اردو۔

☆مکتوباتِ ملوی عبدالحق،بنام سخاوت مرزا۔

☆مثنوی ''من لگن''۔

☆دیوان قاسم۔

☆''علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو'' میں سخاوت مرزا کا ایک باب ظہیرالدین مدنی کے اشتراک سے لکھا گیا۔

☆تاریخِ ادبِ اردو مرتبہ عبدالقیوم میں سخاوت مرزا کے لکھے ہوئے تین ابواب شامل ہیں۔

☆''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند'' (مدیرخصوصی،سیّدمحمود فیاض) [۱۲] میں سخاوت مرزؔا کے دو باب شامل ہیں[۱۳]۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ ''حیدرآباد کے ادیب'' میں لکھتی ہیں کہ:

سخاوت مرزا کی ۲۱ تصانیف ہیں۔جن میں تذکرہ اولیائے دکن،تذکرہ اقوامِ دکن،سوانح سیّد شاہ کمال الدین کڑپوی،سوانح حضرت خواجہ سیّد محمد حسینی گیسودراز،حالات وتعلیمات حضرت جہانیاں جہاں گشت قابلِ ذکر ہیں۔مگر ان میں سے کسی ایک کے بھی چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

جبکہ حکیم رئیس فاطمہ اپنی تصنیف ''محمد سخاوت مرزؔا'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''ڈاکٹر زینت ساجدہ کو غلط فہمی ہوئی ہے،مندرجہ بالا فہرست میں سے دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں

''سید شاہ کمال الدین کڑپوی'' اور'' حالات و تعلیمات حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' شائع ہو چکی ہیں۔

راقمۃ الحروف نے جب سخاوت مرزاؔ کی تصانیف و مقالات کی تلاش و جستجو کی تو مختلف رسائل میں تقریباً ۹۰ سے زائد مقالات مذکورہ تصانیف کے علاوہ دریافت ہوئے۔ جن میں سے چند مقالات کی تدوین اس مقالے میں کی جائے گی۔ اُمید ہے کہ سخاوت مرزاؔ کے مقالات کی خاصی تعداد اب بھی مختلف رسائل میں منتشر پڑی ہے۔

تصانیف:

دکن کے قدیم شعراء کی تخلیقات کو ادبی دنیا سے متعارف کرانے والے سخاوت مرزاؔ نے جو قابلِ قدر کام کئے انکا ایک اجمالی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

''دکنی ادب کی جن شخصیات پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے ان میں فی الحال شاہ قادر کرنولی، قاضی محمود بحری، شاہ صدر الدین مسیوری، شاہ میر راۓچوٹی، شاہ کمال گرم کنڈوی، ھاشمی بیجاپوری، شاہ زین الدین بیدری، شاہ راجو قتال، شیخ مخدوم ساوی، شاہ قاسم اورنگ آبادی، والہ موسوی، ملک الشعرا غواصی، میراں جی شمس العشاق اور مشتاق بیدری اہم ہیں۔

اسکے علاوہ دکنی ادب کے جن ادب پاروں کا انہوں نے تعارف کرایا ہے ان میں برھنی، مناقب بازی، مثنوی بلقیس و سلمان، معراج نامہ مختار، مثنوی تحفۂ اعظم، مثنوی مراۃ الحشر، ترجمہ و گھبٹ دخیل نامہ ہاشمی، قصہ کفن چور منظوم، مثنوی جامع الحقائق، مثنوی ریاض الحسنین، ولایت نامہ، یوسف زلیخا، مثنوی ریاض العارفین ریختہ ثناء گجراتی، مناقب بازی وغیرہ شامل ہیں۔

انہوں نے اردو اور فارسی نصابوں کا تحقیقی جائزہ بھی لیا ہے۔ اور اس ضمن میں انہوں نے بتایا کہ:

اجے چند کی ''مثلِ خالق باری'' جو ۹۶۰ھ کی تصنیف ہے اردو کی اولین نصابی کتاب ہے۔ سخاوت مرزا کا ایک مقالہ نصیر الدین ہاشمی کی وضاحتی فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد، کے مطالب و مباحث پر مشتمل ہے۔ جسمیں انہوں نے بعض نئی معلومات فراہم کیں۔ اس مقالے کی خاص بات یہ ہے کہ مقالہ انہوں نے ایک طالب علم کے فرضی نام سے لکھا۔ ۱۵

نصیر الدین نقش نے ''تذکرۂ عروس الاذکار'' کے نام سے ۱۲۸۹ھ میں اپنے معاصر شعراء کے حالات قلم بند کئے۔ جن میں بیشتر کا تعلق حیدر آباد (دکن) سے تھا۔ یہ حصہ تذکرہ گذشتہ صدی کے شعرائے دکن کے حالات و کوائف کا ایک اہم آخذ ہے۔ اسکے دو نسخے کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی اور ایک نسخہ ادارہ ادبیاتِ اردو حیدر آباد میں موجود ہے۔ سخاوت مرزا نے اپنے ایک مقالے مشمولہ 'اردو' جنوری ۱۹۵۷ء میں سب سے پہلے اس تذکرے کا تعارف لکھا۔ اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ حیدر آباد دکن میں لکھے گئے تذکروں کا مختصراً جائزہ بھی پیش کیا گیا۔

اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۶۰ء میں انہوں نے ایک مقالہ دکنی تصانیف ''صراطِ مستقیم'' پر لکھا جسکو آج تک وجہی کی تصنیف سمجھا جا تا رہا تھا۔ سخاوت مرزا نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ یہ وجہی کی تصنیف نہیں ہے۔ اس مقالے کی تدوین بھی زیرِ مطالعہ مقالے کا حصہ ہے۔ شاہ تراب کی مثنوی '' مہ جبین وملا'' کے تعارف میں سخاوت مرزا نے ایک اہم مقالے میں اس مثنوی کا مکمل تعارف وحالات قلم بند کئے جو کہ ''اردو ادب'' شمارہ ۲، ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۶

''اردو ادب'' میں ہی انہوں نے شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری کے خلیفہ شیخ محمود (خوش دہاں) چشتی کی نظم ونثر کے بارے میں تعارفی مقالہ لکھا۔ انہوں نے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ایک قلمی نسخہ ''لوری نامہ دائم'' کا تعارف کرایا۔ جس کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ یہ محمود خوش دہاں کی تصنیف ہے۔ اس مقالے میں انہوں نے خوش دہاں کے نثری رسالہ ''تنبیہ الخلایق'' کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کا نسخہ انجمن کراچی کتب خانے کی ملکیت ہے۔

انہوں نے دکن کے شاعر، ادیب اور مورخ غلام حسین جوہر بیدری کے حالات اور کارناموں پر ایک مقالہ لکھا۔ جو کہ اورینٹل کالج میگزین میں ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے غلام حسین جوہر بیدری کے حالات کے بارے میں تاریخ خاموش تھی۔

سرور نامی ایک مجہول الاحوال شاعر نے دکن زبان میں ''بہارستانِ عشق'' نام سے ایک مثنوی لکھی تھی؛ جو ''سام نامہ'' فارسی سے ماخوذ ہے۔ اسکا واحد نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ سخاوت مرزا نے اس مثنوی کا تعارف کرایا۔ شاعر کے حالات مثنوی میں موجود شہادتوں سے اخذ کئے؛ انہوں نے مآخذ کی تحقیق کے سلسے میں ''سام نامہ'' سے بھی مدد لی۔ اور شہادت کے طور پر مثنوی کے اقتباسات بھی دئے ہیں۔ شاہ تراب کی تصنیف ''من سمجھاون'' مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر کے مقدمے اور پیش لفظ مرقومہ ڈاکٹر مسعود حسین خان کے مشمولات ومباحث پر تنقیدی وتحقیقی نظر ڈالی ہے۔

''اردو نامہ'' جنوری ۱۹۶۸ء میں سخاوت مرزا نے میران جی شمس العشاق کی تاریخ وصال پر ایک مقالہ لکھا ہے۔ اور تحقیق سے میراں جی کے بیجاپور میں وارد ہونے کا سن ۹۶۷ھ اور وفات ۹۷۰ھ ثابت کی ہے۔ ۱۷

انہوں نے ایک مقالہ ''قدیم دکنی شعراء کے چند نایاب مرثیے'' لکھا جس میں دکن کے معروف شعراء کے مرثیے جو انہیں کتب خانہ سالار جنگ کی نادر ونایاب بیاضوں سے دستیاب ہوئے شائع کئے ہیں۔ ۱۸

سخاوت مرزا نے شیخ بدرالدین جونپوری متوفی اوائل نویں صدی ہجری کی ایک غزل ریختہ کا تعارف کرایا ہے جو انہیں کتب خانہ روضہ گلبرگہ سے دستیاب ہوئی۔

ریختہ کے سلسے میں انہوں نے ایک اور مقالہ تحریر کیا تھا جو کہ رسالہ ''اردو'' اکتوبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا جس میں شیخ فریدالدین گنج شکر کے ریختہ کا تعارف کراتے ہوئے اُس ریختہ کو اردو کا پہلا ریختہ قرار دیا تھا۔ واضح رہے کہ اس سے قبل پروفیسر محمود شیرانی نے امیر خسرو کی مشہور غزل:

۔ زحالِ مسکیں ماکن تغافل ۔۔۔ کو ریختہ کا اولین نمونہ قرار دیا تھا۔ ۱۹

سیّد احمد قادری الحسینی سبز پوش کی مثنوی "جامع الحقائق" کا تعارف بھی سخاوت مرزا نے کرایا۔ مصنف کے حالات دستیاب نہیں تھے۔ لہٰذا انہوں نے سبز پوش خاندان کے تاریخی حوالے اور شجرہ پیش کرنے کے علاوہ مثنوی کے مندرجات اور مخطوطات پر بحث کی ہے۔ ۲۰

مہاراجہ چندو لعل شاداں کے دور میں ایک شاعر نول سنگھ نے ۱۲۴۱ھ میں ایک مثنوی "جگت روپ" لکھی جو کہ قریباً ڈھائی ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ انجمن کراچی میں موجود ہیں۔ نول سنگھ کے بارے میں حالات ناپید ہونے کی وجہ سے سخاوت مرزا نے مثنوی کی داخلی شہادتوں سے شاعر کے کچھ حالات اخذ کیے ہیں۔ ۲۱

ملا وجہی کی تصنیف "تاج الحقائق" ایک عرصہ سے محققین کے درمیان موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ آج سے بہت عرصہ قبل سخاوت مرزا نے "تاج الحقائق" کو میراں جی سے منسوب کرتے ہوئے اِسے میراں جی کی "سب رس" قرار دیا تھا۔ ۲۲ یہ بحث بھی ہمارے مقالے کا حصہ ہے۔ جبکہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کیا کہ "تاج الحقائق" میراں جی کی تصنیف نہیں اور انہوں نے سب رس کے نام سے کوئی نثری کتاب نہیں لکھی۔ بعد میں سخاوت مرزا نے ایک مقالہ "سب رس میراں جی شمس العشاق یا تاج الحقائق وجہی" تحریر کیا اور اِسے وجہی کی تصنیف قرار دیا۔ ۲۳ ۲۴

انہوں نے "بالا جی ترمبک نایک بہ ذرہ" ۲۵ اور والہ موسوی ۲۶ کے حالات شاعری اور تصانیف پر مبسوط تبصرہ اور مقالے لکھے۔ ولی محمد عقلان ۲۷ پر ایک اور تحقیقاتی مقالہ تحریر کیا۔

طاہر حموی ۲۸ کے والد کے ایک مرید سیّد حسین علی شاہ قادری تھے جنھوں نے دکنی زبان میں "انوار العاشقین" نام کا ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا ایک کمیاب مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ سخاوت مرزا نے اس کتاب کا تعارف پیش کیا نیز اسکے کچھ اقتباسات حوالے کے طور پر بھی پیش کیے۔ ۲۹

فخر دین نظامی کی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' سب سے پہلے سخاوت مرزا نے ہی مرتب کرنی شروع کی تھی۔ اسکا مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی میں موجود تھا۔ میوزیم کے ارباب اختیار لوگوں نے اعتراض کیا کہ انھوں نے ضروری کاروائی اور اجازت کے بغیر یہ کام شروع کیا ہے۔ لہٰذا وہ مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' کی تدوین سے دستبردار ہو گئے۔ 'ہماری زبان' کے بعض شماروں میں اس کی بعض اقساط بھی شائع ہوئی تھیں اس سلسلے کا ان کا ایک مقالہ 'مثنوی کدم راؤ پدم راؤ' کے نام سے شائع بھی ہوا تھا۔ ۳۰

قدیم اردو کی نثری اور منظوم تخلیقات کے علاوہ سخاوت مرزا نے لغات کا بھی تعارف کرایا ہے۔ مثلاً شاہ محی الدین نے کثیر الفوائد کے نام سے فارسی اور اردو کی ایک لغت مرتب کی تھی جسکا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اس کے تعارف میں سخاوت مرزا نے ایک مضمون لکھا۔ ۳۱

اسکے علاوہ انہوں نے ایک مقالہ ''تحقیقاتِ الفاظ ہندی غرائب اللغات'' بھی لکھا۔۳۲ جسمیں یہ بتایا گیا تھا کہ دکن کے بعض ادیبوں نے غرائب اللغات کی تحقیق کی تھی۔ جن میں مولوی عبدالواسع ہانسوی کا نام قابل ذکر کیا ہے۔ نیز اس مقالے میں انہوں نے بعض قدیم اردو لغات اور لغت نگاروں کا بھی ذکر کیا ہے۔

تدوین متن:

تحقیق اور قدیم شعراء و مصنفین کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات و کارناموں کے علاوہ سخاوت مرزا نے تدوین متن کے سلسلے میں بھی قابلِ ذکر کام کیا ہے۔ انہوں نے قاضی محمود بحری کی مثنوی ''من لگن'' کی تدوین کی جو کہ انجمن ترقیء اُردو کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ مثنوی سے قبل ایک جامع مقدمہ بھی لکھا جس میں بحری کے حالاتِ زندگی اور معاصرین کا ذکر کیا ہے مذید یہ کہ ''من لگن'' کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخوں کی فہرست بھی دی ہے، جبکہ حواشی میں مثنوی کے مشکل الفاظ کی صراحت کرنے کے علاوہ آخر میں فرہنگ اور صحت نامہ کی سرخی کے تحت غلط نامہ مثنوی ''من لگن'' بھی دیا گیا ہے۔ جو کہ انکی ایک اعلیٰ درجے کی تدوین ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا بڑا کارنامہ ''دیوانِ قاسم ہے۔ جسکی انہوں نے بہترین تدوین کی ہے۔ اورنگ آباد سے تعلق رکھنے والے اٹھارویں صدی کے شاعر شاہ قاسم کا دیوان ہے۔ اس دیوان کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اٹھارویں صدی میں لسانی اعتبار سے کافی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دکنی زبان پر شمالی ہند کے ریختہ کا اثر اٹھارویں صدی میں پختہ ہونے لگا تھا۔ قدیم دکنی الفاظ پر بھی جدید اردو جسے ریختہ کہا جاتا تھا کا اثر غالب تھا سخاوت مرزا کا مرتبہ دیوان ''دیوانِ قاسم'' کے نام سے انجمن ترقیء اردو کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی دیوان کے آغاز میں ایک جامع ہے۔ جس میں شاعری کے بدلتے ہوئے حالات ،اقدار اور شعر کے مقام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لسانی تجزیہ کے علاوہ حواشی میں ضروری الفاظ کے معنی، مطالب و تشریحات بھی درج ہیں۔ گویا یہ ایک مکمل لسانی تجزیہ ہے جو کہ سخاوت مرزا کی قابل قدر کاوش ہے۔

سخاوت مرزا کے تدوینی کاموں میں مزکورہ بالا خدمات کے علاوہ ''مکتوباتِ ابوالعلا اکبرالہ آبادی'' کی ترتیب و تدوین بھی شامل ہے۔ جبکہ مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام سخاوت مرزا'' کی تدوین و ترتیب بھی سخاوت مرزا کے کمال فن کا مرہونِ منت ہے۔

تواریخ:۔

تحقیق و تدوین کے علاوہ سخاوت مرزا ''تواریخ ادب'' کے مختلف منصوبوں سے بھی وابستہ رہے۔ اور اپنے زورِ قلم اور گراں مایہ علمی جواہر کو صفحہ تاریخ پر مرقوم کیا۔ ذیل میں مختصراً ان تواریخ کا جائزہ لیتے ہیں۔

☆ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند:۔

اس تاریخ کی چھٹی جلد کے مدیر ڈاکٹر وحید قریشی ہیں اور یہ ابتدا سے ۱۷۰۷ء تک زبانِ اردو اور ادبی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔مزکورہ کتاب کا دسواں اور گیارھواں باب سخاوت مرزا نے مشفق خواجہ اور فیضان دانش کے اشتراک سے لکھا۔دسویں باب میں گجرات میں اردو ادب کا ارتقاء، چند اہم شعراء کا ذکر، گجرات میں اردو کا مقام اور پس منظر بیان کیا گیا ہے جو کہ ادبیاتِ گجرات کے نام سے ہے۔

جبکہ گیاھواں باب چار عنوانات میں منقسم ہے۔یہ بھی سخاوت مرزا نے فیضان دانش کے اشتراک سے لکھا ہے۔اس میں ولؔی کے عہد۔پس منظر، حالات اور معاصرین نیز ان کی اہم تصانیف وغیرہ پر نظر ڈالی گئی ہے۔اور تحقیقی نوعیت کی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔جن عنوانات کے تحت یہ باب لکھا گیا ہے وہ یہ ہیں

- ولؔی اور اسکے معاصرین
- ولؔی کے دکنی معاصر شعراء
- ولؔی کے غیر دکنی معاصر شعراء اور ولؔی۔ ۳۴

☆ تاریخِ ادبِ اردو مرتبہ عبدالقیوم (جلد اول):۔

اس کتاب میں سخاوت مرزا کے لکھے ہوئے تین ابواب ہیں جسمیں انھوں نے شعراء کے حالات، تراجم اور انکے کارنامے سرسری انداز میں پیش کے ہیں۔یہ پاکستان ایجوکیشن پریس کراچی سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہو جس میں ۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء تک کی اردو کی ادبی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

☆ علی گڑھ تاریخِ ادبِ اردو (جلد اول):۔

آل احمد سرور نے تمہید سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔پھر مسعود حسین خان نے لسانی مقدمہ لکھا ہے۔اس کتاب میں چھٹا باب سخاوت مرزا نے بعنوان "ولؔی اور اسکا عہد" ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کے اشتراک سے لکھا ہے۔اس باب میں انھوں نے ولؔی کے حالاتِ زندگی اور کلام کا جائزہ پیش کیا ہے۔جبکہ آخر میں کتابیات بھی دی ہے۔یہ کتاب شعبہء اردو علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔

سخاوت مرزا نے اپنے عصر کے تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔سوانح نگاری اور تذکروں کے ضمن میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں اانجام دیئے ہیں ان کا ایک مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت:

سخاوت مرزا نے "حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے حالات زندگی، شجرہ نسب، اولاد اور ملفوظات پر جامع تذکرہ لکھا ہے۔ جو بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے۔ اسے انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز حیدرآباد نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔[۳۵]

مخزن اسرار حقیقت:

یہ بھی شاہ کمال الدین کے مختصر حالات زندگی ملفوظات اور تعلیمات کے حوالے سے جامع کتاب ہے جو کہ دراصل ایک طویل مقالہ ہے۔[۳۶]

حضرت مخدوم عبدالحق ساوی:

حضرت مخدوم عبدالحق ساوی پر ایک مختصر مقالہ ہے جو ان کے حالات زندگی تعلیمات و ملفوظات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۱ء میں انجمن ترقی ہندوستان سے شائع ہوا۔

حضرت مخدوم عبدالحق کے حالات ملفوظات:

اس مقالے میں بھی حضرت مخدوم عبدالحق کے حالات زندگی اور تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تذکرہ حدیقۃ المرام:

مہدی واصف کے لکھے عربی تذکرے کا رواں اردو ترجمہ کیا جس میں علماء مدارس کا ذکر تھا۔ یہ کتاب سخاوت مرزا کے انتقال کے بعد انجمن ترقی اردو کراچی سے ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ تذکرہ اردو مشاہیر کے تذکروں میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔

معراج العاشقین:

سخاوت مرزا نے 'معراج العاشقین' کو دکن زبان سے رواں اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ دکنی ادب کا وہ معروف رسالہ ہے جسے کافی عرصہ تک حضرت خواجہ گیسو دراز کی تصنیف سمجھا گیا مگر حفیظ قتیل نے اسے مخدوم شاہ حسینی بلکا نوری کی تصنیف ثابت کردیا۔ یہ کتاب دکن دارالاشاعت کراچی سے ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوئی۔

ان تصانیف کے علاوہ سخاوت مرزا کی کچھ غیر مطبوعہ تصانیف بھی ہیں جو کبھی کہیں سے شائع نہ ہو سکیں۔ جن میں تذکرہ مبلغین ومجاہدین اسلام، اقوام ہندو دکن، گجرات میں اردو اور تذکرہ اولیائے دکن شامل ہیں۔

امید کی جاسکتی ہے کہ یہ تصانیف بھی ان کی دیگر مطبوعہ تصانیف کی طرح تحقیقی نوعیت کی ہونگی اور اردو ادب میں گراں مایہ اضافہ ثابت ہونگی۔ لہٰذا ان کو شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا انہیں شایع کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ہمیں آج پہلے سے زیادہ وسائل وسہولیات میسر ہیں مگر تحقیق میں وہ درجہ کمال کم کم نظر آتا ہے جو سخاوت مرزا کا خاصہ تھا۔ اگرچہ آج وہ ہم میں نہیں مگر اپنے کام میں زندہ ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ

ہمیں فخر ہے کے ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

حواشی وتعلیقات

۱۔ قطب الدین باطن نے اپنے 'تذکرہ گلستان' میں اسکا ذکر کیا ہے۔

۲۔ مالک رام،۱۹۹۲'تذکرہ معاصرین' دہلی، ج ۴،ص ۲۱۷

۳۔ قادری، محمد ایوب، ڈاکٹر، اپریل ۱۹۸۲ء 'محمد سخاوت مرزا' مشمولہ سب رس یادرفتگان، حصہ دوم، ص ۵۱

۴۔ مالک رام، جون ۱۹۶۱، 'تذکرہ معاصرین' ج ۴، ص ۲۱۸

۵۔ رئیس فاطمہ، حکیم، ۲۰۰۶، 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد دکن، ص ۲۶۔

۶۔ مالک رام، ۱۹۲۱، 'تذکرہ معاصرین' ج ۴، ص ۲۱۸

۷۔ زینت ساجدہ، ڈاکٹر، ۱۹۶۲، 'حیدرآباد کے ادیب'، ص ۶۹۔

(ملازمت سے سبکدوش ہونے کی تاریخ میں مالک رام اور زینت ساجدہ کے درمیان اختلاف ہے۔ زینت ساجدہ نے 'حیدرآباد کے دیب' میں سبکدوشی کا سن ۱۹۵۲ لکھا ہے۔ جب کہ مالک رام نے ۱۹۵۱۔ جبکہ ایوب قادری کے مضمون 'محمد سخاوت مرزا' مشمولہ سب رس، اپریل ۱۹۸۲ میں سن سبکدوشی ۱۹۵۲ لکھا گیا ہے۔ اگر ہم ۱۹۵۲ کو درست مانتے ہیں تو ان کی کراچی ہجرت کی تاریخ مشکوک ہو جاتی ہے۔ جس کے مطابق وہ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ۱۹۵۲ء میں کراچی میں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا مالک رام کے مطابق ۱۹۵۱ء قرین قیاس معلوم ہوتی ہے)

۸۔ قادری، محمد ایوب، ڈاکٹر، ۱۹۸۲ 'محمد سخاوت مرزا' مشمولہ سب رس یادِ رفتگان حصہ دوم: ص ۵۲۔

۹۔ رئیس فاطمہ، حکیم، ۲۰۰۶ء 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد، ص ۲۶۔

۱۰۔ سب رس کراچی یادِ رفتگاں، 'دکنی ادب کے محققین' اور حکیم رئیس فاطمہ نے اپنی تصنیف 'محمد سخاوت مرزا' میں۔ متذکرہ بالا تمام مصنفین نے اس مقالہ کا نام 'سید شاہ کمال الدین کڑپوی' لکھا ہے۔ جبکہ اصل مقالے کا نام 'سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی قدس سرہٗ' ہے۔

۱۱۔ زینت ساجدہ، ڈاوٹر، ۱۹۲۶ء، 'حیدرآباد کے ادیب' ص ۶۹

۱۲۔ مالک رام، ۱۹۶۱، 'تذکرہ معاصرین' دہلی، ج ۴، ص ۲۱۹۔۲۱۸

۱۳۔ رئیس فاطمہ، حکیم، ڈاکٹر، ۲۰۰۶ء، 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد، ص ۲۸۔

۱۴۔ 'تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند' کی چھٹی جلد میں سخاوت مرزا کے لکھے ہوئے ابواب داخل ہیں۔ اور اس

کے مدیر سید محمود فیاض نہیں بلکہ خصوصی مدیر ڈاکٹر وحید قریشی ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۷۱ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور حبیب پریس مزنگ روڈ سے شائع ہوئی۔

۱۵۔ مشمولہ رسالہ اردو' اپریل ۱۹۵۷، کراچی، انجمن ترقی اردو۔

۱۶۔ مشمولہ 'اردو ادب' شمارہ ۲، ۱۹۶۱ء۔

۱۷۔ مشمولہ 'اردو نامہ' جنوری، ۱۹۶۸ء۔

۱۸۔ مشمولہ 'اردو نامہ' شمارہ ۳۳، جون، ۱۹۶۹۔

۱۹۔ رئیس فاطمہ، حکیم، ڈاکٹر، ۲۰۰۶ 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد، ص ۲۲۳۔

۲۰۔ مشمولہ 'اردو نامہ' جنوری، ۱۹۷۰ء۔

۲۱۔ مشمولہ 'اردو' اپریل، ۱۹۷۰۔

۲۲۔ مشمولہ 'النور' شمارہ ۲، حیدرآباد دکن، ج ۲، ۱۳۴۳ھ۔

۲۳۔ مشمولہ 'اردو نامہ' مئی، ۱۹۷۱ء۔

۲۴۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر ۱۹۶۱، 'تاریخ ادب اردو' مرتبہ عبدالقیوم، ج اول، ص ۴۵۱۔

۲۵۔ مشمولہ 'اردو نامہ' مئی، ۱۹۷۱۔

۲۶۔ مشمولہ 'اردو نامہ' ستمبر، ۱۹۷۱۔

۲۷۔ مشمولہ 'اردو نامہ' اپریل، ۱۹۷۲۔

۲۸۔ سید شاہ طاہر نام اور ولدیت سید شاہ عبداللطیف حموی الملقب بہ سید الابدال عالی تھا۔ ان کا وطن حماء (شام) تھا مگر بعد میں کرنول میں مقیم ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سات فرزندوں میں سے ایک ہیں جنھیں مشائخ سبعہ کیا جاتا ہے۔ مکمل تذکرہ 'اردو' جنوری و اپریل ۱۹۵۳ میں شائع ہوا۔

۲۹۔ مشمولہ 'اردو نامہ' جولائی، ۱۹۷۲ء۔

۳۰۔ مشمولہ 'اردو ادب' ۱۹۲۲، شمارہ ۲، علی گڑھ۔

۳۱۔ رئیس فاطمہ، ۲۰۰۶ 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد، ص ۲۲۵۔

۳۲۔ مشمولہ 'اردو نامہ' اپریل، ۱۹۷۴، شمارہ ۴۸، ص، ۲۵۔

۳۳۔ ہاشمی، نصیر الدین، ۱۹۸۵ دکن میں اردو، ص ۳۰۷۔ (میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۱۲ھ بمطابق ۱۷۰۵ء میں لکھی گئی تھی)۔

۳۴۔ 'تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند'، ۱۹۷۱، ج ۲، لاہور، ص۔

۳۵۔ رئیس فاطمہ، حکیم، ڈاکٹر، ۲۰۰۶، 'محمد سخاوت مرزا' حیدرآباد، ص ۲۲۹۔

۳۶۔ مشمولہ 'اردو' ۱۹۳۹، 'شاہ کمال الدین کڑپوی' اورنگ آباد۔

اثیمہ

مدراس کی ایک جیّد شاعرہ

(از جناب مولوی سخاوت مرزا، بی۔اے۔ایل ایل بی عثمانیہ)

اردواور خواتینِ ہند:

شمالی ہند میں عورتوں میں اُردو شاعری سے دلچسپی وسط تیرھویں صدی ہجری سے ہوئی ہے امراء ورؤسا کے محلات نے معتد بہ حصہ لیا ہے جن میں نواب اختر محل اختر (۱) کیفی تیموریہ ۱۲۸۰ھ نواب بیگم نواب، غازی الدین حیدر شاہ اودھ کی پوتی، اور محل واجد علی شاہ عالم تخلص، امراؤ بیگم عابد بنت نواب یوسف علی خاں والی رامپور، شمس النساء (۲) شرم تلمیذ خواجہ وزیر صاحب دیوان گزری ہیں۔اور عالم اور عابد نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی لکھی ہیں۔البتہ بنگال (۳) میں ایک شاعرہ شرف النساء گزری ہے جس کا تعلق نواب فریدوں جاہ والی مرشد آباد کے دربار سے تھا اس کی ایک چار ہزار اشعار کی مثنوی دلدار شاہ کا ذکر پروفیسر محفوظ الحق صاحب مرحوم نے کیا تھا جو اثیمہ کی ہمعصر ہے، مگر اثیمہ کی کئی مثنویاں اور دیوان بھی ہیں جس کے اشعار دس بارہ ہزار سے کم نہیں، جس سے پروفیسر صاحب مذکور غالباً لاعلم تھے۔

مگر دکن میں عورتوں نے یوں تو آٹھویں صدی (۴) میں بہ زمانہ سلطان محمود اور فیروز بہمنی ہندی موسیقی میں کمال اور دکھنی غزلیں گائیں جن میں دختر تخلچین غلام محمود بہمنی (محمد شاہ) اور ریتھال اور راجہ دیورائے حاکم بیجانگر کے بیٹے کی محبوبہ ہے نیز خواجہ گیسودراز قدس سرہٗ (۵) نے عورتوں کی زبان میں بعض چکی نامے (۶) لکھ کر خاص دلچسپی پیدا کی ہے مگر اُردو ادب کی ترقی میں گیارھویں صدی ہجری سے عورتوں نے مستقل حصہ لیا ہے۔اس کی ابتداء عادل شاہی خاندان کی مشہور خاتون ملکہ خدیجہ سلطانہ شہر بانو حرم محمد عادل شاہ بیجاپور نے کی اور خاور نامہ ابن حسام (۷) کا ترجمہ رستمی سے ۱۰۵۹ھ میں کرایا جس کے چوبیس ہزار بیت ہیں۔

دوسری دکنی خاتون جس نے ابن نشاطی کی "پھولبن با تصویر" (۸) مرتب کرائی وہ قلعہ سدھوٹ (کڑپہ مدراس) کی

ایک جاگیرداری ہے (۱۰۶۶ھ) جو قطب شاہی معاشرت کا آئینہ ہے۔ مگر کسی عورت کا ذاتی مستقل کارنامہ نہیں ہے۔ مگر بارھویں صدی ہجری میں دکن میں ایک خاتون گنا بیگم المتخلص بہ شوخ (۹)

سودؔا کی شاگرد اور نواب عمادالملک نبیرۂ آصف جاہ اول کی حرم محترم تھیں جو بلحاظ حسن و جمال شہرۂ آفاق اور بلحاظ کمال شاعری سخن سنجی و سخن فہمی نہایت مشہور تھیں۔

دوسری مشہور عورت مہ لقا بائی چندا ہے (۱۰) جس کے کمال شاعری کے بڑے بڑے اساتذۂ فن شاہ علی تجلی، ایمان، غلام حسین جوہرؔ، معترف تھے، صاحب دیوان گزری ہے۔

تیسری ایک نہایت باعصمت وعفت پاک باطن شرم وحیا کی پتلی عالم فاضل جس نے مثنوی نگاری میں ہندوستان کے مشہور شاعر ''میر حسن'' کا مقابلہ کیا ہے وہ امیمہؔ (۱۱) بنت نجف علی خاں یعنی والا جاہ محمد علی کی نواسی ہے جس کے ادبی کارنامے اب تک پردۂ گمنامی میں ہیں اس لئے ہم یہاں مختصر حالات کے ساتھ ان کی تصانیف پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

مدراس کے مشہور تذکرے امیمہ کے حالات سے خالی ہیں ہم نے مختلف تواریخ مثلاً تذک والا جاہی (۱۲) برہان خاں ہانڈی تذکرۃ الانساب (۱۳) مصطفٰی علی خاں خوشدل سوانحات ممتاز سے اور خود امیمہ کی داخلی شہادتوں سے کچھ حالات جمع کئے اور بالآخر بہ تلاش بسیار حسن اتفاق سے (نظم دلچسپ امیر) (۱۴) مؤلفہ محمد منور گوہر سے کچھ حالات خاندانی دستیاب ہوئے۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ امیمہؔ، گوہر (۱۵) اور عبدالرحمٰن شاطر (۱۶) کی جدامجدہ تھیں جن کے خاندان کی غیر معمولی ذہانت اور علمی وادبی دلچسپی کا حال مولانا سلیمان ندوی نے رسالۂ معارف نومبر ۲۵ء میں اس طرح کیا ہے۔

''مدراس میں جو سب سے عجیب چیز دیکھی وہ ایک شاعری کا گھرانہ تھا۔ شاطر صاحب کے والد مرحوم فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے شاطر صاحب خود اُردو و فارسی کے برجستہ گو شاعر ہیں ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کی دو صاحب زادیاں بھی فارسی کی شاعرہ ہیں حسب ایماء شاطر صاحب ان خواتین کو یہ مصرعہ طرح دیا

''بہ شہر خود روم و شہریار خود باشم''

اس پر اہلیہ نے تین شعر اور چھوٹی صاحب زادی نے پانچ شعر لکھ کر بھیجے میں دنگ رہ گیا۔ بڑی صاحب زادی نے نثر کو نظم کیا سیرۃ النبی حصہ دوم سے حضرت جابرؓ اور یہودی قرض خواہ کا واقعہ نکال کر دیا تھوڑی دیر کے بعد شاہنامہ کی بحر اور زبان میں مثنوی کے دس پندرہ شعر میں نظم کر کے بھیج دیا۔''

''بارک اللہ فی بیت العلم ہذا''

غرض گوہر اور شاطر کے والد ماجد عبدالغنی خاں امیرؔ اثیمہ کے بڑے صاحب زادے تھے۔ گوہر امیرؔ کے حالات کے ضمن میں اثیمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت قبلہ گاہی کی والدہ ماجدہ (۱۷) بنسی والا جاہ جن کی نانی دوست علی خاں کی نواسی تھیں علم و عمل کی حیثیت سے عجیب خاتون تھیں ایسی قابل قدر ہستیاں کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتی ہیں بارہ سال تک مکہ معظمہ میں رہیں بارہ حج کئے۔ آپ کی چار تصنیفیں ہیں (۱) گلشن شاہدان (۲) گلشن مہ رخاں (۳) جہانضرب (۴) نسب نامہ۔ نظم و نثر میں موجود ہیں تخلص اثیمہ تھا۔ والد ماجد امیرؔ کے قادر محی الدین خاں بہادر سکندر جنگ ثانی تھے۔''

مگر گوہر نے اثیمہؔ کا نام اور تاریخ وفات نہیں لکھی اور نہ ان کے کوئی تفصیلی حالات لکھے البتہ ان کے صاحبزادوں کے علمی کارناموں کا مختصر و جامع ذکر ضرور کیا ہے ہم یہاں اثیمہ کے متعلق خود اثیمہؔ کی داخلی شہادتوں اور تواریخ کرناٹک سے ان کی زندگی اور علمی کارناموں پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

اثیمہ کے نانا محمد علی خاں والا جاہ تھے جنھوں نے اپنی پہلی بیوی خدیجہ بیگم المخاطب بہ نواب بیگم بنت احسن الدین خاں کے انتقال کے بعد نواب سعادت اللہ خاں نوایط کے برادر زادہ غلام مرتضیٰ خاں کی صاحب زادی سے عقد کیا تھا اثیمہ کے والد نجف علی خاں ابن عبدالغنی خاں کو انہیں غلام مرتضیٰ خاں قلعدار ویلور کی نواسی رضیہ بیگم (۱۸) منسوب تھی خان موصوف علی دوست خاں ناظم دوم آرکاٹ کے حقیقی بھتیجا اور داماد بھی تھے اس طرح نواب صاحب ممدوح بھی اثیمہ کے جد مادری ہوئے چنانچہ اثیمہ نے اشارہ کیا ہے:

وہ اے شمع کاشانہ انوری | وہ اے راحت جان والا جہی
علی دوست خاں کی نواسی تو ہے | رئیسوں کے بستاں کی سرو سہی (۱۹)

حاجی نجف علی خاں کے کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں بڑے صاحب زادے اعتماد الدولہ بہاد (۲۰) ر اور دوسرے قادر علی خاں بہادر منور جنگ نظیر تھے۔ اثیمہ نے اپنی ایک بڑی بہن (۲۱) کا ذکر کیا ہے جو نواب غلام مرتضیٰ خاں بہادر (۲۲) ثابت جنگ ممتاز الملک رفیع الدولہ سے منسوب تھی اور یہ بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعرہ تھیں۔

اثیمہ کی تعلیم و تربیت اس کے پدر بزرگوار اور نجف علی خان افتخار (۲۳) کے ہاتھوں ہوئی جو فارسی اور عربی کے بڑے فاضل اور زبردست شاعر تھے مثنوی بہاریہ اور خزانیہ ان کی مشہور و مستند تصانیف ہیں اس نے اپنے ایک اور استاد مولوی

لطف علی کا بھی نام لیا ہےاوردونوں کی اسی طرح مدح سرائی کی ہے۔

میرے دو ہیں استاد عالی وقار — کہ لطف علی و پدر نام دار

خذف کو وہ دل کے صدف کردیئے — مرے سینے میں موتیاں بھردیئے

تو کران کو اب اپنے احساں سے پُر — تو بھراون کے سینے میں عرفاں کے در

اثیمؔہ کا بیاہ:

اثیمؔہ کا بیاہ قادر محی الدین خان بہادر سکندر جنگ ثانی سے ہوا جو اثیمؔہ کے چچا نواب غلام حسین خان بہادر المعروف بہ شاہ اشرف اللہ سکندر جنگ اول کے صاحبزادے تھے یہ بھی عربی فارسی کے بڑے ماہر تھے۔ فن خوشنویسی یعنی خط نسخ و نستعلیق شفیعہ وگلزار وخط ناخن وغبار میں بھی بڑا کمال حاصل تھا شہسواری میں چاق اور خودداری میں ضرب المثل تھے مگر عمر نے وفا نہ کی معلوم ہوتا ہے کہ عالم شباب ہی میں ۱۲۶۸ھ سے قبل ان کا انتقال ہو گیا۔ اثیمؔہ کو حافظ محمد علی واعظ رامپوری اور خلیفہ سید احمد بریلویؒ (۲۴) سے بیعت تھی۔

اثیمہ کی تاریخ وفات دستیاب نہیں ہوئی چونکہ ان کی آخری تصنیف گلشن شاہدان ۱۲۸۹ھ میں لکھی گئی ہے جس میں اثیمہ نے آصف جاہ ششم نواب میر محبوب علی خاں مختار الملک اولی سلطان عبدالعزیز خاں اور شریف مکہ کی مدح سرائی کی ہے اس سے یہ یقین ہے کہ اثیمؔہ آخر تیرہویں صدی ہجری تک بقید حیات تھیں۔ اوران کا انتقال خاصی عمر میں ہوا جب انھوں نے اپنی اولاد کی بہاریں دیکھ لیں بلکہ اپنے ایک پوتے عبدالعلی عرف عبدالباری (۲۵) المتخلص بہ موجدؔ کی رونمائی کے لئے آخرالذکر کتاب چھوڑ گئی تھیں اس کا حال نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ اپنے اس پیارے پوتے کے بیاہ تک زندہ تھیں یا نہیں۔

اولاد:۔

اثیمؔہ کے صرف تین فرزند تھے۔ سب سے بڑے عبدالغنی خاں (۲۶) امیر دوسرے عبدالواسع خاں (۲۷) تیسرے عبدالصمد خاں (۲۸) اور تینوں عالم فاضل اور جید شاعر اور اپنے باپ اور ماں کے حقیقی جانشین تھے۔ اثیمؔہ نے کہا ہے

یہی ہیں مرے مایۂ کائنات — یہی حاصل زندگی وحیات

تصنیفات:۔

امیمہ نے اپنی تصنیف گلشن شاہدان میں لکھا ہے کہ میرے تخلص امیمہ کے پانچ حرف ہیں اسی خیال کے مدنظر میں نے پانچ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پہلی مثنوی گلبن مہ رخاں دوسری گلشن مہوشان یعنی قصہ جہاں ضرب تیسری گلشن شاہدان، چوتھی گلشن عاشقاں نثر میں اور پانچواں اردو دیوان ہے۔

گوہر نے ایک اور کتاب نسب نامہ کا حوالہ دیا ہے جو نظم و نثر میں ہے گوکل چھ تصانیف ہیں۔ ہماری نظر سے اول الذکر صرف تین مثنویاں گزری ہیں جو کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہیں۔ امیمہ نے اپنی تصانیف کو عرصۂ دراز تک پوشیدہ رکھا اگر چہ کہ بیگمات میں اکثر کو ان کا علم تھا۔

مثنویوں کا علم کس طرح ہوا:

ایک روز اتفاق سے تینوں لڑکے جن کی شادی ہو چکی تھی۔ ماں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن اتفاق سے کتابیں بھی وہاں موجود تھیں۔ ہر ایک نے ایک ایک کتاب اٹھائی اور کہا کہ بلاوجہ آپ نے ان کو پوشیدہ رکھا ہے۔ کسی عورت نے اب تک ایسی مثنویاں نہیں لکھی ہیں۔ غرض لڑکوں کے اصرار پر امیمہ کو اپنی یادگار قائم کرنے کی عجیب تدبیر سوجھی اور کہا کہ لوگ رونمائی میں دولت و ثروت باندی غلام دیتے ہیں۔ جس کو بقا نہیں میں تمہاری دلہنوں کو ایک ایک کتاب دیتی ہوں۔ تاکہ میری یادگار ہمیشہ قائم رہے۔ اور اس طرح فوراً ہی ایک مجلس ترتیب دے کر اپنی تینوں بہوؤں یعنی عبدالغنی خاں کی دلہن کو جو عبدالرحمٰن شاطر (۲۹) کی والدہ ماجدہ تھیں گلبن مہ رخاں اور خان بہادر عبدالواسع کی دلہن کو گلشن مہوشان یعنی قصہ جہاں ضرب اور عبدالصمد ماہر کی دلہن کو گلشن عاشقاں جو نثر میں ہے۔ عطا کی اور چوتھی مثنوی گلشن شاہدان کے متعلق وصیت کی کہ یہ میرے پوتے عبدالباری کی دلہن کی رونمائی میں دی جائے۔ غرض یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نسوانی دنیا میں نظیر نہیں ہے۔

(۱) مخطوطہ مثنوی۔ گلبن مہ رخاں:

یہ کتب خانہ آصفیہ (نمبر ۴۴۶) فن مثنویات میں مخزون ہے سنہ کتابت درج نہیں۔ امیمہ کی یہ پہلی تصنیف ہے جو ۱۲۶۸ھ میں لکھی گئی جس کے جملہ صفحات (۸۸) سطر (۱۷) جملہ اشعار تقریباً (۱۳۹۶) ہیں اور پانچ جشنوں پر مشتمل ہے۔ جو عبدالغنی خاں المتخلص بہ امیر پدر بزرگوار عبدالرحمٰن شاطر کی دلہن کی رونمائی میں ہدیۂ عطا کی گئی تھی۔ جملہ اعزہ کاص نے تاریخی قطعات کہے، والد ماجد نے کہا۔ داستاں/ ۱۲۶۸ سراسر بہار

بڑی بہن نے کہا۔ "خوش قصۂ جاں فزائے احباب" ۱۲۶۸ھ

بلکہ خوش دامن نے تو عربی مادہ کہا۔

پسر میرے سکندر جنگ بہادر　　　کہ جب لکھے محل نے طال عمرہ

کتاب یک خوبتر دل بول اٹھا سال　　　افاض ایدہ اللہ وقدرہ (۳۰)

۱۲۷۷ھ ج

تاریخ مادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا؟ یا یہ مادہ گلشن مہوشان تالیف ۱۲۷۷ھ سے متعلق ہے جو گلبن مہ رخاں میں درج ہو گیا۔ یہ مثنوی عید الفطر کے جشن کے موقعہ پر لکھی گئی۔ جس میں باہمی ضیافتوں اور خلوص ومحبت واتحاد کی سچی تصویر کھینچی ہے۔ اس میں ظرافت ومذہبیت کا پہلو بھی ہے جس سے محلات آرکاٹ کی دینداری نمایاں ہے۔ ایک خاص چیز اس میں یہ ہے کہ مدراسی عورتوں (نوابط) کی سلیقہ شعاری اور خانہ دار۔ دربار آرکاٹ کے رسم ورواج پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ عورتوں کے پکوان خصوصاً سینکڑوں قسم کی مٹھائیاں حلوے۔ اور ایسی زرق برق سنہری وروپہلی مٹھائیاں مثلاً ظروف نقروی صراحی، پیالے۔ سیلابچی۔ عطردان۔ پاندان۔ شمعدان۔ نیز ایسی صاف وشفاف قندیلیں۔ جس سے معلوم ہو کہ ان میں شمع جل رہی ہے اور مرغ وکباب جس سے کھاری ونمکین چیزوں کا دھوکہ ہو۔ اس کے علاوہ انگریزی ایٹ وہم کے لوازمات، میوے کے باردار درخت حوض جس میں گلاب وغیرہ بھرا ہوا ہو۔ اور ظرافت یہ کی گئی کہ ان میں سے کچھ اصلی اور کچھ مصنوعی سب مٹھائی کہ جس سے محفل میں ایک قہقہہ برپا ہو جائے (۳۱) غرض اس قسم کے دسترخوان چنے گئے اور جس کا ایک مختصر مرقع ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

وہاں سے چلے جبکہ سوم مکاں　　　چمن یک نظر سب کو آیا وہاں
روش سرخ قالین کا تھا بچھا　　　چمن سیر قالین کا تھا بنا
کٹیر ارو پیری چمن کو تھا بس　　　جسے دیکھنے سے ہو دل کو ہوس
چمن میں انگیٹھیاں دھریں پُر بہار　　　تھے ہر یک شجر میوے کے باردار
طلائی تھا یک درمیاں حوض زرد　　　بھرا اس کے تھا درمیاں ماوورد
وہ گلشن ہو گل کا تھا منڈوا بنا　　　تھے کھام اس کے پھولوں کے سب خوشنما
لگے اوس میں اقسام کے تھے گلاں　　　کئی حاشیہ پر کئی درمیاں

بہت چھڑکے تھے اس پہ مشک وعبیر — ہوا عطر اس آن تھی دل پذیر

بھی اس حوض پر میز وکرسیاں دھرے — ظروف ان میں میوے بھی کاٹے ہوئے

جو بیٹھے ہیں کرسیوں پہ سب ایک بار — لگیں نوش کرنے انار و کنار

ثمر کوئی توڑ کھانے لگا — کوئی گل کو توڑ آزمانے لگا

کوئی جھاڑ اور پھل تو تھا واقعی — کوئی تھا شبیہ اس کا از شیرنی

ہوئی سب و معلوم صنعت گری — مٹھائی گروں کی ہنر پروری

کہے سب ہوا یہ بھی معلوم کھیل — یہاں جو کہ ہیں جھاڑ اور جو ہیں بیل

سو یہ سب ہیں نخلِ ولایت نئے — کہ بن نام دل سب کے حسرت میں تھے

سو وہ ہم کو آنکھوں سے دکھلائے ہیں — مٹھائی کے ہم شکل بنوائے ہیں

تفاوت نہ کچھ دونوں میں آسکے — مگر تب ہو معلوم جب منہ میں لے

اس کے سوا مختلف کھیل تماشے۔ پکنک پارٹی۔ تیراکی۔ رنگ کھیلنا۔ کشتیوں میں تالاتب کی سیر۔ جھولے۔ راگ رنگ۔ غرض تفریح کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو بچی ہو۔ جن کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔

محل اور اس کے آرائش کی تعریف:۔

مکاں قصر یکسر تھا علی نشان — فلک سے کرے ہمسری بیگمان

بچھا فرش اطلس کا تھا جا بجا — کہے تو کہ ہے چرخ اطلس نما

نظر آئیں بلور کے جھاڑیوں — ثریا کے ہر طرف خوشے ہیں جون

لگیں آئینے قدِ آدم کہیں — کہیں نقشۂ آسمان و زمین

کہیں راگ مالا تھا بجتا ہوا — کہیں تھے تصاویر نازک ادا

کہیں تھے ولایت کے گل اور شجر — طلائی انگیٹھی میں ہر میز پر

تحائف نوادر تھے خوش اختراع — کہیں شمع کافور کا تھا شعاع

جھولہ کی تعریف:۔

نماز عصر پڑھ کے سب ایک بار — چلیں آئیں گلشن طرف کامگار

جو دیکھو تو اس حوض کے درمیان　　ہے یک جھولہ جوں جھولۂ آسمان

ہے خوش وضع منڈوے میں یوں جلوہ گر　　فلک پر نبات آوے جیسے نظر

کشتی کی تعریف:۔

پڑی حوض میں کشتی یک بے مثال　　کہ جوں آسماں پر ہو پیدا ہلال

روش پر دیئے فرش بانات کر　　دھریں سبز مونڈھے وہاں خوب تر

لطافت کے اس سیر پر سب کے دل　　بہت یک خوشی سے ہوئے مشتعل

کوئی جا کے جھولے پہ بیٹھی وہاں　　کئی آب پر کوئی کشتی رواں

کئی یک مونڈھوں پر بیٹھی ایک بار　　روش پر طوائف تھیں باندھیں قطار

چلی جب وہ کشتی ناز و ادا　　کہ جون مطلع خور سے ظاہر ضیا

جو تھے جلوہ گر اس میں خورشید رو　　کئی شرم سے نیلوفر سرفرو

پڑا آب پر عکس از گلرخاں　　بنا آب چشمہ کا آئینہ سان

پڑا عکس جب ان کا سوئے چمن　　گلوں کا مصفا بنا انجمن

چمن ان گلوں سے مہکنے لگا　　وے زلفوں سے سنبل مہکنے لگا

حسینوں کے چہروں کو دیکھے ہیں جب　　گل ول بلبلوں پر پڑا داب سب

خجالت سے غنچے ہوئے در حجاب　　ہوئے شرم سے گل رخاں کے گلاب

ہوا ماہ رویوں کا ہے جب ظہور　　گل سوری اور چاندی پا کے نور

انھوں نے دیا مہر اور مہ کو نور　　مہ و مہر سے تھا جہاں کو ظہور

ہوا چاندی سے سما با عجب　　طرب پر طرب کا ہوا ہے سبب

ادھر راگ گائن کا با صوت و ساز　　ادھر روشنی بھی تھی با امتیاز

باغ کا سماں:۔

محل و مکاں بسکہ پُر نور تھا　　چمن حوض دیکھو تو معمور تھا

چمبیلی کا یک منڈوۂ پُر بہار   ہر یک طرف خوشبو سے مثل تتار
اور ایک مندوۂ سیوتنی تھا وہاں   وہ دونوں کے یک حوض تھا درمیاں
جو اس حوض کے درمیاں خوب تر   پڑا زینۂ سنگ مرمر نظر
نہیں زینہ تھا بلکہ زیر فلک   تھا آئینۂ ماہ بے ریب رشک
ہوا موج زن ہو کے از خوض و نہر   جو زینہ پہ پہنچاوے پانی کی لہر
وہ عکس ان کا تصویر سازی کرے   تو آئینہ بلور بازی کرے
انگیٹھی میں کونلے کے تھے کئی شجر   بلندی میں تھے نیم گز کے مگر
ثمر اس کو سب تھے رسیدہ لگے   نظر آتے جوں شاخ طوبیٰ کے تھے
اگیٹی تھی ہر ہر پر از شاخ گل   لب حوض پر تھے وہ استادہ کل
چمن دونوں جانب تھے دو کامیاب   پُر از نسترن اور پُر از گلاب
ہر یک گل پہ بلبل تھا ہوتا فدا   گلوں کی محبت میں تھا مبتلا

جشن سوم:

پکنک پارٹی

ہوا تیسرا روز ہے جب شروع   لگا ہونے خورشید جس دم طلوع
ہوا حکم اس روز یہ آشکار   کریں مل کے سب جانور کا شکار
کہو مطبخی مطبخیوں کو جا   بناؤ کباب ان سے اقسام کا
کریں اور پکوان کا ابتداء   لب نہر جھاڑوں میں ہر ایک آ
شروع زیر سایہ ہوئے ایک بار   تلن اور پکوان کے کاروبار
کہ بعضوں نے ترکاری کو جھاڑ پر   کئے اس طرح سے ہی سالن مگر
درختوں پہ میوہ مربا کئے   ثمر ڈالیوں پر تھے لٹکے ہوئے
بنا ہار زیور کو اقسام سے   وہ پھولوں کے منڈوے میں لٹکا دیئے
کہیں پان کی بیل آئی نظر   لوازم وہاں اس کے تھے جلوہ گر
بہت شادمانی سے سب گل رخاں   کئے اپنے ہاتھوں سے پکوان وہاں

غرض ادھر مردوں نے شکار کیا اور خود کباب بنا کر کھائے۔

رنگ کھیلنا:

لئے کوئی پچکاری پر ہات ہے — ہوئی کوئی چنڈوں کے سات ہے
کوئی کھیلے میوے سے ہے اس گھڑی — لئے قمقے کوئی گل کی چھڑی
وہ سب نوجواں یک کو یک ٹھیلتے — چلے حوض پر مل کے سب کھیلتے
ہوئے جبکہ بازی سے سیر ایک بار — گرے حوض پر مل کے سب ذی وقار
ہوئے کوگوں پہلے سب کے لباس — ہوئے سرخ ایک بار سب خود اساس

۲۔ مخطوطہ گلشن شاہدان:

گلشن شاہدان فن مثنویات اردو (۴۹۸) پر کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ جملہ صفحات (۷۱) سطر (۹) تقطیع متوسط سنہ کتابت ۱۲۹۴ھ ہے۔ نام کاتب ندارد۔ البتہ آخر میں خان بہادر عبدالواسع خاں کا قطعہ تاریخ کتخدائی درج ہے۔ اس کا سنہ تصنیف (۱۲۸۹) ھ ابیات تقریباً ۶۳۹ ہیں۔ اثیمہؔ نے یہ مثنوی مکہ معظمہ میں نواب سالار جنگ اولیٰ وزیر حیدرآباد کی ایک عزیزہ کی فرمائش پر کہی تھی۔ جن کی رشتہ داری نوابان آرکاٹ سے بھی تھی۔ یہ مثنوی دراصل بعینہ مثنوی دریائے عشق میر تقی میر کا پلاٹ ہے، جس کا ماخذ ہمارے خیال میں کوئی دکنی قصہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کو شاہ تراب ؒ (۳۲) نامی ایک بزرگ نے بھی میر صاحب سے بہت پہلے لکھا تھا۔ اس پر ہم نے ایک علیحدہ مضمون لکھا ہے۔ جو متعاقب شائع ہوگا۔

۔ مثلاً تراب بیاپوری نے عشقیہ قصہ ''من سمجھاون'' کے نام سے لکھا ہے۔ یہ ایک حدئی کتاب کا دکنی ترجمہ ہے۔'' مخطوطات انجمن جلد چہارم مرتبہ افسر صدیقی ۱۹۷۶ء ص ۵۱۔

دیوان اثیمہ اور گلشن عاشقاں:

اثیمہ کا دیوان (۳۳) اردو اور نثر کی کتاب افسانہ ''گلشن عاشقاں'' جس کو وہ حکایات شمس الضحیٰ کہتی ہیں اور نسب نامہ جس کا ذکر علامہ گوہر نے کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ گلشن عاشقاں خان بہادر عبدالصمد خاں ماہرؔ کی دلہن کو ہدیۃً دی گئی تھی۔ عبدالصمد ماہر کی تصویر کا عکس صحیفہ زرین مطبوعہ نول کشور کے صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ ہو جو اثیمہ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔

مخطوطہ گلشن مہوشاں:

گلشن مہوشان، کتب خانہ آصفیہ کا نادر مخطوطہ ہے اور یہ وہی مخطوطہ ہے جو اعیمہ کے فرزند خان بہادر عبدالواسع خاں کی شادی کے روز دلہن کی رونمائی میں خوش دامن محترمہ یعنی اعیمہ نے اپنی بہو کو دیا تھا(۳۴) جن کا نام غالباً طیب النساء بیگم تھا۔ صاحب زادہ مذکور کی شادی ۱۲۸۴ھ میں نواب ظہیر الدولہ بہادر اعظم جاہ پرنس آف آرکاٹ کی صاحب زادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نسخہ کے ابتدائی صفحہ پر اوپر کی جانب دونوں طرف دو مہریں اور ختم کتاب پر ذیل میں ایک مہر طیب النساء بیگم ثبت ہے اور مہر کا سنہ ۱۲۸۴ھ ہے۔ مگر مولف صحیفہ زرین نے۔ سنہ شادی ۱۲۸۱ھ لکھا ہے۔ مگر قطعہ تاریخ جو مخطوطہ گلشن شاہدان نمبر ۴۹۸ آصفیہ کے صفحہ آخر پر درج ہے۔ اس میں ۱۲۸۴ھ لکھا ہے۔ جس میں کچھ تخرجہ معلوم ہوتا ہے وہ تاریخی قطعہ حسب ذیل ہے۔

بفضل حق طفیل شاہ کونین	محمد عبدالواسع خاں بہادر
جو زیب افزائے صد نوشہی شد	گہر ایثار شد بروے فداوُر
بگفتا سال آں دل از ''سر جشن''	زہے ایں نوشہ تاج ''تفاخر''

۱۲۸۱+۳=۱۲۸۴ھ

اگر ۱۲۸۴ھ صحیح ہے تو یہی وہ نسخہ ہوگا جو شادی کے روز دلہن کو دیا گیا۔

اور یہ واقعہ تحائف کتب ۱۲۸۴ھ کا ہونا چاہیئے مگر اعیمہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ تینوں دلہنوں کو ایک جلسہ میں یہ کتابیں عطا کی گئی تھیں۔ اور تیسرے صاحب زادے خان بہادر عبدالصمد کا عقد بقول مولف صحیفۂ زرین ۱۲۸۵ھ میں ہوا، اس لئے اب طیب النساء بیگم دراصل کوان ہے؟ کیا طیب النساء خود مصنفہ کا نام بھی تھا، اگر فی الواقعی مصنفہ کا نام ہی ہے اور مہر بھی اوسی کی ہے تو پھر اس مخطوطہ کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کہ اصل مصنفہ کا لکھا ہوا یا لکھایا ہوا بھی مسودہ ہے۔ اور ان مثنویوں کے افشاء راز کا معاملہ ۱۲۸۴ھ یا ۱۲۸۵ھ کے بعد وقوع پذیر ہوا، مگر ایک شبہ اور بھی وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اعیمہ مغفورہ، ۱۲۸۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئیں، اور یہ عبارت گلشن شاہدان میں درج ہے کہ گلشن شاہدان لکھنے کا واقعہ حج کے چار سال بعد پیش آیا۔ اگر مصنفہ، ۸۴ء کے بعد حج سے واپس آچکی تھیں، تو پھر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، مگر واقعہ یہ ہے وہ یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ مثنوی گلشن شاہدان ۱۲۸۹ھ میں لکھی گئی، اس لئے مثنویوں کو ہدیۃً دینے کا واقعہ ۱۲۸۹ھ کے بعد کا قرار پاتا ہے۔ اس کی تائید اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مثنویاں تینوں دلہنوں کو وقت واحد میں دی گئی تھیں اور مثنوی گلشن

شاہدان کے متعلق یہ وصیت کی تھی کہ وہ اس کے پوتے عبدالباری کی دلہن کو دی جائے۔اس اعتبار سے مخطوطہ زیر بحث پر خود مصنفہ کی ذاتی مہر ہے؟

گلشن مہوشان کے جملہ صفحات ۲۷۲ ہیں سطر ۲۱ اس طرح اس کے کل ابیات ۵۳۷۶ ہوتے ہیں جو حسب ذیل تینتالیس ابواب پر مشتمل ہے:۔(۳۵)

(۱)	آغاز داستان	۶۵ بیت
(۲)	داستان جواہر شاہ سے پری زاد فیروز شاہ کے ملاقی ہونے کے بیان میں	۸۲ "
(۳)	داستان لعل شاہ کے تولد ہونے کے بیان میں	۵۰ "
(۴)	داستان شہزادہ وادگر کے تولد ہونے بیان میں	۵۱ "
(۵)	داستان لعل بادشاہ اور دادگر کے تخت نشین ہونے کے بیان میں	۴۴ "
(۶)	داستان جہاں ضرب دختر جہانبان شاہ تولد ہونے کے بیان میں	۶۰ "
(۷)	داستان فقیر احسن الدین کا جہاں ضرب کو تخت نشین کرنے کے بیان میں	۸۵ "
(۸)	داستان جہاں ضرب اور لعل بادشاہ کے وجہ عناد اور جنگ وفساد کے بیان میں	۱۰۶"
(۹)	داستان مہلت کے ایام میں پری نازک بدن کا لعل بادشاہ کو تصویر جہاں ضرب کی دکھلا کر عاشق کرنے کے بیان میں	۴۱ "
(۱۰)	داستان جہاں ضرب صحرا میں "جہاں رستم" سے ملاقات ہونے کے بیان میں	۶۸ "
(۱۱)	داستان جہاں رستم بازی گرز وکشتی۔شاہان سے کرنے اور لعل بادشاہ سبقت لے جانے کے بیان میں	۱۴۱ "
(۱۲)	داستان لعل بادشاہ فقیر احسن الدین سے ملاقی ہونے کے بیان میں	۹۷ "
(۱۳)	داستان لعل بادشاہ جہاں ضرب کی تنہائی اوقات پر وارد ہونے کے بیان میں	۲۶۴ "
(۱۴)	داستان لعل بادشاہ جہاں ضرب کو بیدار کر کے ضرب کٹار پانے کے بیان میں	۱۰۷ "
(۱۵)	داستان فیروز شاہ سلطان فرخندہ فال سے عرض حال کر کے جہاں ضرب کی نسبت لعل بادشاہ سے مخفی (طور پر) کرنے کے بیان میں	۲۱۱ "
(۱۶)	داستان جہاں ضرب قباد پری زاد کے دیو غالب پر فتح یاب ہونے کے بیان میں	۲۷ "

(۱۷)	داستان روح افزا پر دادگر عاشق ہونے بیان میں	۲۰۰ ”
(۱۸)	داستان لعل بادشاہ تصویر روح افزا کی جہاں قلتبانہ کی معرفت سے حاصل کرنے کے بیان میں	۲۶۴ ”
(۱۹)	داستان روح افزا کی نسبت دادگر سے تقرر پانے کے بیان میں	۷۷ ”
(۲۰)	داستان بادشاہ دادگر کی شادی کے بیان میں	۱۹۸ ”
(۲۱)	داستان قباد پریزاد روح افزا کی گلپوشی کرنے کے بیان میں	۳۸ ”
(۲۲)	داستان لعل بادشاہ جہاں ضرب سے زخم سر پانے کے بیان میں	۴۴ ”
(۲۳)	داستان بیوا زہرہ جبین آنے کے بیان میں	۱۸۹ ”
(۲۴)	داستان جہاں رستم بہار افزار پر عاشق ہونے کے بیان میں	۱۲۳ ”
(۲۵)	داستان بہار افزار کی نسبت شاہ رستم سے تقرر پانے کے بیان میں	۵۶ ”
(۲۶)	داستان جہان رستم کی شادی کے بیان میں	۳۳ ”
(۲۷)	داستان بازی زنجیر کے بیان میں	۴۹ ”
(۲۸)	داستان لعل شہ علیہ عاشقانہ کلام کر کے سزا پانے کے بیان میں	۲۰۳ ”
(۲۹)	داستان جہاں ضرب کی شادی عالم خواب میں ہونے کے بیان میں	۴۵۰ ”
(۳۰)	داستان لعل بادشاہ جہاں ضرب کو شادی سے آگاہ کرنے اور جہاں ضرب طوطی لانے کے بیان میں	۱۴۴ ”
(۳۱)	داستان جہاں ضرب دیو پر فتح یاب ہو کر گوشہ نشین ہونے کے بیان میں	۱۴۶ ”
(۳۲)	داستان شاہ اندر گل پوشی کرنے کے بیان میں	۱۴۴ ”
(۳۳)	داستان فقیر احسن الدین جہاں ضرب کو احوال قیامت سے آگاہ کرنے کے بیان میں	۷۴ ”
(۳۴)	جہاں ضرب کو رام کرنے کے لئے لعل بادشاہ شاہ دیو کے فساد کا حیلہ کرنے کے بیان میں	۴۷ ”
(۳۵)	داستان لعل بادشاہ کے بیمار ہونے کے بیان میں	۸۱ ”
(۳۶)	داستان جہاں ضرب کے والدین گلپوشی کرنے کے بیان میں	۶۹ ”
(۳۷)	داستان جواہر شہ دولہ دلہن کی گلپوشی کرنے اور اس کی زوجہ طلسمات سے بیمار ہونے کے باعث جہاں ضرب گفت وشنید کرنے کے بیان میں	۱۷۷ ”
(۳۸)	داستان فیروز شاہ، لعل بادشاہ اور دادگر کو خزائن تقسیم کرنے کے بیان میں	۴۴ ”

(۳۹) داستان فقیر حسن الدین کالل بادشاہ اور جہاں ضرب کو ملک دمشق کا تخت نشین کرنے کے بیان میں ۷۱ ''

(۴۰) داستان جہاں ضرب بزرگوں کی ضیافت کرنے کے بیان میں ۲۱۷ ''

(۴۱) داستان جہاں ضرب حاملہ ہونے کے بیان میں ۱۳۶ ''

(۴۲) داستان جہاں ضرب داستان تولد سکندر روزگار عرف ابن الفقیر واختتام کتاب ۱۳۱ ''

ابیات اصل مثنوی ۵۳۲۶

(۴۳) تواریخ مستخرجہ مقدس مآب فیض انتساب والد ماجدم حاجی محمد علی خاں بہادر وغیرہ ۵۰ ''

جملہ ۵۳۷۶

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۷۷ھ ہے گویا یہ مثنوی۔ پہلی تصنیف گلبن مہ رخاں کے نویں سال لکھی گئی چونکہ خود مصنفہ نے اس کی وجہ تالیف کا اشارہ گلبن مہ رخاں میں کیا ہے۔ اور اوسی وقت والدہ ماجدہ اور والد ماجد اور خوش دامن کے اصرار سے فی البدیہہ چند اوراق لکھ کر سنائے تھے اس لئے اس کی ابتداء ۱۲۶۸ھ میں ہوئی۔ اور چونکہ اس کا سنہ اختتام ۱۲۷۷ھ ہے لہٰذا یہ ۹ سال میں اختتام کو پہنچی، اس تاخیر کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اعیمہ نے اس درمیان میں گلشن عاشقاں یعنی ایک قصہ نثری بھی لکھ ڈالا، نیز وہ اپنے کچھ دماغی ارضہ اور خرابی صحت کی وجہ سے مجبور تھی۔ جوں توں اس کام کو جاری رکھا اور حسن وخوبی سے ختم کیا اس کے متعلق بھی بہت سے تاریخی مادے سب اعزہ نے لکھے۔ جس میں جناب افتخار یعنی پدر بزرگوار نے قطعہ تاریخی کہا تھا جس کا آخری مصرعہ یہ ہے ''عجب دلکشا مثنوی ارم'' والدہ ماجدہ کا تاریخی مادہ ہے۔ ''دل کہا واہ بے نظیر چمن'' مگر اعیمہ کی خوش دامن دختر شکوہ الملک نصیر الدولہ کا تاریخی قطعہ بہت جامعیت رکھتا ہے اور خواتین والا جاہی کی علمی شغف اور خصوصاً آخر الذکر کی حاضر دماغی وفصاحت و بلاغت پر دلالت کرتا ہے اس لئے ہم اس کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ اعیمہ نے خود اس کو اس طرح نقل کیا ہے۔

چچی جو شرع سے ہیں میری مادر — انھوں بھی پڑھ کے اس کو ہو گئے خوش

شتابی سے اٹھا مشکیں قلم وہ — کئے تاریخ یوں زیب رقم وہ

پسر میرے سکندر جنگ ثانی — محل اون کے بہ لطف خوش بیانی

لکھی سہ داستانِ فرحت انگیز — برنگ زلف خوبانِ دل آویز

وہ ہے اس طور جو ہے پہلے لکھی (۳۷) — جہاں معنی کے آئینہ میں رکھی

TH-9296

(۳۸) دوم کوزے میں جون۔بحر لطافت (۳۹) سوم جون مشت میں شہر بلاغت

رقم سب کا ہے شام عشرت انگیز مطالب سب کے جوں صبح طرب خیز

کہاں کوئی اس طرح زیب رقم ہے نوادر داستاں زیر قلم ہے

تھی سوم کی جو سب کو انتظاری ہے تاریخ اس کی ''باغ نوبہاری''

۱۲۷۷ھ

مثنوی کا موضوع:

مثنوی ''گلشن مہوشان'' ایک سوشیل افسانہ ہے جس کا ماخذ ایک فارسی قصہ ہے۔ جس کا اشارہ مصنفہ نے خود اپنی سابقہ مثنوی گلبن مہ رخاں میں کیا ہے۔ ماخذ کا نام درج نہیں ہے اس کا ماخذ غالباً قصہ ''اگر گل'' ہے جس کا ترجمہ فارسی سے نواب محمد تقی خاں ہوس لکھنوی کے کسی شاگرد نے اردو میں کیا تھا جو ۱۲۸۸ھ میں مطبع نول کشور میں چھپا، جس کی قیمت بالکل معمولی ۲ر رکھی گئی تھی، غالباً ''اگر گل'' کا یہی ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو میں ہے۔ جس کی زبان لکھنوی معلوم ہوتی ہے۔ مگر ڈاکٹر زور قادری نے اس کو دکھنی نثر میں بیان کیا ہے۔ اس کیکردار اور معشوقہ ''اگر'' کا مردانہ پارٹ، اٰمیمہ کی اس مثنوی کے کردار جہاں ضرب سے ملتا جلتا ہے۔ اٰمیمہ نیقصہ جہاں ضرب فارسی میں ہونا بیان کیا ہے۔

اصل فارسی نسخہ افسوس ہے کہ ہم کو دستیاب نہ ہوسکا۔ جس سے صحیح طور پر اندازہ ہوسکتا تھا کہ اٰمیمہ نے کہاں تک اس سے استفادہ کیا ہے مگر چونکہ اس میں تمام خیالات رسم و رواج ہندوستانی ہیں۔ اس لئے اس نے اس کو گویا اپنا لیا ہے اٰمیمہ کے پیش نظر مختلف مثنویاں رہی ہیں۔ مثلاً یوسف زلیخا۔ تحفۂ اعظم (۴۰)، یعنی مثنوی خجستہ تعاد ہمایوں مزاج، مصنفہٗ علی کو کئی۔ جو سحر البیان میر حسن کی تتبع میں لکھی گئی۔ نیز پنجۂ آفتاب (۴۱)۔ جس کا مصنف نامعلوم ہے اور ابھی منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ جو نواب رئیس الامراء۔ عبدالحسین خاں والا جاہ کے ایماء پر لکھی گئی تھی۔ اور مثنوی میر حسن یعنی سحر البیان بھی اٰمیمہ کو بہت مرغوب تھی مگر ان سب قصوں میں قصہ جہاں ضرب فارسی جو مثنوی زیر تنقید کا ماخذ ہے تمام عورتوں نے بہت پسند کیا اور اپنے والدین کے اصرار سے اٰمیمہ نے اس کو فارسی سے ہندی یعنی مروجہ آرکاٹی اردو میں منتقل کیا۔ جو مثنوی سحر البیان کے تتبع میں منجملہ ادن باکمال شعراء اہل دہلی و لکھنؤ، مثلاً مصحفی، جرأت دیا شنکر نسیم وغیرہ کے ایک مدراسی اتون کی کدو کاوش کا نتیجہ ہے۔ اور مرد شاعروں کے مقابلہ میں خود اوس کو اعتراف ہے کہ:۔

کہے والدہ مجھ کو نور البصر میرے سے تو یوں عذر و حیلہ نہ کر

ہو گر شاعری سے کسی کو خبر
ہے دیوان لکھنا اسے سہل تر

مگر مثنوی میں ہے دقت بڑی
مسلسل ہو موتی کی جیسی لڑی

وہی کہتی ہوں جو کہی پہلے بات
نہیں ہمسری زن کو مردوں کے سات

اگر ان کی نظروں سے تیری کتاب
جو گزرے انھوں نے زراہ صواب

گزر جاویں اصلاح کر عیب سے
تو وے اجر پالیویں گے غیب سے

سبب یہ کہ زن کی کوئی داستان
نہ مردوں کے آئی نظر درمیاں

نیز مصنفہ نے یہ بھی صاف طور پر ظاہر کیا ہے کہ منصف مذاج لوگ میرے مضامین اور اس کی بندش پر نظر کریں اور داد دیں۔

اشیمہ نے خود اس مثنوی کے متعلق اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

نہیں مثنوی بلکہ گلزار ہے
نہیں بلکہ یوسف کا بازار ہے

چلی ہیں حسینان آفاق ہو
انیس دل و جان عشق ہو

بہت ہم نے پی پی کے خون جگر
لئے کان سینے سے لعل و گہر

یہ ہے ایک افسانہ خوش بیاں
فزایندہ فرحت دوستاں

فصیح البیاں اہل ہندوستاں
سوا ان کے ہیں جو فصیح البیاں

نہ ممکن ہے اون سے کروں ہم سری
مگر اور ہندی ہیں کئی مثنوی

زن و مرد سے ہوں جو منصف صفات
میری مثنوی کو لگا ان کے سات

مضامین و بندش کتیں لا کلام
کریں غور تو ہو ظاہر تمام

جو کوئی شخص ہو علم سے بہرور
ہے دیوان لکھا او سے سہل تر

مگر مثنوی کی ہے دقت بڑی
وہی جانے جس پر ہو محنت پڑی

حسن مرد میدان فضل و کمال
لکھا مثنوی میں ہے یوں حسب حال

جوانی میں جب بن گیا ہوں میں پیر
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر

جو یوں مثنوی سے ہو مردوں کا حال | تو پھر عورتوں کو رہے کیا مجال
اب اے مصنفو سامعو ناظرین | مشقت میری ہو نہ ضائع کہیں
خطا کو دلوں میں چھپا لیجئے | کرم میرے احوال پر کیجئے (۴۲)

گلشن مہوشان کے مختلف کردار یہ ہیں۔

(۱) جواہر شاہ (شاہ روم)

(۲) مہ لقا محل جواہر شاہ

(۳) فیروز شاہ (شاہ اور) شاہ جنات

(۴) فرخ لقا۔ محل فیروز شاہ۔

(۵) شہزادہ لال بادشاہ۔ فرزند جواہر شاہ روم یہی قصہ کا ہیرو ہے۔ اور یہ فرزند لطفی ہے فیروز شاہ جن کا۔

(۶) شہزادہ دادگر فرزند فیروز شاہ۔ (اور فرزند لطفی جواہر شاہ)

(۷) جہانبا شاہ (شاہ مصر)

(۸) جہاں ضرب۔ دختر جہانبا شاہ (ہیروئن) معشوق مردوں کے لباس میں۔

(۹) نازم بدن پری (دایۂ جہاں ضرب)

(۱۰) احسن الدین درویش (جن کے اجداد دمشق کے بادشاہ تھے) پدر لطفی جہاں ضرب جنھوں نے جہاں ضرب کو تعلیم و تربیت دی اور دمشق کے تخت پر جہاں ضرب کو بٹھایا۔

(۱۱) جہاں رستم فرزند شاہ یمن۔ (جہاں ضرب کا منہ بولا بھائی جوشہ پہلوان تھا)

(۱۲) روح افزا۔ دختر شہ پری اور معشوقۂ شہزادہ دادگر

(۱۳) زہرہ جبیں۔ والدہ روح افزاء (شہ پری)

(۱۴) جہاں قلتبانہ، مشاطہ، جو جوگن کا بھیس لے کر کل کے گھوڑے پر سوار ہو کر بین کاندھے پر رکھ کر شہ پری کے پاس جاتی ہے اور روح افزاء کی تصویر موم پر نقش کر کے دانتوں میں چھپا کر لاتی ہے اور باوجود سخت نگرانی اور جامہ تلاشی کے راز فاش ہیں ہونے دیتی۔

(۱۵) سکندر روزگار عرف ابن الفقیر۔ جہاں ضرب کا فرزند دلبند

(۱۶) انجم افروز۔وزیر جواہر شہ۔

(۱۷) مشتری،وزیر فیروز شہ۔

(۱۸) شاہ دیو۔ایک سرکش دیو پر لعل شاہ کا غلبہ اور طلسماتی محلات پر لعل شہ کا قبضہ۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے۔

جواہر شاہ کو اولاد کا غم:

ایک درویش کامل کا مشورہ، صحرا میں باغ کا قیام۔راگ و رنگ، فیروز شاہ نامی ایک پریوں کے بادشاہ سے ملاقات۔بھائی چارہ، شاہ جی کو بھی اولاد کا غم ہوتا خواب دیکھنا اور سات سمندر پار سے ایک پھل لانا۔پہلے جواہر شاہ اور مہ لقا کو کھلانا اوس کے بعد خود اور اپنی محل فرخ لقا کو کھلانا اولاد کا ہونا۔شہزادوں کا باہمی تبادلہ۔کل کے گھوڑے کے ذریعہ شہزادوں کی آمدورفت۔

لعل شہزادہ اور دادگر کی تعلیم وتربیت۔فنون انسانی اور طلسماتی کی تعلیم اور مہارت۔جہانیاں شاہ یعنی مصر کے بادشاہ کو اولاد کا غم۔ایک روز صبح میں گھسیارہ کی صورت دیکھنا۔منحوس سمجھ کر قتل کر حکم دینا۔گھسیارہ کی تھدید کہ تجھ سے بڑھ کر کون منحوس ہے کہ تجھ کو اولاد نہیں، رہائی، بادشاہ کا تخت چھوڑ دینا۔فقیر احسن الدین سے ملاقات جنگل میں، اولاد کی بشارت۔لڑکی ہونے سے بادشاہ کا طول نہ ہونا۔شکر کرنا۔جہاں ضرب نام رکھنا۔فقیر سے معاہدہ۔لڑکی کو لڑکا مشہور کرنا۔ساتویں سال فقیر کے حوالہ کر دینا۔فقیر کا پرورش کرنا اور تعلیم تربیت، جہاں ضرب کو فقیر کا تحت و مشق دینا۔شہرہ سخاوت و شجاعت۔لعل شہزادہ کا رشک وحسد، باہمی جنگ وجدال، مہلت جنگ، نازک بدن کا لعل شاہ کو جہاں ضرب پر طلسماتی باغ میں اصل تصویر کے ذریعہ عاشق کر دینا لعل شہ کی جہاں ضرب کے پاس آمدورفت۔جہاں ضرب کا چیں بہ جبیں ہونا اور یہ سمجھنا کہ میں دراصل شہزادہ ہوں۔پیام شادی۔احسن الدین کا تجاہل عارفانہ، جہانبان شاہ سے راز معلوم کرانا۔رضا مندی۔طلسماتی محل میں طلسماتی طور پر شادی۔رسم گلپوشی۔طلسم کا ٹوٹ جانا۔شیش محل میں جہاں ضرب کا نسوانی لباس اور زیور سے خود کو آراستہ دیکھ کر نوچنا، کپڑے پھاڑنا مگر طلسم پر غلبہ نہ پاسکنا۔شاہ دیو ایک سرکش دیو سے جہاں ضرب اور لعل شہ کا مقابلہ۔فتح اس دیو کے طلسمی محلات میں بہت سے طلسمی تصاویر عورتوں کی مردوں کے لباس میں، جہاں ضرب کا پریشان ہو کر خود پر شبہ کرنا اور لعل شہ کا طلسم سمجھ کر اوس کو برا بھلا کہنا۔غرض اس طرح بتدریج جہاں ضرب کو اصل فطرت سے واقف کرانا۔خوش دامن اور شوہر کی خدمت اور بزرگوں کے آداب کی تعلیم اور رخصتی۔زن وشوہر کی محبت۔لعل شہ کی عقد ثانی کی خواہش

اور یہ سبق کہ عورت مرد پر کس طرح قابو حاصل کرسکتی ہے وغیرہ جس کے اقتباسات مختصر تبصرہ کے ساتھ ساتھ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اثیمہؔ نے مثنوی زیرتنقید میں جابجا فطرت نگاری کا ثبوت دیا ہے۔ اخلاقی تمدنی اور مذہبی نقطۂ نظر سے مثنوی بہت مفید ہے۔ قصہ بلحاظ تناسب اچھا ہے۔ اور استعارے اور تشبیہات فطری اور دور از قیاس نہیں۔ زبان دکھنی عورتوں کی مروجہ روز مرہ ہے۔ مگر صاف ہے اور مدراسی جیسے دور دراز مقام میں ایک عورت کا اسی نود سال پیشتر ایسی فصیح اردو لکھنا قابل داد ہے رسم ورواج بڑی صحت کے ساتھ لکھی ہیں۔ قصہ کا ہر جز و اخلاق وتمدنی اثر رکھتا ہے۔ نیز مذہبی نکتے بھی چبھتے ہوئے ہیں جو پڑھنے والے کو صحیح راستہ پر لگا دیتے ہیں۔ حمد ونعت منقبت صحابہ بھی ہے مگر اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے البتہ تعریف سخن با کمال شعراء کے ٹکر کی ہے۔ خوب شعر کہے ہیں:۔

پلا ساقیا اب سخن کی شراب — پیالے میں ادراک کے بھر شتاب
معانی کے دریا کا لولوئے تر — سخن کان دل کا ہے روشن گہر
سخن سے فصاحت کے گل کی بہار — سخن بلبل باغ فطرت شعار
سخن آفتاب سپہر ذکا — سخن نغمۂ سالکانِ ہدیٰ

مدح عظیم جاہ میں چودہ بیت لکھے ہیں۔

فلک رتبہ نواب کشورستاں — رئیس جہاں فخر ہندوستاں
سپہر امارت کا مہر شرف — لقب اس کا ہے جلوہ گر ہر طرف
وہی لائق رتبہ سروری — وہی زینت مسند انوری

وجہ تالیف:

مثنوی خاص طور پر عورتوں کے لئے والدین کے اصرار اور خواہش سے لکھی گئی۔ جو بہ نسبت دوسری مثنویوں کے جو مرد شعراء نے لکھی ہیں لغویت سے بالکل پاک ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

کہے ہم کو اے لایق آفریں — ادائے نور چشمی سعادت قریں
زنون میں تو نے فن یہ تازہ کیا — حسینوں کے عارض پہ غازہ کیا
مرے حکم پر جو پئے دوستاں — تو سرسبز کی دل کشا داستاں

منور ہے یک اس میں الفت کدہ | سکندر کا جیسا عبادت کدہ
ہمیں سیر سے اس کے مقرون کر | بھی عورات کو شاد و ممنون کر
فقط دیکھنے عورتوں کے لئے | بہت بار خاطر پہ ہم نے لئے
پسندیدہ جس کو ہو پڑھ لیجئے | ہو گر ناپسندیدہ تو رکھ دیجئے

داستانِ اول:۔

جواہر شاہ شاہ روم کو اولاد کا غم تھا۔فقیری کو ترجیح دی۔انجم افروز وزیر نے تسلی دی اور کہا کہ خدا سے اپنا مقصد طلب کر دیر یا جلد حاصل ہوگا۔جنگل میں ایک درویش کامل سے ملاقات ہوئی کہا کہ صحرا میں ایک باغ ترتیب دیا جائے تو مقصد حاصل ہوگا۔جنون کے بادشاہ سے وہاں بھائی چارہ ہو گیا حتیٰ کہ اس نے تاج اپنا شاہ جن کے سر پر اور شاہ جن کا اپنے سر پر رکھا وزیر نے آداب شاہی اور حفظ مراتب کے ساتھ شربت پہلے اپنے آقا ولی نعمت کو پلایا اوس کے بعد شاہ جن کو دیا۔شاہ جنات باوجود درد و غم کے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔بادشاہ جشن مناتا ہے مگر غم تازہ ہی رہتا ہے جو ایک فطری چیز ہے چنانچہ کہتی ہے۔

صدا راگ کی یوں تھی غمناک پر | کہ نوکِ سناں سینۂ چاک پر

شاہ جن کا باوجود اسی غم میں مبتلا ہونے کے دوسرے کے غم کو ترجیح دینا اور یہی کہنا کہ میں تیرے درد کا علاج پہلے کروں گا کمال ایثار اور استقلال والوالعزمی کی اعلیٰ مثال ہے نیز جواہر شہ کا فیروز کو بعد ضیافت، گھر چلنے کے لئے کہنا اور اس کا یہ جواب دینا کہ جب تک بھائی تجھ کو اولاد نہ ہو میں نہیں آؤں گا فطرت نگاری پر دال ہے ؎

کہا اس نے ہرگز نہ آؤں گا میں | مگر جب ہو اولاد حضرت کے تئیں
یہ روضے میں جب تک ملاقی رہیں | شراب محبت کے ساقی رہیں
بہت اس کی خاطر کیا جستجو | زباں پر تھی دائم وہی گفتگو
بہت اس نے کوشش پہ باندھی کمر | بھی الٹا دیا دفتر بحر و بر

میر حسن کے یہاں انسانی کوشش ناکام ہوتی ہے۔مگر یہاں جناتی بھی غرض جن وانس سب عاجز ہیں۔شاہ جن اشک باری کرتا ہے۔آخر کار خواب میں ایک پھل دیکھتا ہے۔اور اوس کو لاتا ہے خود نہیں کھاتا بلکہ پہلے بھائی کو کھلاتا ہے اور میاں بیوی اوس کا شکر ادا کر کے پھل کھاتے ہی اولاد ہوتی ہے تو اوس کو پہلے بھائی کی گود میں ڈال دیتے ہیں جو بڑی ہمت کا

کام ہے اور محبت و خلص کی اعلیٰ مثال ہے۔ بعد ولادت فرزند منجموں کا آنا اور یہ پیش گوئی کرنا کہ معشوق مردوں کے بھیس میں پھرے گا تو اس کا یہ کہہ کر ٹال دینا کہ منجم تو بکا کرتے ہیں، اور انعام و جاگیر دے کر رخصت کر دینا عین عقیدہ اسلامی کے مطابق ہے، میر حسن نے بھی اس چیز کو ملحوظ رکھا ہے مگر یہ کہا ہے کہ اس سے پادشاہ کو کچھ خوشی اور کچھ الم ہوا۔ مگر اعیمہ نے اس کو ان کی ہمیشہ کی ہوائی باتوں پر محمول کر کے ٹال دیا ور رسم و رواج کے موافق انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا، اعیمہ نے یہاں عورتوں کیلئے ایک بڑا اچھا سبق دیا ہے وہ یہ کہ گل پوشی کے انتظام کو اوس نے اپنی منہ بولی بہن کے سپرد کر دیا۔ اور نومولود کو فوراً اوس کے آغوش میں دے دیا ہے۔ مگر دونوں کو زچہ بنا کر پٹی سر سے بندھوانا کچھ تصنع معلوم ہوتا ہے، غرض، نذریں، مبارک باد، بزم نشاط، منجموں کا آنا وغیرہ ہندوستانی رسومات کے مطابق ہے۔ میر حسن نے بھی اس کو ملحوظ رکھا ہے۔ پھر شاہ جنات فیروز شاہ کے گھر لڑکا ہونا اور اس کا اس لڑکے کو جواہر شاہ کے حوالہ کر دینا اور یہ کہنا کہ دو گھڑی یہاں رہو، اور دو گھڑی چچا کے پاس اخوت باہمی کی اچھی مثال ہے۔ اس اخوت باہمی کو قصہ ختم ہونے تک اس خوبی سے نبھایا ہے کہ رشتہ کہیں ٹوٹنے نہیں پایا، گویا ایک موتی کی لڑی ہے کہ پروتی چلی گئی ہے پھر دونوں شہزادوں میں اتفاق و اتحاد زبردست کردار کے حامل ہیں۔

لعل شاہ اور دادگر کی تعلیم و تربیت:

اس میں بھی دو پہلو رکھے ہیں ایک انسانی علوم اور دوسرا طلسماتی علوم کا تعلق جنات اور پریوں سے ہے، مذہبی یعنی تعلیم قرآن وغیرہ کا بھی لزوم ہے۔ اور ہم سبق بلحاظ مراتب وزراء کے لڑکے بنائے جاتے ہیں۔

لال شہ کی تخت نشینی اور سواری:

اس میں اعیمہ نے سیاسی مصلحت یہ رکھی ہے کہ چونکہ لعل شہ ایک انسان ہے جنات نہیں، مگر چونکہ اب وہ فیروز شاہ۔ شاہ اجنہ کا بیٹا بنایا گیا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کا رعب و داب جنات اور پریوں پر قائم رکھنے کے لئے اس طرح سواری نکالی جائے کہ جنوں پریوں اور دیوؤں پر خوف طاری رہے اور آئندہ اس کے محکوم رہیں، چنانچہ کہتی ہے

پری زاد فیروز کے حکم پر | بہ شان و تجمل بہ صد کرّ و فر
چلا فوج لے اپنی حشمت کے ساتھ | شہ روم نے جانب دست راست

بنی جان کی لے فوج فیروز شاہ	چلا دست چپ پر بصد عز و جاہ
جو اس طرح سے شاہ والا گہر	چلا لعل کو لے کے با کر و فر
یہی اس کا منشا تھا ہر آن میں	پڑے رعب اس کا نبی جان میں

غرض تخت نشینی کے بعد شاہ زادہ کو نصیحت کی کہ عدل وسخاوت کرنا اور قیامت کا خوف کرتے رہنا جو جہابانی اور حکمرانی کی اصل بنیاد ہے۔

میر حسن نے بے نظیر کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ سیر سے واپس آنے کے بعد بے نظیر کوٹھے پر سو رہا تھا تو اوس کو پری اڑا کرلے گئی، اس وقت پری کا مکالمہ قابل تعریف ہے، مگر اثیمہ نے بھی لعل شہ کو جہاں ضرب پر عاشق کرانے کی عجیب تدبیر کی ہے جو ڈرامائی ہے۔

میر حسن نے کہا تھا ؎

خدا جانے تو کون میں کون ہوں	مجھے بھی تعجب ہے میں کیا کہوں
پر اب تو تو مہامن ہے میرے گھر	لے آئے ہیں تجھ کو قضا و قدر
یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں	پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

اثیمہ کا پلاٹ یہ ہے کہ نازک بدن پری لعل شہ کے محل کے پاس پکارتی ہے کہ ہرن آیا ہرن آیا، اور لعل شہ تیر و کمان لے کر محل سے دوڑتا ہوا آتا ہے، اس وقت نازک بدن خود ہرن بن جاتی ہے اور اوس کو اس قدر دوڑاتی ہے کہ وہ پیاس سے بیتاب ہو جاتا ہے، اور خود غائب ہو جاتی ہے اس طرح لعل شہ کو ایک طلسمی باغ میں لے جاتی ہے جہاں لعل شہ اور جہاں ضرب کی تصویریں رکھی ہوتی ہیں، یہاں جہاں ضرب کی اصل نسوانی صورت کے بے نقاب کرتی ہے اور یہ سب کچھ جنگ کے وقفہ میں ہوتا ہے اس طرح لعل شہ، جہاں ضرب پر فریفتہ ہو جاتا ہے چنانچہ اس کا مرقع اس طرح پیش کیا ہے ؎

ہرن آپ ہی بن کے نازک بدن	نظر دور سے آئی ہے سیمتن
شتابی سے گھوڑے پہ ہو کے سوار	چلا اوس طرف زور وہ کامگار
ہرن بھی لگی بھرنے بس چوکری	شہ لعل کو ساتھ لے کر چلی
طلسمات سے جو بچھایا تھا دام	وہاں لا کے گم ہو گئی والسلام
ہرن تو نہ آیا ہے اوس کو نظر	ہمہ پہ تھا غلبہ تشنگی خوب تر

وہ جب تشنگی دور کرنے چلا
نظر باغ آیا بہت دل کشا

کہا دل میں بے شک ارم ہے یہی
پھر اس میں نظر آ گیا حوض بھی

بھرا اوس میں تھا شہد و شیر و گلاب
ہوا سیر وہ شاہ دانش مآب

مصفیٰ تھا ایوان یک پر ضیاء
شہ لعل جب اوس میں داخل ہوا

تو دیکھا بنا ہے ز لولوئے تر
تصاویر ہیں تخت یاقوت پر

تھی تصویر یک اپنی ہی ہو بہو
اور ایک اپنے ہمشکل تھی ہو بہو

لکھا نام اوس پر جہاں ضرب شاہ
کہ بے شبہ عورت ہے وہ رشکِ ماہ

فدا لعل تصویر پر ہو گیا
کہا کون ہم دو کو باہم کیا

گلے سے لیا اپنے لعلوں کا ہار
گلو گیر تصویر کر ایک بار

دو شالہ اڑا دے کے پھر زود تر
بلانے چلا بھائی کو زود تر

غرض جب وہ بھائی کو لے کر واپس آتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ نہ تو وہ باغ ہے اور نہ تصویر بھائی اوس کو یہ کہتا ہے کہ جہاں ضرب، شہ پہلوان ہے وہ کہیں عورت بھی ہو سکتا ہے؟ ارے یہ سب تیرا خواب و خیال ہے۔

جہاں ضرب سے ملاقات اور باہمی جنگ آزمائی:

جہاں ضرب کی جہاں رستم سے اتفاق سے جنگل میں ملاقات ہوئی، جہاں رستم نے اپنا قصہ بیان کیا کہ میرے باپ نے میری شادی کرنی چاہی مگر میں نے کہا کہ میں ہفت اقلیم کی سیر کر کے شہ پہلوانوں سے مل کر زور آزمائی کروں گا جب کامیاب ہوں گا تو شادی کروں گا، اس طرح جہاں ضرب نے متاثر ہو کر جہاں رستم کو اپنا بھائی بنایا، لعل شاہ جہاں ضرب اور داد گر کے ملکوں کی سرحدوں پر ایک میدان میں آراستہ کر کے خیمے اور فرش اطلس کے بچھائے گئے اور جہاں رستم نے سلاطین کو دعوت دی۔ چھوٹے رؤساء کو بھی اجازت دی گئی، دیو کے ذریعہ ہر ایک سلطان کے تخت لائے گئے، جہاں ضرب کا تخت پہلے رکھا گیا اوس کے بعد سلسلہ سے لعل شاہ اس کے بعد رستم کا، سب رؤسا آئے، حکمت یہ کی گئی کہ سب کے بعد جہاں ضرب آئے اور سب تعظیم بجالائیں، مگر لعل شاہ سے چونکہ جہاں ضرب منسوب تھی اور وہ اس قصہ کا ہیرو ہے، اس کی نشست جہاں ضرب کے بعد رکھی گئی کہ وہ آئے اور پور ادر بار تعظیم بجالائے۔

بہر حال رستم کو دوسرے روز لعل شاہ اور داد گر سے تعارف ہوا اور باہم کھیل کود کی ٹھہری، پہلے جہاں ضرب اور

جہاں رستم کا مقابلہ ہوا مگر برابر رہے، جہاں ضرب کو بڑی تعریف ہوئی۔ مگر رستم کے لعل شہ کے مقابلہ میں پیر اکھڑ گئے۔ زور کلام ملاحظہ ہو ؎

کیا کشتی یک رستم شیر نر	پسینہ ہوا اس کے سب جسم پر
نہیں لعل کو وہ اٹھا سکتا تھا	رجوع اس طرف لعل نے جب کیا
کف دست پر لے کے رستم تئیں	پھرا سر پہ، لا کر رکھا برزمیں
دوبارا جو رستم نے گاڑا ہے گرز	بڑے زور سے جبکہ جھاڑا ہے گرز
وہیں چھین کر لعل مارا جہاں	زمیں پھٹ اڑی، نہر تا آسماں

لعل شہ سے جنگ کی وجوہات:

غرض رستم نے ہار مان لی، مگر جہاں ضرب کو اس کا بہت صدمہ ہوا اور لعل شہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، لعل شہ کے سپاہیوں نے جہاں ضرب کے شب خون اور غضب سیڈر کر لعل شہ کو صلح کا مشورہ دیا، اور لعل شہ نے فقیر احسن الدین سے مل کر صلح کر لی جہاں ضرب کو یہ سمجھا کر کہ ؎

فقیر اس وک فرمائے بابا مرے	اگر سو برس جنگ اس سے کرے
نہ ہووے کبھو اس پہ تو فتح یاب	بھی مڑ جاوے شمشیر سر پر شتاب

صلح کے بعد لعل شہ، فقیر احسن الدین کے پاس اپنی معشوقہ جہاں ضرب کی خاطر سے بطور کورٹ شپ آمد ورفت رہی، اثیمہ نے پہلی مرتبہ، لعل شہ کے فاخرانہ لباس میں آمد کی ایک تصویر پیش کی ہے جو یہ ہے ؎

لعل شہ کی آمد ورفت جہاں ضرب کے پاس

پس از لعل وارد ہوا خوش اساس	بہی چشم پُر نور پر تھا لباس
مکلل شہانی تھا نیمہ عیاں	طرح دار تن پر زآب رواں
کمر بند باندھا تھا یک پانچ کا	گلو گیر تھا مالۂ بے بہا
کمر پیچ تھا پیش قبص یک لگا	جسے دیکھ دارا کا دل آب تھا
لب لعل پر تھا مسوں ابھار	بڑی خاتم انگشت میں آب دار
وہ حسن و جوانی وہ چہرے کا نور	شجاعت اور سلطنت کا غرور

پس پشت تھے دست بستہ وزیر
چلا آ گے وہ زیب تاج وسر پر

یہ کچھ پیش بینی سے وہ خوش صفات
پدر کے پری زاد لایا تھا سات

مگر خفیہ ان کو تھا رکھا ہوا
جب اس طور سے پیش قدمی کیا

بڑا اس کا دربار پر رعب وداب
ولاں رستموں کے ہوئے آب آب

سب نے تعظیم وتکریم کی مگر جہاں ضرب نے پرواہ بھی نہ کی۔ لعل شہ بار باراوس کے چہرے کو دیکھتا تھا مگر کوئی بات اوس میں بظاہر صنف نازک کی نہ پاتا۔ مگر اوس کو وہ تصویر جو نازک بدن نے طلسمی باغ میں دکھلائی تھی یاد آجاتی اور تڑپ کے رہ جاتا تھا۔

انسان کو عشق دو شریقہ پر ہوسکتا ہے ایک تو دیکھ کر فی الفور، دوسرے اوس کے گفتار و کردار اور حسن کی شہرت کو سن کر، یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے ایسے مواقع بہت ہیں مگر ہندوستان میں نوشہ کا لڑکی کو دیکھنا سخت معیوب ہے البتہ ایک تیسری چیز بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی تصویر کو دیکھ کر عاشق ہو جائے، مگر اس کا بھی رواج نہیں ہے۔ ایسی صورتیں شاذ ہی ہیں تاہم اگر تصویر پر نظر پڑ جائے تو یہ کوئی جرم نہیں غرض اشیمہ نے اس موقعہ پر تصویر سے کام لیا ہے اور جہاں ضرب کی اصل حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، اور اشیمہ کا معشوق مردوں کے بھیس میں علانیہ پھرتا ہے، مگر معشوق اس سے بے خبر ہے کہ وہ دراصل عورت ہے۔ اس طرح اشیمہ نے کورٹ شپ کا لطف پیدا کیا ہے۔ عاشق و معشوق ایک دوسرے کو دیکھ کر فریفتہ اور وارفتہ نہیں ہو جاتے، اور کورٹ شپ کو اس قصہ میں اس خوبی کے ساتھ نبھایا ہے جو اشیمہ کا ہی حصہ ہے جس میں معشوق و عاشق کے مضبوط کردار اور انتظار وصل کی پوری شان موجود ہے۔ اور اس میں معشوق کا کردار بہ نسبت عاشق کے زیادہ ارفع واعلیٰ ہے، یعنی عاشق ہر چند کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنی معشوق سے ملے اور باہمی میل کا موقعہ ملے مگر وہ اس کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی، برخلاف اس کے میر حسن کا معشوق بھی ایک ایشیائی ہے اور حقیقت میں میر صاحب نے عورت کی فطرت کو ظاہر کیا ہے چنانچہ ایک دوشیزہ کسی مرد سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکتی، اور شرم وحجاب سے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بدر منیر اور بے نظیر کا منظر ملاحظہ ہو۔

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
سجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

پسینے پسینے ہوا سب بدن　　　　کہ جوں شبنم آلود ہو یاسمن

مگر اٹیمہ کی نظر میں اس تخیل نے عورت کو بالکل کم ہمت اور پست بنادیا ہے۔ اٹیمہ کا معشوق مردوں کے لباس میں ہے گویا وہ ہمت و مردانگی کا آئینہ دار ہے، وہ شرم وحجاب سے پسینہ پسینہ نہیں ہوتا بلکہ بڑے آن بان کے ساتھ بے باکی سے مقابلہ کرتا ہے، ورا پنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتا ہے۔ اور تیوری میں بل ڈال کر دکھنی زبان میں کہتا ہے۔

تمھیں روز کیوں آتے ہو ہر گھڑی　　　　کہ شاید اجل ہے گی سر پر کھڑی

باوجود اس کے فطرت نسوانی نہیں بدل سکتی، محبت پختہ ہوتی جاتی ہے، چنانچہ جب لعل شہ اس کو سویا ہوا پا کر پنکھا جھلتا ہے اور وہ بیدار ہو جاتی ہے تو غصہ میں کٹار بھونک دیتی ہے مگر بعد میں پشیمان ہوتی ہے چنانچہ اٹیمہ کہتی ہے ۔

جہاں ضرب غصہ سے ہو منفعل　　　　ہوالطف سیلعل کے بس خجل

کہا کیا خطا ہو گئی آہ آہ!　　　　جو سلطان شاہوں کو کی میں تباہ

اگر آج کچھ اس کو ہووے ضرر　　　　میں عالم میں ہوں روسیہ سر بہ سر

بہت آپ میں آپ کھاپیچ و تاب　　　　کہا ایک جاسوس بلوا شتاب

سنا ہوں کہیں لعل ضرب کٹار　　　　جو کھایا ہے اس وجہ ہے بے قرار

تو جا جلد مخفی سے آدیکھ کر　　　　مجھے اس کی حالت سے دیجئے خبر

غرض وہ یہ ظاہر نہیں کرتی کہ میں نے خود اس کو زخمی کیا ہے اور پے در پے سات جاسوسوں کو بھیج کر دریافت کرتی ہے اپنی محبت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتی اور لال شاہ کو بڑا بادشاہ تسلیم کرتی ہے۔

فقیر احسن الدین جہاں ضرب کے منہ بولے باپ نے ایک مرتبہ لعل شہ کو بائیں جانب بٹھایا اور جہاں ضرب کو دائیں جانب تو وہ غصہ میں اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک خاص معشوقا کے ساتھ اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئی کہ لعل شہ اس پر عاشق ہو گیا، اس واقعہ کو اٹیمہ نے اس طرح لکھا ہے، مگر اشعار میں کچھ فارسیت غالب ہے ۔

چلا خشمگیں وہاں سے یک بارھو　　　　بہت جلد گھوڑے پہ اسوار ھو

قضا اصل ہر اس کو تب لے گئی　　　　ہوا جس سے کہ جتلا مدعی

وہ برخاست اوس کی وہ چین جبیں　　　　تکبر سے اسوار ہونا وہیں

نظر آئی گویا کوئی دلربا　　　　پے قتل عاشق ہے عشوہ نما

اسی قسم کی ادا کو میر حسنؔ نے اس طرح لکھا ہے

غرض وہ مڑی جب دکھا اپنے بال	تو گویا کہ مارا محبت کا جال
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی	چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہ پہ ظاہر و لے دل میں چاہ	نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ
یہ ہے کون کمبخت آیا یہاں	میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں	چھپی جا کے رہنے وہ دالان میں

غرض اٹیمہ کا کمال یہ ہے کہ وہ عاشق معشوق کو انتظار میں رکھتی ہے اور کوئی نامطبوع اور خلاف تہذیب واقعہ کو آنے نہیں دیتی، اور واقعہ تو یہ ہے کہ اسی چیز کی مثنوی سحر البیان کی ہے۔ چنانچہ شمس العلماء امداد امام آثر کی یہ رائے ہے کہ "مثنوی میر حسن میں سب سے نامطبوع داستان بے نظیر کے آنے اور باہم صحبت کرنے کی ہے کاش میر حسن اس داستان کو داخل مثنوی نہ کئے ہوتے اس طرح بے باکانہ وصل کو رقم نہ کرتے زنہار کسی مہذب ملک میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی صحبت کے بعد کوئی نا کتخدا اپنے عاشق سے ہم آغوش ہونا گوارا کر سکے، اسلامی شہزادے اور شہزادی کی کہانی ہے۔ وصل قبل از نکاح چہ معنی دراد، یہ طور زنان بازاری کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔ خوبی تو یہ تھی کہ میر حسن انتظار وصل کو دکھاتے اور محبت کی پختگی کی تدریجی حالتوں کا بیان کرتے جس سے اس قصہ کی وقعت بڑھ جاتی، اس فوری وصل سے تو بدر منیر و بے نظیر کو بے قرار کر دیا، اگر یہ دکھایا جاتا کہ بے نظیر روز آیا کرتا تھا اور بدر منیر کی صحبت میں یک پہر رہا کرتا تھا اور موقعہ ڈھونڈتا تھا کہ کسی طرح پری کی گرفتاری سے مخلصی حاصل کر کے بدر منیر سے دستور ملکی کے مطابق مواصلت کی صورت پیدا کرے تو یہ داستان مطبوع صورت ہو جاتی، روزانہ کی حاضری کورٹ شپ کا رنگ پیدا کرتی گو خلاف رواج ہے انتظار میں زیادہ مزہ ہے، وصل کے بیان تک بڑی لغزش مصنف سے ظہور میں آئی۔

غرض ان حقائق کی روشنی میں میری رائے ہے کہ سحر البیان کے علاوہ جس قدر مثنویاں شعراء اہل کمال مثلاً دیا شنکر نسیم، سعادت یار خاں رنگین غلام علی مہر وغیرہ نے لکھی ہیں ان سب میں بلحاظ پلاٹ اٹیمہ کو تفوق حاصل ہے اور رنگینئ بیان اور تسلسل مضمون میں کسی سے کم نہیں اور اس کی مثنوی اخلاقی کمزوریوں سے مبرا ہے۔

جہاں ضرب کا بیاہ:

غرض شاہ فیروز نے جواہر شہ سے مشورہ کر کے جہاں ضرب کی نسبت لعل شہ سے کرنی چاہی، فقیر اور جہاں ضرب کو

تزک واحتشام سے بلوایا، فقیر سے طلسم کے پردہ میں اصل واقعہ پوچھا کہ دراصل جہاں ضرب شہزادہ ہے یا شہزادی؟ پہلے تو فقیر نے تجاہل برتا، اوس کے بعد کہا کہ فقیروں سے پیوند کیسے ممکن ہے، ماں باپ سے راز دریافت کرتا ہوں بالآخر شادی پر رضا مند ہو جاتا ہے۔ ضدی لڑکی کا جس کی طبیعت میں مردانہ پن فطرت ثانی ہو گیا ہے طلسم کے پردہ میں رواج ملکی کے مطابق عقد ہو جاتا ہے لعل شہ پروانہ بنا رہتا ہے مگر وہ اپنے بھولے پن سے یہی سمجھتی ہے کہ میں مرد ہوں آپس میں خوب چوتھی کھیلتے ہیں، جہاں رستم (منہ بولا بھائی) شادی کا راز فاش کرتا ہے مگر وہ ہنسی ہنسی میں لال شہ کو بے وقوف بناتی ہے، غرض بتدریج کبھی اوس کو قیامت کا خوف دلا کر کبھی بالواسطہ طوطی سکھلوا کر، نیز ایسے مناظر اور تصاویر جس میں عورتوں نے مردانہ پارٹ لیا ہو، دکھلا کر اوس کو اصل فطرت سے واقفت کرایا جاتا ہے پھر آخر میں لعل شہ فرضی بیمار طلسماتی طور پر بنتا ہے، حکیموں کے ذریعہ جہاں ضرب کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خود اس کی تیمارداری کرے تو اچھا ہوگا، جہاں ضرب اوس کا سر زانو پر رکھ کر زار زار روتی ہے خود اپنے ہاتھ سے اوس کو دوا پلاتی اور کھانا کھلاتی ہے، اسی طرح خوش دامن بیمار ہو جاتی ہے اور جہاں ضرب اور لعل شہ دونوں مل کر ماں کی خدمت اور تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ اوس کے بعد وداع کی تقریب عمل میں آتی ہے۔

جشنِ شادی

پلا ساقی یک جام عناب رنگ — تفکر کے عالم میں ہے دل بتنگ
گلوں پر گلستاں میں پھولی بہار — گلے میں ہے گل رو کے گل کی بہار
سماں ایک کر مطرب خوش کمال — قلم سے بھی کلے ہے فرخندہ فال
کہا شاہ اندر سے فیروز شاہ — شہ لعل کا سب وہ حال تباہ
لکھا رقعہ سلطان فرخندہ فال — ہے درخدمت پیر صاحب کمال

....

محل نوشہانی طلسمات کا — کہ سلطان اندر نے بھجوا دیا
وہ ایسا مصفا بہ نقش و نگار — در و بام تھے بسکہ آئینہ دار
بچھا فرش مخمل کا تھا سب وہاں — جواہر کے تھے اس پہ گلکاریاں
سجادہ صاحب سریر — پے جشن و تیاری دل پذیر

ہوا جب کہ سب کام کا بندوبست
جہاں ضرب کو خواب سے کر کے مست

کیا دست پریوں نے سہ کامگار
لباس زنانی بھی زیور سنگھار

محل بیچ پریوں نے لا زود تر
بٹھائیں جہاں ضرب کو تخت پر

دوا اور دائی بھی نازک بدن
یہی تین تھیں رازدار دلہن

دیئے چھوڑ نزدیک پھران کو لا
سحر جب گیا غلبہ اس خواب کا

جہاں ضرب دیکھی ہے کر چشم وا
محل لولوئی رشک آئینہ کا

نظر آپ آتی ہے ہر چار سو
سنگھار اور زیور سے زن ہو بہو

نہ تھے گرچہ سوراخ پر کان میں
نمودار زیور تھا پر کان میں

غضب سے لگی چاک کرنے لباس
لگی توڑنے زیور خوش اساس

تھا جوڑا بھی زیور طلسمات سے
ضرر اس کے کب پا سکے بات سے

نہ وہ توڑنے سے کبھی ٹوٹ جائے
کسی سے وہ جوڑا وہ نقصان پائے

لباس عروسی میں جب لعل شاہ
کیا اپنی دلہن پہ ہے یک نگاہ

ہوا اوس کی الفت سے دل باختہ
غشی کا سا یک حال بے ساختہ

یہ تھا عشق آموز کئی مہ و سال
بجز آلیا اس نے خود کو سنبھال

تشفی دیا اپنے پھر دل کے تئیں
دوشالے کو سر سے نکالا وہیں

جہانبان کو تسلیم لایا بجا
وہ کئی شہرو جو ہر خزائن دیا

دیئے ہیں سبھی حسب مقدور تب
سلامی ملی اس کے لائق کی سب

جو وہ شاہ دلہن تھی زیب زماں
کروں اس کی کیا رونمائی بیاں

رقم ہائے نادر کا انبار تھا
کہ لے جانے مشاطہ دشوار تھا

جواہر وہ ہر دو پہ اتنا نثار
ہوا لغت رنگ اس طرح بے شمار

فقیروں کو خوانوں سے بھر بھر دیئے
غریبوں نے یکسر غنی ہو گئے

ملا شاہ جا احسن الدین سے
سلامی میں وہ اسم اعظم دیئے

ہوا حکم ان کا تو بس شہریار   اٹھا اپنی دلہن کو لے ایک بار
جو چنڈول میں لعل کے دے بٹھا   زن شاہ فیروز فرخ لقا
جہان ضرب کی سی بہو جو ملی   بہ صد آرزو اس میں لے کر رہی
دیئے چھوڑ لعلوں کی اس پر طبھر   کہے تو شفق میں ہے خور جلوہ گر
بہو کے چلا شاہ فیروز ساتھ   چلا دولہ کے جواہر افروز ساتھ
چلے کرتے چنڈول پر ایک بار   حمید اور وزرائے جوہر نثار
جہیزی تھے سب فوج آراستہ   جواہر میں ہو غرق دل خواستہ
کنیزوں، غلاماں، بہت ماہرو   ہر اک سیمبر، مُو کمر، خوش گلو
جواہر کے عماریاں کئے ہزار   شتر، فیل اور اسپ جوہر نگار
زرودُر کے شاہی خزانے چلے   نوادر طلسمات خانے چلے
بہت زر خالص، بہت سیم خام   بہت لعل والماس و گوہر تمام
بہت سے تھے صندوق لولوئے تر   بہت عطر و عنبر بہت مال و زر
چلے ساتھ لعلوں کے کئے تخت و تاج   پری زاد کو جن کی ہوا احتیاج
غرض ان سبھوں سے ہوئے بے درنگ   گزر کرنے خشخاش کو راہ تنگ
کہا پیر تدبیر یوں برملا   شتابی پری زاد کے تیئں بلا
ہوا پر تمامی روانہ کیا   جہاں ایک گویا کہ ہمرہ دیا
ادہر شوکت نوشہانی رواں   ادھر سب جہیز شہانی رواں
بیاں کرنے سب اس کا یارا نہیں   بجز کہنے دل کو گوارا نہیں
اسی یک سخن پر کروں اکتفا   الگ شاہ اور بھی تھا دیکھتا

جلوہ کی رسم:

غرض اس جشن شادی میں جلوہ کی رسم جو بالکل ہندوستانی ہے اوس کی اطیمہ نے خوب تصویر کھینچی ہے

وہ خوابیدہ چشم اور نُہڑ بیٹھنا
فدا جس پہ تھی دیکھ شرم وحیا

وہ رنگ حنا چست سوہا لباس
وہ سنگھار وزیور وہ پھولوں کی باس

بھی تھا سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ
بھڑک کر اٹھی حسن طلعت کی آگ

وہ زلف معنبر کی تھی خوش بہار
بھی جون مہ پہ ہالے تھے سہرے کے تار

پکڑ پردۂ لولوی درمیاں
کئی رسم مشاطہ اس کی وہاں

نکالا ہے جب درمیاں سے حجاب
چنا کر عنایات اس نے اس دم شتاب

لطافت سے جب منہ دکھانے لگی
تو نوشہ پہ احسان جتانے لگی

شب عروسی

بسا شادماں وہ دلہن کی طرف
چلا مثل بلبل کے گلشن طرف

جو دیکھا کہ خلوت ہے آراستہ
منور فلک سے بھی پیراستہ

چھپر کھٹ تھا لعلوں کا جلوہ کناں
مہ و مہر کی جیسے جائے قران

وہ مہر جاں نوشۂ ذی شرف
کیا اس کے گھونگھٹ کو سب بر طرف

لگا کرنے نظارا ارمان سے
فدا اس پہ ہوتا تھا سو جان سے

ہنوز اس کے دیکھے سے سیری مگر
نتھی ایسے میں باجے ہیں دو پہر

غرض لعل شاہ پروانہ بنا رہتا ہے مگر جہاں ضرب چونکہ ابھی نابالغ ہے اس لئے اس کو جلوۂ محبوب میں محو رکھتی ہے اور صبح ہو جاتی ہے گویا ؎

صبح کیا آئی قیامت آگئی

اشمیہ نے تمدنی اور اخلاقی سبق دیئے ہیں جو اس مثنوی کا اہم جزو ہے مثلاً عورتوں کو سوکن سے جلاپا ہوتا ہے، مگر جہاں ضرب سوکن سے خوش ہوتی ہے اور شوہر کی مرضی پر اپنے تعیش کو قربان کر دیتی ہے۔ لعل شہ حسین سے حسین عورتوں کی تصاویر طلسماتی محلات و باغات کی سیر کے سلسلہ میں لا کر جہاں ضرب کو دکھلاتا ہے وہ بجائے رنج کے خوش ہوتی ہے اور لعل شہ کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ اپنا بیاہ کر لیں بلکہ میں خود بیاہ کر کے لاؤں گی اور اس کو اپنی لطفی بہن بناؤں گی اور اس ماہ پارہ کی تصویر کو لعل شہ کے تخت پر منقش کر دیتی ہے۔ جہاں ضرب کی ادا سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا دل نہیں

چاہتا کہ وہ اپنی محبوبہ کو چھوڑ کر کسی دوسری کے ساتھ ازدواجی تعلقات پیدا کرے۔ اثیمہ نے لعل شہ اور جہاں ضرب کا مکالمہ اس طرح نقل کیا ہے۔

لعل شاہ۔

تیر موئے سر پر سے ایسے ہزار ہر اک آن میں میں کروں گا نثار

جہاں ضرب۔

جہاں ضرب تصویر ہاتھوں میں لے کہی شاہ لایق کا جوڑا تیرے
بہ صد لطف بیاہ اوس و کرلاؤں گی بھی لطفی بہن اپنی بنواؤں گی

لعل شہ۔

دیا شاہ قسمیں کہ ایسا نہ کر میں دوں ورنہ پھونک اسکتیں زود تر
جہاں ضرب کی تر الفت شتاب لگی دل میں جا شہ کے از پیچ و تاب

غرض جہاں ضرب اپنے شوہر کے دل کو اس طرح لبھاتی ہے کہ وہ اپنی بوالہوسی کو خیرباد کر دیتا ہے جو عورتوں کے لئے ایک زرین سبق ہے۔

اثیمہ نے باکمال شعراء کی طرح لطیف تشبیہات بھی بہت استعمال کی ہیں جو اس کی رنگینی طبع پر دال ہے۔

غروب ماہتاب کی تشبیہ ۔

قمر پی کے عشرت کی زاید شراب جھکا تھا نشہ میں گیا بہر خواب

طلوع آفتاب کی تشبیہ ۔

چلا مہر اٹھ خواب سے شاد ہو مسرت کے پانی سے منہ ہاتھ دھو
خوشی سے کھلا روئے گلگوں پہ رنگ قبائے شبی ہو گیا بر میں تنگ

رقص کی تشبیہ ۔

نہ تھا رقص یک رشک طاؤس تھا سماں اس سمائے کا پوبوس تھا

راگ کی تشبیہ ۔

نہ تھا راگ آواز ققنوس تھی پری زاد کے دل کی مانوس تھی

ساقی نامہ ؎

گلابی میں غنچہ کے بھر ساقیا ... مئے کیفکی بزم عشرت میں لا

مطرب نامہ ؎

مغنی ترے لحن ققنوس میں ... وہ ڈھب ہے جلے شمع فانوس میں

چنڈول کا پردہ ؎

دیئے چھوڑ لعلوں کی اس پر طہر ... کہے تو شفق میں ہے خور جلوہ گر

زرہ ؎

زرہ یک پھن بادشاہ جہاں ... ہوا ماہ جون سنبلہ میں نہاں

لعل شاہ مصنوعی طور پر طلسمات سے بیمار ہو جانا اور اوس کی دلہن کو تیمارداری ۔

طلسمات سے آپ بیمار ہو ... محل میں پڑا رہتا بیمار ہو

غرض تخت گہ تک نہ جاتا تھا وہ ... غذا شوق سے کچھ نہ کھاتا تھا وہ

ہوا حال ہفتے میں ایسا تباہ ... کہ ہمشکل مجنوں بنا لعل شاہ

حقیقت میں بالکل نہ آزار تھا ... وہ دلہن کو دکھلانے بیمار تھا

وہ سمجھی محبت کا بیمار ہے ... فقط اپنی الفت کا بیمار ہے

نقاہت نظر بیچ لانے لگی ... محبت کچھ اک دل میں آنے لگی

شہ لعل رورو کے دکھلاتا تھا ... پریشان ہو ہو کے دکھلاتا تھا

وہ اک روز آنکھ اپنی کھولا نہیں ... کسی سے کچھ اک حرف بولا نہیں

کہی دائی شہزادی ذوالکرم ... اٹھا اس کو تو آش لاتے ہیں ہم

جو بیمار ہوا اپنا محبوب ہے ... نہیں شرم اس وقت پر خوب ہے

حیا و محبت میں جھگڑا اپڑا ... جہاں ضرب کے دل پہ جھگڑا اپڑا

جہاں ضرب دولہ کے نزدیک جا ... کہی بادشہ چشم کر اپنی وا

نہیں آنکھ کھولا روزے جواب ... جہاں ضرب دل بیچ کھا پیچ وتاب

اٹھاتی ہے کر منت و عاجزی غشی ایک اس وقت طاری ہوئی
وہ بے حس بنا ایسا اس آن میں کہے تو کہ جی کچھ نہیں جان میں
جہاں ضرب گھبرا کے زانو پہ سر رکھی اور رونے لگی پُر خطر
تاسف سے دل میں کہی آہ آہ! کئی میں نے کیوں لعل شہ کو تباہ
فقط میری الفت میں یہ جاں دیا میری آہ حسرت میں یہ جاں دیا
کوئی اپنے شوہر کو مارا نہیں بجز میرے ہے کون ظالم کہیں
چلا میرا دنیا سے محبوب ہے مجھے موت اس وقت پر خوب ہے
بہر حال ہوش و حواس سنبھال کر تو جلدی سے پری کو بلا بھیج کر
جہاں ضرب گو ہر کی چق چھوڑ کر طلب کی اطباء کو نزدیک تر
سنگھائے دیئے ایک شیشی شتاب کہ تلہ دور ہووے غشی کا حجاب
جہاں ضرب شیشی سنگھانے لگی کچھ اک شاہ کو ہوش آنے لگی
دیا چشم جب اپنے وہ کھول کر کئی دور شرما کے زانو سے سر
کیا آہ ایک بسکہ غش کر چلا ہوا حال اول میں پھر مبتلا
سنگھانے لگی جب وہ وہ دلربا وہ چشم اپنی آہستہ وا کر دیا
حیا و تکبر کو رکھ یک طرف کھلائی دوا ہاتھ سے ذی شرف
دکھاتی نہ کچھ اپنے غصہ کا جوش وہ نزدیک لیٹے تو ہووے خموش
یہ حرکات گرچہ گوارا نہو ولیکن محبت سے چارہ نہو

شہزادہ دادگر فرزند فیروز شاہ کی شادی روح افزا سے ہوتی ہے، میر حسن کی نجم النساء کی طرح، لعل شہ قلبتانہ کو جوگن کے بھیس میں شہ پری کے پاس بھیجتا ہے۔ انیمہ نے قلبتانہ کے مضبوط کردار کو خوب اجاگر کیا ہے۔ باوجود راز فاش ہونے کے قلبتانہ خود کو ظاہر نہیں کرتی باوجود اس کے کہ قلبتانہ کو گدھے پر سوار کر کے شہر بدر کیا جاتا ہے مگر وہ اپنے مہم میں کامیاب آتی ہے، قلبتانہ رخصت ہوتے وقت اس طرح وعدہ کرتی ہے۔

زمین وفلک کو بہم چاک کر لگادوں گی پیوند بایک دگر

کہو تو بجز نردبان فلک میں جالاؤں زہرہ کو اس جا الگ

اگر شاہ کا مجھ سے ہووے نہ کام جہاں قلبتانہ نہ پھر میرا نام

قلبتانہ روح افزار کا حلیہ پوچھ کر بین کاندھے پر رکھ کر جوگن کا لباس پہن کر لعل شہ کے کل کے گھوڑے پر سوار ہو کر شہ پری کے باغ کے پاس پہنچتی ہے اور نہر پر اس طرح بین بجاتی ہے ؎

کہیں گوشۂ باغ میں نہر پر بجانے لگی بین وہ بے خطر

وہ رورو کہی شاہ جوگن ہوں میں بڑے دردوغم کی بروگن ہوں میں

لرزتی تھی روتی تھی اور کانپتی جہاں ضرب کے خوف سے ہانپتی

محل میں بلوایا جاتا ہے تو کہتی ہے ؎

فقیروں کو صحرا میں آرام ہے محلات شاہی سے کیا کام ہے

آخر جاتی ہے اور اس طرح سلام کرتی ہے

کیا جو گیا نہ ہی جوگن سلام ہوئی اس سے یوں شہ پری ہمکلام

یعنی حالات دریافت کئے اور یہ روتی رہی اور محل کی تمام لڑکیاں آن موجود ہوئیں جس شہ پری کی لڑکیاں، روح افزا اور بہار افزار بھی تھیں جن کی امیمہؔ نے اس طرح تعریف کی ہے۔

قمر رشک حوروں پہ کر یک نظر چھپانے کو حسن ان کا تجویز کر

دیا چادر چاندنی بس اڑا تو حسن عروسی نے جلوہ دیا

گلاں ان کو دیکھے سو بس ایک بار درختوں سے گرنے لگے ہوشیار

اس مثنوی میں ایک خاص چیز رزم بھی ہے۔ امیمہ کو رزم و بزم دونوں پر کامل عبور جنگ کے نقشہ یعنی جہاں ضرب اور لعل شاہ کی باہمی معرکہ آرائی کا خوب نقشہ کھینچا ہے ایک دکھنی عورت اردو میں فردوسی اور نظامی گنجوی کی ہم زبان اور ہم نوا ہے جو عورت کے لئے قابل صد آفرین، علامہ سلیمان ندوی نے امیمہؔ کی پوتیوں کی تعریف کی ہے ان کی جد ماجدہ کی رزم آرائی ملاحظہ ہو۔

یہی عزم پر ہو کے تیار وہ بہم فوج کر اپنی بسیار وہ

چلا جلد بڑھ کر شہ خوشخصال — بروں شہر کے اپنے فرخندہ فال
وسیع ایک میدان پاکیزہ تر — دیا بیل داروں نے ہموار کر
وہ لشکر جو اترا ہے ہر سمت پر — دیے خار فولاد سب بیٹ کر
بہت فیل استادہ تھے کوہ وار — لیے خرطوم میں اپنے فولاد خار
کیا میمنہ میسرہ سب درست — یمنی یساری تھے چالاک و چست
ہراول مہتا ہوئے یک طرف — عقب میں لئے فوج سب باندصف
بہت قلبگہ کر کے آراستہ — رہا درمیاں شاہ نوخواستہ
زرہ اک پہن پادشاہ زماں — ہوا ماہ جوں سنبلہ میں نہاں
سکندر کے جنگی قوانین سے — لگا بجنے نقارہ آئین سے
کیا کوس نے جب کہ ظاہر صدا — وہیں نائے ترکی نے باہم ہوا؟
تبیرہ و شیپور و تتبک کہیں — دہل چرم گرگین و خمک کہیں
اٹھائے جو یہ ل کے شور و شغب — یلون نے ہوئے عازم جنگ سب
پہن خود و خفتان خنجر شکن — نکل آیا ہر پہلوان فیلتن
لئے ساتھ تلوار خفتان شگاف — کئے ابتداء رزم کا در مصاف
تبر تیرہ و شمشیر و خنجر بہم — بھی ژوپین و خشت اور تیغ دودم
سنان اور گوپال اور بید برگ — بھی زنگار شکندہ درع و ترگ
ظفریاب ہندی پر از آب سم — تفنگ اور قارورہ ناچخ بہم
جوانان بھی سب مثل افراسیاب — وجیعان تھے رستم نمط بے حساب
ہر اک وار کرتے تھے زہرا شگاف — کہے بلکہ تو سنگ خارا شگاف
نشانش وہ نیزوں کی اور وہ دھمک — اٹھے شعلۂ آتشیں جب بھڑک
ہوئے جس سے تھے گوش گردوں کے کر — حرارت سے اوس کو ہوا دردسر
چقاچاق خنجر پڑی ہر طرف — ہر اک سر بدن سے ہوا بر طرف

ہوادشت صحرائے مقتولگان ہوئی اس میں یک جوئے خونی رواں

اٹیمہ کے عام معلومات بھی وسیع تھے چنانچہ کشتیوں کے عجیب وغریب نام اس وسعت معلومات پر دال ہیں مثلاً بلوار، سنگ چہرہ، ہاتی چہرہ۔ لچکا، بہرہ، ڈنگی، بجرہ، سونا مکھی وتل، کہوڑ، بہولیا۔ پٹیلا، غراب، بلکٹ بوٹ، سبد، فتح ماری، بغلے وغیرہ ان کے علاوہ جہازوں کے مختلف آلات اور ملاحوں کے انگریزی نام بھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹیمہ انگریزی سے بھی واقف تھی چونکہ اس میں جہاں رستم (منہ بولا بھائی کو رخصت کرنے کا منظر بھی عجیب ہے اس لئے اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

دوڈولہ سہ ڈولہ کھڑے تھے جہاز منور ولایت کے بھی سرفراز

دخانی کھڑے اس میں جا خواہ مخواہ کہ جوں قلب لشکر میں ہو بادشاہ

جہاز اور کشتی تھی سب خوش وجود عجب بحر پر باغ تھا یک نمود

مسافر غرض جو کہ تھے سرفراس دے اسوار ہو ہو گئے بر جہاز

ہوا کامرہ خاصگاں کا مکاں سدا کامرانی تھی جس میں عیاں

معلم جہازوں کا مجرا صحیح گیا اور کیا اپنا مجرا صحیح

ادھر جلد تنڈیل چتر یکوتان ہے پانجروں پر کیا سایبان

ہوا تین ڈولوں کا پردہ کشا کہ گویا ہوا کے دیئے پر لگا

کھلا الغرض جب کہ صبر براس براس کلاں کا ہوا کام راس

دیا کھول نرگس نے اپنی زباں ہوا کالی جیبی سے ہمداستان

ادھر تھے سوائی وکانی براس پلا نجیب تھے پیشوا ذی قیاس

نظر کی ادھر ڈوریاں ہر لمہیں بہت تھیں جہازوں کو حبل المتیں

پھر آیا ہے سکاں جب واہ واہ جہازاں چلے پل میں اسی کرہ

جہاں ضرب تھی تب تلک اشک بار کہ دیکھ ان کو خوش ہوگئی ایک بار

اٰثیمہ کی اردو بلحاظ مدراسی خاتون ہونے کے فصیح ہے، لفظ کتے، اورنکو اس طویل مثنوی میں کہیں پتہ نہیں حالانکہ اب بھی دکھنی خواتین اور مرد بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ البتہ نے کا استعمال بہت غلط کیا ہے، کاش کے اس کی اردو زبان کی اصلاح کسی اہل زبان کے ذریعہ ہوتی، بہرحال اردو متوسط درجہ کی ہے فارسی کا اثر غالب ہے مگر بلحاظ واقعہ نگاری وفطرت نگاری مرقع کھینچنے میں کمال کیا ہے۔ تسلسل مضمون کا بدرجۂ اتم لحاظ رکھا ہے، باوجود اس کے یہ ساڑھے پانچ ہزار بیت کی مثنوی ہے مدراس کیا بلکہ دکن قابل مبارک باد ہے کہ آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ایک ایسی اچھی شاعرہ پیدا ہوئی جس کی نظیر نہیں اور اوس نے خصوصاً مثنوی نگاری میں میر حسن جیسے اہل کمال کی تبتع کی ہے۔ اور عورتوں کے لئے ایک ایسا سوشیل افسانہ لکھا جس کی زمانے کو ضرورت تھی جس کی جھلک متاخرین میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کے افسانوں میں پائی جاتی ہے۔

☆☆☆☆

حواشی وتعلیقات

(۱) اختر تخلص ہے۔نواب اختر محل صاحبہ کا جو خاندان تیموریہ کی ایک شہزادی تھیں۔دہلی میں ۱۲۸۰ء کے پس و پیش میں ان کی

شاعری کا چرچا تھا۔(عباس،محمد،''مشاہیرِ نسواں''مطبوعات پنجاب،ص۲۴)

(۲) شرم تخلص ہے۔حکیم فخرالدین کی بیٹی تھیں۔اصل وطن بنارس تھا مگر مدت سے لکھنؤ میں توطن اختیار کیا۔فنِ شعر میں خواجہ وزیر کی شاگرد تھیں۔صاحبِ دیوان ہیں،شیعہ مذہب سے تعلق تھا۔ان کا دیوان چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے۔آخر میں ایک قصیدہ ہے(ان کے کلام میں بعض صنعتیں پائی جاتی ہیں)

(بلخی،فصیح الدین،''تذکرہ نسوانِ ہند''،۱۹۵۶،پٹنہ سٹی،ص۴۴)

(عباس،محمد،''مشاہیرِ نسواں''مطبوعات پنجاب،ص۳۶۹)

(۳) اورینٹل کالج میگزین سن ۱۹۳۰ء۔

(۴) منتخب اسباب مؤلفہ خافی خاں مطبوعہ کلکتہ۔

(۵) مخدوم گیسودرازؒ ہندوستان کے مشاہیر چشتیہ بزرگوں میں داخل ہیں۔آپؒ ۱۳۴۰ء بمطابق ۷۲۱ھ میں بمقام دہلی میں پیدا

ہوئے۔اور ۱۰۴ سال کی عمر میں ۱۶ ذی قعدہ سن ۱۴۲۲ء بمطابق ۸۲۵ھ بمقام گلبرگہ وفات پائی۔

(قادری حامد حسن،''داستان تاریخ اردو''۱۹۶۶،ایجوکیشنل پریس،کراچی،ص۳۹)

(۵) خواتین کی زبان میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے کے لئے گیت چکی نامے کہلاتے تھے۔جو کہ چکی پیستے ہوئے خواتین گایا کرتی تھیں۔ان چکی ناموں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ عورتیں چکی چلاتے ہوئے انہیں گائیں تو ان کا دھیان بٹا رہے اور تھکن بھی کم ہو اور ساتھ ہی ساتھ اخلاقیات اور معرفت کے رموز سے بھی آشنا ہو جائیں۔مگر اب نہ تو چکی رہی نہ چکی ناموں کا رواج رہا۔لیکن دکن کی تاریخ میں اسکی بے حد مثالیں ملتی ہیں۔

(۶) (سیدہ جعفر،پروفیسر۔گیان چند،پروفیسر''تاریخِ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک''،جولائی،۱۹۹۸،ج پنجم،قومی کونسل برائے

فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص ۱۵۳)

(۷) زورؔ، محی الدین، ڈاکٹر، ''اردو شہ پارے''، مطبوعہ۔

(۸) زورؔ، محی الدین، ڈاکٹر، ''اردو شہ پارے''، مطبوعہ۔

(۹) گنا بیگم عالمگیر ثانی کے وزیر نواب عماد الملک بہادر کی بیوی اور علی قلی خان والداغستان کی بیٹی تھیں۔ ایسی نازک بدن تھی کہ ۹ سال کی معلوم ہوتی تھیں۔ اُسے اکثر تولا گیا تو ۹ سو روپے سے زیادہ وزن نہ نکلا اردو اور فارسی کی اعلیٰ درجے کی شاعرہ اور زباندان تھیں۔

(''مشاہیر نسواں'' ص ۴۸۴)

(۱۰) جس طرح اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ولی دکنی کو مانا جاتا ہے۔ اسی طرح اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ چنداؔ تسلیم کی جاتی ہیں۔ میر عالم دیوان سکندر جاہ والی ملک دکن نے اپنی مثنوی میں جس حسین شاعرہ کا سراپا لکھا ہے وہ یہ ہی شاعرہ تھی۔

''حیاتِ مہ لقا'' کے مطابق ۲۰ ذیقعدہ، روز دوشنبہ ۱۱۸۱ھ کو پیدا ہوئی۔ ترکی النسل تھی۔ وہ شاعری میں شیر محمد خان ایماںؔ کی شاگرد تھیں۔ اردو اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتی تھی۔ اس نے اپنا دیوان ایک انگریز کو دیا تھا۔ جو کہ ۱۲۲۶ھ میں چنداؔ کی وفات سے چودہ سال قبل مرتب ہوا تھا۔ اس میں ایک سو پچیس غزلیں تھیں اور ہر غزل پانچ اشعار پر مشتمل تھی۔ چنداؔ نے ۱۲۴۰ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ (حیاتِ مہ لقا میں ۱۹۳۶ھ چھپن برس کی عمر میں انتقال درج ہے)۔

(بلخی، فصیح الدین، ''تذکرہ نسواں ہند''، ۱۹۵۶، پٹنہ سٹی، ص ۲۱)

(۱۱) سوانحات ممتاز مخطوطہ آصفیہ۔

(۱۲/۱۳) مخطوطہ دفتر دیوانی و مال سرکاری۔

(۱۴) مطبوعہ مطبع حیدری مدراس ۱۳۴۰ھ۔

(۱۶/۱۵) محمد منور گوہرؔ (مولف نسخہ دان بلند فکر) اور شاطرؔ اپنے وقت کے مشہور شاعر تھے۔ ان کے والد ماجد عبدالغنی خان امیر، اثیمہؔ کے بڑے صاحبزادے تھے گوہرؔ نے اپنے والد خان امیرؔ کے حالات کے ضمن میں اثیمہ (اپنی دادی) کے بھی کچھ حالات قلم بند کیے ہیں۔ مگر انہوں نے بھی اثیمہ کی تاریخِ پیدائش اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی خاطر خواہ معلومات درج نہیں کیں۔

البتہ کاوش بدری نے اپنے مقالے ''شہزادی اثیمہ آرکاٹی کی مثنویاں'' مشمولہ معارف اگست ۱۹۹۶ میں درج کیا ہے کہ:

''شہزادی اثیمہ کرناٹک کے مذہبی گھرانے کی عظیم الشان شاعرہ تھیں۔ انکا نام لطف النساء بیگم تھا۔ ان کی ولادت آرکاٹ میں ہوئی۔ مورخین کا قیاس ہے کہ ان کا سن ولادت ۱۲۴۱ھ یا ۱۲۴۲ھ بمطابق ۱۸۲۵ء یا ۱۸۲۶ء ہے۔''
جبکہ آگے چل کروہ منور گوہر کے حوالے سے سن وفات ۱۲۶۶ھ یا ۱۸۴۹ء بتاتے ہیں۔ جو کہ تقریباً عمر ۲۵ یا ۲۶ سال بنتی ہے۔ جبکہ اسی مقالے میں کاوش بدری لکھتے ہیں کہ ''وہ کبر سنی میں بھی تصنیف و تالیف میں مشغول رہتی تھیں اور ۱۸۷۲ء تک بقیدِ حیات رہیں۔'' اس حساب سے انکی کل عمر تقریباً ۳۱ سال بنتی ہے جو کہ کسی بھی طرح قابل قبول نہیں لہٰذا ہم ان تواریخ پیدائش و سال کو رد کرتے ہیں۔

(۱۶) نظم ''دلچسپ امیر'' مطبوعہ مدراس۔

(۱۷) تذکرہ الانساب مولفہ خوشدل مخطوطہ دفتر دیوانی، حیدر آباد دکن۔

(۱۸) سوانحات ممتاز مخطوطہ آصفیہ۔

(۱۹) گلشن مہوشاں مخطوطہ آصفیہ۔

(۲۰) سوانحات ممتاز مخطوطہ آصفیہ۔

(۲۱) جنہوں نے گلشنِ مہوشاں کی تاریخ بھی کہی تھی۔

(۲۲) سوانحاتِ ممتاز مخطوطہ آصفیہ۔

(۲۳) نجف علی خان ابن محمدی میاں خلف عبدالغنی خان ابن عبدالواسع۔ آپ افتخار تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور عربی کے جید شاعر تھے۔ تصانیف میں مثنوی بہاریہ و خزانیہ اور شرح سکندر نامہ مشہور ہیں۔
(نظم دلچسپ امیر، مطبوعہ، خلاصۃ الانساب مؤلفہ قدرت احمد گوپاموی مخطوطہ)

(۲۴) حافظ محمد علی واعظ رامپوری خلیفہ مولوی سید احمد بریلوی وارد مدراس (۱۲۴۵ھ تا ۱۲۵۱ھ) اثیمہ کو بھی ان سے بیعت تھی۔ عمایدِ مدراس ان کے مرید تھے۔ نواب خان عالم خان فاروقی المتوفی ۱۲۷۱ھ کو خلافت بھی تھی۔ کیونکہ حافظ صاحب سید احمد بریلوی، مشہور اہل حدیث کے سلسلے کے تھے۔ بعض مسائل میں علماء مدراس مخالف ہو گئے اور تکفیر میں ایک کتاب اردو زبان میں ''تنبیہ الضالین'' لکھی گئی اور طبع و شائع ہوئی۔ مولوی جمال الدین فرنگی محلی نے

اس میں بڑا حصہ لیا۔ بیگمات آرکاٹ نے اس مسجد حافظ صاحب کے نام سے جام بازار مدراس میں بنوائی تھی۔

(ذکر جلی فی الکرامات محمد علی مطبوعہ سکندر آباد، تتمہ الضالین مطبوعہ مدراس)

(۲۵) عبدالعلی عرف عبدالباری موجدؔ، ابن عبدالغنی خان امیرؔ کی ولادت ۱۲۷۵ھ نبیرۂ اثیمہ، ازبطن نبیری نواب عظیم جاہ بہادر مرحوم موجدؔ، محمد منور گوہر اور عبدالرحمٰن شاطر کے بھائی تھے۔ جن کی دلہن کو اثیمہ نے اپنی کتاب گلشنِ شاہداں دینے کی وصیت کی تھی۔

(مثنوی گلشن مہوشاں مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد)

(۲۶) عبدالغنی خان امیرؔ، اثیمہ کے بڑے صاحبزادے ۱۲۵۹ھ تا ۱۳۰۶ھ عربی فارسی انگریزی کے فارغ التحصیل تھے۔ دو نکاح کئے تھے۔ ایک نواب عظیم الدولہ کے پوت داماد، اسکے بعد اعظم جاہ کے نواسے داماد بنے۔ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے۔ مشہور تصانیف میں انوار عظیم اور عربی قصائد صفت مہملہ میں لا جواب ہیں۔ جو مدراس، بنگال اور شمالی ہند میں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ دیلور کے مشہور فاضلِ اجل و عارف کامل سید غلام الدین دیلوری سے آپ کو بیعت بھی تھی۔

(۲۷) خان بہادر عبدالواسع خان، حافظ، حاجی، ولادت ۱۲۶۱ھ تدوینِ صحیفہ زرین تک حیات تھے۔ ہماری شاعرہ اثیمہ کے دوسرے فرزند، شکوہ الملک کے پوتے اور والدجاہ کے نواسے تھے۔ نواب عظیم جاہ کی صاحب زادی طیب النساء بیگم ان سے منسوب تھیں۔ عربی فارسی اپنے نانا افتخار اور ماموں منور جنگ نظیر سے پڑھی۔ اور طب حکیم جمال الدین سے۔ انگریزی بھی جانتے تھے۔ تصانیف میں چند مذہبی کتب ہیں۔

(صحیفہ زرین، مطبوعہ نول کشور ۱۹۰۲ء، ص ۱۹)

(۲۸) اثیمہ کے چھوٹے فرزند عبدالصمد خان ماہرؔ، اثیمہ کے چھوٹے صاحبزادے ولادت ۱۲۶۴ھ فارسی، عربی، انگریزی کے فاضل، حافظِ قرآن، خطاط، فارسی کے جید شاعر، قصائد ماہرؔ و دیوانِ ماہر طبع ہو چکے ہیں۔ نواب ظہیر الدولہ بہادر کے نواسہ داماد۔ ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ رہے۔ اس کے بعد نواب سر محمد منور خان عظیم جاہ بہادر پرنس آف آرکاٹ کے نائب اور صدر المہام تھے۔ اثیمہ کے یہی وہ صاحبزادے ہیں جن کی دلہن کو "گلشن عاشقاں" رونمائی میں ہماری شاعرہ نے دی تھی۔ ماہرؔ کی تصویر صحیفہ زاین مطبوعہ نول کشور، کان پور ۱۹۰۲ء کے صفحہ نمبر ۵۷ پر موجود ہے)۔

(کاوش بدری، "اثیمہ آرکاٹی کی مثنویاں" ۱۹۹۶ مشمولہ معارف اگست ۱۹۹۶ میسور)

(۲۹) عبدالرحمٰن شاطر اثیمہ کے بڑے صاحبزادے کے بڑے بیٹے تھے (یعنی اثیمہ کے پوتے) اپنے زمانے کے نامور شاعر گزرے ہیں۔

(۳۰) ہم بھی سخاوت مرزا کی رائے سے متفق ہیں کہ یہ مادہ تاریخ غلطی سے یہاں درج ہو گیا۔ وگرنہ یہ ''گلشنِ مہوشاں'' کی تاریخ تصنیف ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے قطعہٗ تاریخ لکھے جانے تک کیا دوسری کتاب تالیف ہو چکی تھی؟ ہوسکتا ہے کہ گلشن مہوشاں کی ابتداء ۱۸۶۷ھ میں ہوئی ہو جبکہ اختتام ۱۸۷۷ھ میں ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ درمیانی عرصے میں تصنیف و تالیف کا کام جاری رہا ہو اور دوسری کتب پر کام جاری رہا ہو۔ مگر یہ کتاب کسی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی ہو۔ اور پھر ۱۸۷۷ھ میں تقریباً دس سال بعد مکمل ہوئی ہو۔ علی ہذا قیاس۔

(۳۱) اس زمانے میں رواج عام تھا کہ ایسے پھل اور مٹھائی بنانا جو کہ دراصل نقلی ہوں مگر دیکھنے میں بالکل اصل لگتے ہوں۔ محفل کو محظوظ کرنے کے لئے پیش کئے جاتے تھے۔

(۳۲) شاہ تراب بیجاپوری نے ایک عشقیہ قصہ ''من سمھاون'' کے نام سے لکھا ہے۔ یہ ایک مرہٹی کتاب کا دکنی ترجمہ ہے۔
(مخطوطات انجمن، مرتبہ افسر صدیقی، ج چہارم، ۱۹۷۶، ص ۵۱)

(۳۳) ''دیوان اردو'' کا دوسرا نام ''گلبن مہ رخاں'' ہے۔

(۳۴) ''گلشنِ شاہدان'' کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تینوں کتابیں وقتِ واحد میں دی گئیں چنانچہ شادی کے روز دلہن کو رونمائی میں ''گلشن مہوشاں'' دینے کی بات وزن نہیں رکھتی۔

(۳۵) معلوم ہوتا کہ سخاوت مرزا نے اس مخطوطے کو بغور پڑھا ہے اسی لئے اسکے موضوعات اور ابواب کی تقسیم تک تمام ضروری تفصیلات درج کردی ہیں۔

(۳۶) ''اگر گل'' کا قصہ دکنی نثر میں بھی ہے جو کہ ۱۲۸۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتابت شدہ ہے اور ادارہ ادبیات حیدر آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔
(مخطوطات انجمن ترقی اردو، افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی رضوی، ج اول، ۱۹۶۵)

(۳۷) یعنی پہلی کتاب ''گلشن مہ رخاں''

(۳۸) یعنی دوسری کتاب ''گلشن عاشقان''

(۳۹) تیسری کتاب ''گلشن مہوشاں''

(۴۰) تحفۂ اعظم، مخطوطہ آصفیہ ومطبوعہ بمبئی جو کہ علی کوکنی نے غلام غوث خان اعظم کے نام پر مضمون کی تھی۔

(۴۱) پنجۂ آفتاب مخطوطۂ آصفیہ، جس کو کسی مدراسی شاعر نے لکھا تھا رئیس الامراء کے ایماء سے لکھا تھا۔ جس کا ماخذ قصۂ مہر وماہ، مصنفہ مظفر میں بیان کیا ہے۔

(۴۲) اس مثنوی میں عورت کی کمزوری وناتوانی، فطرت، رسم ورواج ہندوستانی ثقافت سبھی کچھ ہے۔ نیز لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اس مثنوی کی حیثیت بالکل وہی ہے جو کہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کی ہے۔ لغویت سے پاک اس قصے کے اندر بے بہا معنی پوشیدہ ہیں۔ سخاوت مرزا نے بڑی جامعیت کے ساتھ اسکے مثنوی کے حسن ومعائب بیان کئے ہیں۔

مثنوی ''اگر گل'' اور قصہ جہاں ضرب

مثنوی ''اگر گل'' اگر چہ فارسی منظوم داستان تھی۔ مگر یہ قصہ دکنی نثر میں بھی موجود ہے۔ جو کہ ۱۲۸۴ھ کا کتابت شدہ ہے اور ادارہ ادبیاتِ اردو حیدر آباد دکن کے کتب خانے میں موجود ہے۔

زیر نظر مثنوی ''اگر گل'' میں ایک عام سی داستان کو نظم کیا گیا ہے جس میں بظاہر جنوں اور پریوں کے قصے ہیں مگر حقیقتاً ان میں اخلاقی درس پوشیدہ ہے۔ یہ داستان فارسی نثر میں بھی موجود ہے۔ جسے مصنف نے دکنی زبان میں ترجمہ کیا۔ خلاصہ اسکا یہ ہے:

خاش خاش ملک کے بادشاہِ عادل کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسکے چار وزیر تھے۔ جو سب کے سب صاحب اولاد تھے۔ مایوسی کے عالم میں بادشاہ نے ترکِ دنیا کا ارادہ کیا۔ اور تخت و تاج بڑے وزیر کے حوالے کر کے فقیری اختیار کرنا چاہی۔ وزیر بہت وفادار تھا۔ اس نے کہا عالی جاہ! میرے یہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں صرف ایک لڑکی ہے۔ اس لئے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ دونوں فقیرانہ بھیس میں جا رہے تھے کہ ایک خدا رسیدہ درویش سے ملاقات ہوگئی۔ درویش نے خود بادشاہ کو خوشخبری دی کہ تیرے یہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسکا نام محمود رکھنا۔

جب وہ لوگ واپس آنے لگے تو درویش نے وزیر کو دوبارہ بلایا اور کہا کہ تیرے یہاں ایک لڑکی بھی لڑکے کے بعد پیدا ہوگی لیکن یہ بات بادشاہ کو نہ بتانا۔

بادشاہ اور وزیر دونوں کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے اور ساتھ ساتھ پرورش پا کر جوان ہوئے۔ ساتھ ساتھ شکار کے لئے جاتے۔ ایک روز لعل دیو موقع پا کر لعل شہزادے کو اٹھا کر لے گیا۔ اسی طرح ایک دن محمود بھی غائب ہو گیا۔ انجام کار بادشاہ نے وزیر کی لڑکی کو جواب پانچ برس کی ہوگئی تھی اور ''اگر'' نام تھا۔ اپنا دوسرا بیٹا ظاہر کیا اور اپنا تخت و تاج اس کے حوالے کر کے گوشہ نشینی اختیار کی۔

اسکے بعد ''اگر'' کے مردانہ لباس میں زندگی گزارنے اور ''گل'' کے ساتھ محبت ہونے کا مزید یہ کہ شادی ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(افسر صدیقی، امرہوی، سید سرفراز علی رضوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو، ج اول، ۱۹۵۶ء ص ۲۱۳)

اب اگر قصہ جہاں ضرب کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اٹیمہ نے غالباً اسی قصے کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ

کرداروں کے نام اور بنیادی پلاٹ دونوں کا ایک سا لگتا ہے۔

مگر ہندوستانی رسم و رواج، ثقافت، شرم و حیا، تہوار، کھانے وغیرہ کا ذکر اضافی ہے۔ پھر ہر جگہ اٹیمہ نے ایک سبق دینے کی کوشش کی ہے۔ جواہر شاہ، لعل دیو، لعل شاہ، جہاں ضرب مثل ''اگر گل'' کا مردانہ لباس میں زندگی گزارنا، مگر ہندوستانی کا عورت کا محبوب سے بظاہر گریز اور پھر شوہر پرستی کی انتہا یہ سب کچھ ہندوستانی ثقافت کا عکاس ہے۔

اٹیمہ کا محبوب و معشوق ایک دوسرے پر وارفتہ نہیں ہیں۔ اٹیمہ کے کردار مضبوط ہیں۔ جہاں اس کہانی میں تمدنی اور اخلاقی درس ہے وہیں جزئیات نگاری، منظر نگاری اور بزم و رزم کا ذکر بالخصوص قاری کو اپنے حصار میں لے کر کسی اور دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔

یہ ہی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اٹیمہ اس زمانے کی دوسری مروجہ زبانوں سے بھی واقف تھی۔ ہر ہر چیز کے نام جس میں کھانے، جنگی ہتھیار، بحری کشتیاں اور ان کے مخصوص نام حتیٰ کے بعض جگہ انگریزی الفاظ سے واقفیت بھی نظر آتی ہے۔

بلاشبہ اٹیمہ کی یہ کاوش اس زمانے کی خواتین کے لئے باعث فخر ہے۔

ایک گمنام شاعر خروشی معاصر ولی

از

سخاوت مرزا

خروشی، بابائے ریختہ ولی گجراتی کا معاصر معلوم ہوتا ہے۔ حالات تاریکی میں ہیں۔ معاصر ولی ہونے کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ خروشی نے گجرات کے ایک بزرگ مولانا شاہ شریف الحق گجراتی کو دیکھا تھا۔ جن کا ایک شعر میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

بجا نہیں التجا کرنا خروشی ہم سری کے تئیں
جہاں میں جو شریف الحق ہمارا پیر کہلاوے

مولانا شریف محمد شرف الحق کے متعلق مولف روضتہ الاولیاء بیجاپور بضمن حالات شاہ کریم اللہ قادری بیجاپوری اس طرح رقم طراز ہے:

''حضرت شاہ کریم اللہ قادری۔ خواہر زادہ قطب العرفان حضرت سید شاہ شریف محمد شرف الحق قادری الگجراتی قدس سرہ در عہد سلطان محمد عادل شاہ حضرت شاہ، شریف محمد بہ بیجاپور تشریف آوردند۔ بادشاہ قدوم آنحضرت راباعث برکات وآبادی شہر دانستہ خواہان اقامت آنحضرت شدو حویلی عمدہ بجہت سکونت بعرصہ قلیلہ تیار نمودہ، لکن آنحضرت قبول نکردہ، بوطن خود بگجرات مراجعت نمودند، خواہر زادہ وخلیفہ خویش کریم اللہ قادری راروانہ داشتند وشاہ کریم اللہ بکمال بزرگواری اتصاف میداشتند۔ وسلاطین وامراو فقیر واحترام ایشان می کردند بر سنہ رحلت اطلاع میسر نگردیدہ، مزار شرلفش متصل مسجد جامع سمت غرب واقع است۔ وفرزند رشید ایشان شاہ اسرار اللہ شاہ ولی اللہ عرف شاہ رجبی کہ ہر یک بزرگوار و مشاہیر عصر بودہ اندر، نزد والد ماجد خود آسودہ اند واعقاب واولاد ایشان دررایچور ونواح آن اقامت میدارند''۔

بہر حال خروشی شاہ شریف محمد شرف الحق (شریف الحق) معاصر محمد عادل شاہ ۱۰۳۷۔۱۰۶۷ ہجری کا مرید تھا، مزید تلاش میں حسن اتفاق سے ایک مجموعہ رسائل وانتخاب کلام شعراء فارسی قلمی بزمانہ، عرس خواجہ سید محمد گیسودراز قدس سرہ ہماری نظر سے گذرا، جو کتب خانہ روضتین گلبرگہ شریف میں محفوظ ہے۔

اس مجموعہ میں خروشی کا فارسی کلام بھی ہے اور اسکا کاتب تمہید میں لکھتا ہے:

''بندہ شریف رسل کہ مسمی باین اسم است در خدمت مبارک حاضر شدہ و بعد ازاں مقامات دیگر کہ سینہ بہ سینہ آمدہ اند آن را بر صفحہ، کاغذ بتواند نگاشت و موافق ارشاد آن کرامت نوشہری کبروی کشمیری کہ کلام ایشان از سر تا پا غرق در وحدت است مرقوم نمود''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خروشی کا اسم گرامی شاہ حبیب اللہ وطن نوشہرہ کشمیر تھا۔ اور طریقہ کبرویہ کے پیرو تھے۔ اور آبائی سلسلہ نقشبندیہ بتوسط جد اعلیٰ سید علی ہمدانی قدس سرہ شیخ علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہ، تک پہنچتا ہے(۱) چنانچہ ایک جگہ اس طرح اشارہ کیا ہے:

جس نے کیا ہے قائم دل میں خیال

بیچون وہ نقشبندیوں میں نقاش ہے

خفی کا حبیب مولوی غلام سرور لاھوری مئولف خزینۃ الاصفیا نے اسی نام کے ایک اور بزرگ مولانا شاہ حبیب اللہ شہری کشمیری المتوفی ۱۰۲۶ (۲) ہجری کا ذکر کیا ہے جو صاحب وجد و حال اور شاہ یعقوب علی کشمیری کے خلفاء مین سے تھے، سماع میں جب وجد و حال طاری ہو جاتا تھا تو عارفانہ اشعار کہتے تھے، صاحب دیوان تھے، نیز اپنے مرشد کے حالات میں ایک کتاب نظم و نثر میں تصنیف فرمائی تھی۔ ان کا مدفن محلہ نوشہرہ کشمیر میں ہے۔ (۳)

مگر صاحب زیر ترجمہ گو ہم نام ارو ایک ہی جگہ نوشہرہ کے رہنے والے تھے، مگر ان کا تخلص خروشی ہے اور یہ شاہ شریف الحق کے مرید تھے۔ جو بہت بعد کے بزرگ ہیں، خروشی نہ اپنی فارسی غزلیات میں بھی ایک منقبت شاہ شریف الحق کی کہی ہے۔ چند بیت یہ ہیں:

دردمندم کن دوایا حضرت شاہ شریف

دستگیرم شو مرایا حضرت شاہ شریف

کاروان عمر شد، من راہ، اگم کردہ ام

نیست جز تو رہنمایا حضرت شاہ شریف

گوید خروشی بینوا اے بادشاہ باصفا

دودہ سینہ اور اضیاء یا حضرت شاہ شریف

شاہ شریف محمد شریف الحقؒ معاصر تھے، سلطان محمد عادل شاہ بیجا پوری ۱۰۳۷ـ۱۰۶۷ ہجری اور علی عادل شاہ ثانی ۱۰۶۷ـ۱۰۸۳ ہجری کے، مگر اس زمانہ میں ولی بابائے ریختہ المتوفی ۱۱۱۹ھ کا کلام منظر عام پر نہیں آیا تھا، مگر ولی کا انتقال کافی عمر میں ہوا اور اس کا زمانہ ۱۰۶۰ـ۱۱۱۹ ہجری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ خروشی نے بھی پایا ہے۔

بلحاظ بیان شریف رسول، کا تب کلام فارسی خروشی، آپ کشمیر کے نہایت مشہور ومعروف بزرگ شیخ الشیوخ سید علی ہمدانی المتوفی ۷۸۶ ہجری کی اولاد سے تھے، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ خروشی کے آباؤ اجداد نوشہرہ کشمیر سے گجرات میں آبسے تھے، جیسا کہ نوابان سوات حضرت سید علی ہمدانی قدس سرہ کی اولاد سے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کسی جد نے گجرات میں توطن پذیری کی ہوگی۔ حضرت سید علی ہمدانی کی اولاد میں ایک اور مشہور ومعروف بزرگ، میر محمد صالح ہمدانی بھی گزرے ہیں جو ۱۰۰۵ ہجری (۴) میں بزمانہ سلطان ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۸ـ۱۰۳۷ ہجری) بیجاپور وارد ہوئے اور اپنے ہمراہ آثار مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ بیجاپور کا مشہور آثار محل آپ ہی کے دیئے ہوئے آثار مبارک کی یادر ہے، غرض خروشی کے پیر طریقت شاہ شریف الحق گجراتی (۵) کی سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ـ۱۰۶۷ ہجری) نے بڑی قدر ومنزلت کی اور آپ کے لئے ایک محل اور خانقاہ بنوائی (۶) چونکہ آپ مستغنی الطبع تھے اس لئے اس کو پسند نہیں فرمایا اور گجرات واپس چلے گئے لیکن اپنے کو اہرزادہ شاہ کریم اللہ کو بیجاپور بھیج دیا تھا، جن کی اولاد بیجاپور اور رائچور میں رہی۔ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ خروشی بھی بیجاپور آئے تھے۔ کوئی ثبوت نہیں البتہ خروشی کی سکونت احمد آباد (گجرات) میں مرشد کے پاس رہی ہے۔ اور اردو شاعری کی طرف خروشی کی توجہ ولی گجراتی اور ان کے ارشد تلامذہ ثناء اللہ ثنا گجراتی (۷) اور اشرف گجراتی (۸) کی وجہ سے رہی ہے اور خروشی نے ولی کی زمینوں میں غزلیں کہی ہیں۔ جس کا ذکر متعاقب کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا معاصر اشرف گجراتی (تقریباً ۱۱۲۶/۱۱۰۰ ہجری) بھی غالباً آپ کا معتقد تھا۔ اغلب ہے کہ یہ وہی شاہ حبیب اللہ ہوں گے جن کا ذکر اشرف گجراتی نے اپنی بعض غزلوں میں کیا ہے:

یا حبیب اللہ توں میری جان ہے
جان ودل ترے اوپر قربان ہے
ملک گجرات میں حبیب اللہ
ری فرقت نے ہم کوں مارے ہیں

خروشی کی تاریخ ولادت اور وفات کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا البتہ ان کا زمانہ عہد محمد عادل شاہ ۱۰۶۰/۱۰۳۷ ہجری تا

شہنشاہ عالم گیرو بہادر عارف کامل تھے، کہتے ہیں:

خروشی پر فدا ہیں جاں ودل سے بلبل وقمری
مگر وو گلشن توحید کا اس وقت مالی ہے

خروشی کی جملہ ۲۸ غزلیں کتب خانہ سالار جنگ بہادر کی بیاض قلمی نمبر ۱۶۱ میں محفوظ ہیں (۹) چونکہ بعض غزلیں بابائے ریختہ ولی اور اشرف گجراتی کی زمینوں میں ہیں اس لئے خروشی کے ولی کا معاصر ہونے میں شبہ نہیں ہے (۱۰) مثلاً ولی کی مشہور غزل ہے۔

ترا مکھ مشرقی، حسن انوری جلوہ جمالی ہے
نین جامی جبیں فردوسی وابرو ھلالی ہے

خروشی

صنم ان خوبرویوں میں میرا ابرو ھلالی ہے
فصاحت کے مبارک باد کا جس کا بلالی ہے
نگہ اوس غنچہ لب کے نرگس مخمور کی مج کوں
بہار عیش میں یار وشراب پرتگالی ہے
اشرف گجراتی گذر جس باغ میں ہے اس پری رو کا اے اشرف
ہر اک گل پیرہن حیرت منے جیوں نقش خالی ہے
ولی مت آئینہ کو دکھلا اپنا جمال روشن
تجھ مکھ کا آب دیکھے آئینہ آب ہوئے گا
خروشی خدا کی آگ میں جس کا جو دل بیتاب ہووے گا
نہیں وو دل طلائے خالص سیماب ہووے گا
ولی تجھ برہ کے آتش مئے دل جل کر انگار اسوا
اس کے اوپر جلنے کو جیوں جیوں عنبر سارا ہوا
خروشی اوس شمع رو کوں دیکھ کر یہ دل میرا شیدا ہوا

پروانہ ہو، قربان ہوا، پھر جل کر انگارا ہوا

ولی مستی نے محشر تلک کو نین کو بسرا ہے وو

جو تجھ نہیں کے جام سون مدھ پی کے متوالا ہوا

خروشی تجھ نرگس مخمور کو دیکھا جو زاھد نے پیا

سدھ بدھ آپس کی بھول کر مدھوش و متوالا ہوا

خروشی مشائخین کی مزاوری سے بے زار تھے

اور قلندری مشرب پسند تھا

شیخوں مشایخوں کی مل کر مزاوری دیکھ

اثبات میں کیسا ہوں شیوا قلندری کا

خروشی پنج تن کے فدائی تھے:

التجا مشکل میں وو کس سیں کرے

ہیں خروشی کو مدد جب پنج تن

شاعری میں تعلیٰ ناپسند تھی:

یوں شاعروں میں مت گن میرے سخن کوں سن کر

دعویٰ نہیں خروشی مج کوں سخنوری کا

خروشی نازک خیال شاعر تھے:

صفحہ رخسار پر ہے زلف پیو کی بس کہ لام

ہے تعجب مج کوں یارو صبح میں نکلی ہے شام

جل پتنگے نے کہا مجلس کے بیچ

شمع میں ہے گی تجلی یار کی

کئی فرہاد مر کر پھر جئے ہیں

ہمارے یار کے شیریں سخن میں

ہم یہاں خروشی کے کلام کا انتخاب پیش کرتے ہیں اس بیاض قلمی میں خروشی کے کلام کا عنوان بعض جگہ اس طرح لکھا ہے "ریختہ خروشی"، پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:

(۱) کھینچتا ہے وہ الف اوراق دل پر آہ کا
صاف کرتا ہے جسے ہر حرف لام اللہ کا

(۲) اگر وو نازنیں گلگون قبا گلشن میں جاوے گا
گریبان چاک کر گلشن میں ہر یک گل کوں آوے گا
لب دریا میں گل گون سلک مروارید ھووے گی
نزاکت سیں اگر وو لعل میرا پان کھاوے گا

☆☆☆

(۳) تجلی اوس کی یارو عاشقون میں جس اوپر ہو گی
کہیں خورشید ہووے گا کہیں مہتاب ہووے گا
نگہ تجھ چشم گل گون کی پڑے گی جس غریب اوپر
کہیں نرگس گلستاں میں کہیں وو آب ہووے گا
تری کیفیت مستی جسے معلوم ہووے گی
کہیں ساقی وو ھووے گا کہیں مے ناب ہووے گا
خروشی بحر وحدت کا شناور جو ہے عالم میں
وو ہی دل گوہر مقصود کا ارباب ہووے گا

☆☆☆

(۴) کہوں میں جا کسے احوال اپنے دل دیوانے کا
کیا ہے فکر اوس دلبر نے میرے دل چرانے کا

☆☆☆

(۵) جو دل کی آرسی کوں اپنی صفا کرے گا

اغیار سے گذر کر ذکرِ خدا کرے گا

(۶) جو بندگی میں دل سیں ہے مرتضٰی علی کا

ہے ذکر اوس کوں ہر دم یارو خفی جلی کا

☆☆☆

(۷) اوس شمع رو کوں دیکھ کر یہ دل مرا شیدا ہوا

پروانہ ہو قرباں ہوا پھر جل کر انگارا ہوا

☆☆☆

(۸) طاقت کسے ہے شوخ ترے مکھ کی تاب کا

سینا جلا ہے جس کے سبب آفتاب کا

☆☆☆

تعریف گلستان میں ترے غنچہ لب کی سن

شبنم صفت ہوا ہے جگر گل گلاب کا

☆☆☆

(۹) عاشقوں کون ہے دعا ہر دم حبیب

کر قبول اس کوں کرم میں یا حبیب

ہے تعجب راز سیں معشوق کے

جو ہوا محرم کٹی ہے اوس کی جیب

ھاتف غیبی نے یوں مجھ میں کہا

ہے ولایت اب خروشی کی نصیب

☆☆☆

(۱۰) جان من چہرہ سیں یک سو کر نقاب
بے حجابی سوں دیکھا مجھ آفتاب
ساقی مجلس ہو میرا اے پیا
درس اپنے کی پیلا مج کوں شراب

☆☆☆

(۱۱) گلی تیرے کے ساکن کوں کہو جنت میں کیا نسبت
ملی ہو خاک جس تن نے اوسے کسوت میں کیا نسبت
یزید نفس نے جس کی امام روح کوں مارا
جہاں میں لعنتی ہے وو اوسے رحمت سیں کیا نسبت
خروشی دین و ایماں کوں فدا کر یار پر اپنے
جو ہے مشتاق دل بر کا اوسے ملت سیں کیا نسبت

☆☆☆

(۱۲) پری رو جا شتابی میں خبر لے اوس دیوانے کی
کہ پٹکا سر کوں ہور چیرا انہیں حاجت بنانے کی
کرے گا عاشقوں کوں قتل ہور لعلوں کوں بے قیمت
مجھے معلوم ہوتی ہے طرح اس پان کھانے کی
ولی تو اس زلفاں کے حلقے سوں اگر دریا پہ چل جاوے
عجب نیں اے پری پیکر اگر گرداب بل جاوے (الخ)

☆☆☆

(۱۳) اگر خورشید رو میرا نیاز ابرو کوں دکھلاوے
ھلال آسمان اس غم سیں خم کھا کر نکل جاوے
فنا ہو کر بقا ہونا یہی ہے کام عاشق کا

سنو قطرے کا یارو کام ہے دریا میں مل جاوے

بجا نہیں التجا کرنا خروشی ہمسری کیتین

جہاں میں جو شریف الحق ہمارا پیر کہلاوے

(۱۴) اوس ہلال ابرو میں یاور آج ہوں میں ہم کلام

عاشقوں کو ہے مبارک با امیری ہو سلام

طوطیا ہے دیدۂ بینائی ہر معشوق کا

عشق کی آتش میں جو جل کر ہے خاکستر تمام

عشق میں معشوق کے جس نے خروشی سر دیا

عاشقوں کی فوج کا ہے وو قیامت میں امام

☆☆☆

(۱۵) عنوان ریختہ خروشی:

صفحہ رخسار پر ہے زلف پیو کی بس کہ لام

ہے تعجب مجکوں یاور صبح میں نکلی ہے شام

کس کو طاقت جو لکھے تعریف تیرے حسن کی

ہیں ہزاروں جس کے آگیں یوسف مصری غلام

عاشقوں تیں لن ترانی ورد جاں ہے موسیا

طور ادل پر تہیں جا کر دیکھا ارنی کا کلام

سجدہ گاہ پاک بازاں ہے ترے ابرو کا خم

عارفوں کوں واں صلوٰۃ عشق لازم ہے مدام

کفر ہور اسلام کے جو راز میں محرم ہوا

ہے خروشی ٹیک صرف اوس کوں سلام اور رام رام

☆☆☆

(۱۶) ہے سخن تیرا عجب شیریں سخن

سرو قد، نرگس نین، گل پیرہن

مجلس خوبوں میں یاروں میں کہوں

ہے ہمارا یار شمع انجمن

جس نے دیکھا ہے اوسے بے ہوش ہے

حسن کے جادو میں وو رکھتا ہے فن

عشق میں اوس کے گریباں چاک کر

دیکھ عاشق ہو گئے ہیں بے وطن

التجا مشکل میں وو کس سے میں کرے

ہیں خروشی کوں مدد جب پنج تن

☆☆☆

(۱۷) خروشی (۷ بیت):

قلم سے آہ کے املا ہوا ہوں

حروف درد میں پیدا ہوا ہوں

جمال بے مثال اپنے کے خاطر

کہیں ارواح، کہیں اسما ہوا ہوں

تجلی سیں میں اپنی ذات کے دیکھ

کہیں وامق، کہیں عذرا ہوا ہوں

کہیں گلزار میں جا، گل کہایا

کہیں میں بلبل شیدا ہوا ہوں

کہیں میں ہوں خروشی بندہ عشق

کہیں میں راہ برا پنا ہوا ہوں

☆☆☆

(۱۸)ولہ:

ہے تجھے گر آرزو گل زار کی
سیر کر اپنے گل رخسار کی

جل پتنگے نے کہا مجلس کے بیچ
شمع میں ہے گی تجلی یار کی

وہ خروشی چشم وا کیوں کر کرے
ہے خبر جس یار کے اسرار کی

☆☆☆

(۱۹) صبا جا کر کہو اوس گل بدن سیں
نگار سرو قد نرگس نین سیں

جینا تیرے سیں عاشق ہو کے بیتاب
چلے ہیں بے خبر اپنے وطن سیں

بعلم زرگری مشکل ہے ملنا
بنی موئے میان سیم تن سیں

کئی فرہاد مر کر پھر جئے ہیں
ہمارے یار کے شیریں سخن سیں

میرے گل کی سواری کی خبر سن
گلاں سارے چلے ہیں گے چمن سیں

نہیں ہونے کا کس سیں ملتجی وو
خروشی جور جوع ہے بیج تن سیں

☆☆☆

(۲۰) ولہ:

ہر دم خیال ہے گا مجھ دل میں اوس پری کا
کونین ہے دیوانا جس کی فسوں گری کا
شیخوں مشایخوں کی مل کر مزوری دیکھ
ابیات میں کیا ہوں شیوا قلندری کا
جس نے خیال دل سیں حرص وہوا کا دھویا
ہے شاہ دو جہاں میں خشکی وھرتری کا
یوں شاعروں میں مت گن میرے سخن کوں سن کر
دعوئی نہیں خروشی مج کو سخن وری کا

☆☆☆

(۲۱) ولہ:

دادخواہ اوس غنچہ لب کے ہجر سین ہوتا ہے گل
چاک کر اپنا گریباں آبرو کھوتا ہے گل
ہو جدا اوس نازنیں گل گوں بتاں کے عشق میں
باغ سیں بازار میں پھرتا ہے گل روتا ہے گل
نہیں ہے شبنم چشم گل پر گل بدن کے واسطے
اشک غربت سوں جگر کے داغ کوں دھوتا ہے گل
کہ صبا گل رو کی خاطر گل کوں جا میرا پیام
قید میں کیوں گل فروشوں کے عبث ہوتا ہے گل
اے خروشی گرچہ بلبل عاشق گل گوں کوں دیکھ
واسطے گل رو کے میرے جان کوں دیتا ہے گل

☆☆☆

(۲۲) ولہ:

صنم ان خوب رویوں میں میرا ابرو ھلالی ہے
فصاحت کے مبارک باد کا جس کا ہلالی ہے
نگہ اوس غنچہ لب کے نرگس مخمور کی مج کوں
بہار عیش میں یار و شراب پرتگالی ہے
میرے دل نیم بسمل کوں نگر توں عیب اے زاہد
تڑپتا ہے اگر وو یار کی مجلس کا حالی ہے
محبت جس دل بے کیف میں نیں یار کی یارو
فنا ہووے تو نہیں کچھ غم کہ وو مینا سے خالی ہے
خروشی پر فدا ہیں جان و دل میں بلبل و قمری
مگر وو گلشن توحید کا اس وقت مالی ہے

☆☆☆

(۲۳) ولہ:

میر چمن کوں جب وو گل پیرہن اوٹھیں گے
گلشن میں بلبلاں سب ہو بے وطن اوٹھیں گے
شیریں لباں کے تیرے جو مر گئے ہیں پیاسے
تیشے کوں مار سر پر جوں کوہ کن اوٹھیں گے
اے دلبر ستم کو کہو کیا جواب دے گا
محشر میں عاشقاں جب خونی کفن اوٹھیں گے

☆☆☆

(۲۴)ولہ:

یار میرا اگرچہ وداغیار ہے
عاشقوں کا رونق بازار ہے
نقطۂ تل چہرہ معشوق پر
جس نے دیکھا محرم اسرار ہے

☆☆☆

(۲۵)ولہ:

صنم کے واسطے اپنے برھمن ہو کر آیا ہوں
خدائی کوں اپس کے چھوڑ کر بندا کہایا ہوں

☆☆☆

(۲۶)ولہ:

کہیں گلشن، کہیں بلبل، کہیں شیدا کہایا ہوں
کہیں ساقی، کہیں مطرب، کہیں مینا کہایا ہوں

☆☆☆

(۲۷)ولہ:

اوس صندلی قبانے دل کوں میرے لیا ہے
تب درد سر کی میرے یار ودوا کہا ہے
دریائے عشق میں جو ڈوبا ہے شوق دل سیں
اصلا نہ وہ مرے گا حق اوس کا مر جیا ہے

☆☆☆

(۲۸)ولہ:

جام وحدت میں تمہارے یا علی

جن نے پایا چاشنی ہے وو ولی

دل کے میرے حیدری نعرے سیں دیکھ

منکروں کے دل میں پڑ گئی کھلبلی

نہیں خروشی کے مقابل کس کوں تاب

شعر کہنے بیچ وہ ہے بس بلی

☆☆☆

"خروشی کا فارسی کلام"

ایک بیاض مشمولہ مجموعہ رسائل نمبر ۴۲ کتب خانہ روضتین گل برگہ شریف میں محفوظ ہے (۱۱) اس میں مولانا مغربی اور ابن یمین کا کلام بھی ہے۔ اور اس بیاض کا سنہ کتابت سنہ سویم احمد شاہ گبادشاہ دہلی مطابق ۱۱۶۳ ہجری ہے۔ ۳۲ صفحات متوسط تقطیع پر پھیلا ہوا ہے۔ بوجہ قلت وقت بعض اشعار نوٹ کئے گئے تھے جو یہ ہیں:

خروشی (۱):

از طپش ہائے دل خود سوختم این خانہ را

چند ناصح می شوی واعظ من مستانہ را

گرچہ ہستی عاشق شمع رخش، خودرا بسوز

نیست پروانے اجل از آتش پروانہ را

عاشق زناردارم ے پرستم شاہدم

درمیان نار سوزم سبحہ صد دانہ را

مومن و کافر شما از صحبت ما بگذرید

ورنہ سوزم در زماں ایں کعبہ و بت خانہ را

ملحدم من بت پرستم، بت شکن ہم نام من

کے شود حائل از یں گفتن کے دیوانہ را

در لباس خودنمائی تا بکے غرہ شوی

گر خدا خواہد تو زاہد دور کن بے گانہ را

شوفنا از خود خروشی گر تو خواہی حق شریف

چونکہ من از خود گزشتم یافتم جانانہ را

☆☆☆

(۲) ولہ:

دلبر عیار من زود بیاز و د بیا

مونس و غم خوار من زود بیاز و د بیا

جان مرا کن خلاص از غم ہجراں خود

مشکل بر کار من زود بیاز و د بیا

☆☆☆

(۳) ولہ:

اے خروشی مگو سخن ہرگز

ما دریں فن حریف و عیاریم

☆☆☆

(۴) ولہ:

در دل تاریک خود چوں آں صفا را یافتیم

درمیان صورت آدم خدا را یافتیم

اے خروشی لا بشو تا زود تر الا شوی

ہم تماشائے فنا و ھم بقا را یافتیم

☆☆☆

(۵) ولہ:

گاں من در مسجد و من گاہ در مے خانہ ام
زاہدا ناصح مشوزاں رو کہ من مستانہ ام

☆☆☆

(۶) ولہ:

نیم شب آخر شب بود کہ بیدار شدیم
عاشق بستہ دھاں لب آن یار شدیم

☆☆☆

(۷) ولہ:

از کردۂ خود یار شو غافل مشو غافل مشو
با عشق او دمساز شو غافل مشو غافل مشو

☆☆☆

(۱۹) ولہ:

آموز ہر دم ایں ھنر خاموش شو گویا مشو
آمد چنین اندر خبر خاموش شو گویا مشو

☆☆☆

(۲۰) ولہ:

یا نور شو یا نار شو آزاد شو آزاد شو
یا گل بشو یا خار شو آزاد شو آزاد شو

☆☆☆

(۲۰) ولہ:

اے شہے نازنین من در برمن بیابیا
جان مرا ببر زتن در برمن بیابیا
چوں تو زمن جدا شدی مجلس دل خراب شد
رونق زیب انجمن در برمن بیابیا

☆☆☆

(۲۱) ولہ:

دردمندم کن دوایا حضرت شاہ شریف
دست گیرم شو مرا یا حضرت شاہ شریف

☆☆☆

حواشی وتعلیقات

(۱) مدنی، ظہیر الدین، سخاوت مرزا، ''علی گڑھ تاریخ اردو'' ستمبر ۱۱۵۸ھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

(۲) یہ وہ بزرگ نہیں ہیں۔ اگر چہ ان کا نام اور شہر تولد ملتا جلتا ہے مگر زمانے کا فرق ہے۔ خرد شی کا زمانہ ۱۰۶۰ھ تا ۱۱۱۹ھ ہے۔

(۳) ''خزینۃ الاصفیا'' ج دوم، مطبوعہ، ص ۳۴۴۔

(۴) ۱۵۹۶عیسوی میں۔

(۵) شریف الحق قادری کے نام سے مشہور تھے۔

(۶) مدنی، ظہیر الدین، سخاوت مرزا، ''علی گڑھ تاریخ ادب اردو'' چھٹا باب، ص، ۴۶۰۔

☆ پروفیسر سیدہ جعفر، پروفیسر گیان چند، ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک''، ۱۹۹۸ ج چہارم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی۔

(۷) ان کا نام شیخ ثناء اللہ گجراتی اور تخلص ثناء تھا۔ وطن احمد آباد گجرات تھا۔ ولی کے شاگرد تھے احمد آباد کے شیخ زادے تھے، ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل حضرت شیخ نور الدین حسین صدیقی سہروردی (۱۶۵۳ء۔۱۰۶۴ھ) سے کی۔ انہوں نے محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء کے زمانے میں کسی معرکے میں زخمی ہو کر شہادت پائی۔ تاریخ ولادت ووفات معلوم نہیں ہو سکا۔

(۸) اشرف گجراتی حضرت امام موسیٰؑ کے اولاد میں سے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد کا وطن مدینہ منورہ تھا۔ وہ اپنے زمانے کے استادِ فن مانے جاتے تھے۔ اشرف کی مثنوی ''جنگ نامہ حیدر'' ۱۷۱۳ء۔۱۱۲۵ھ کی تصنیف ہے۔ مثنوی کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بہادر شاہ فرخ اور محمد شاہ کا زمانہ دیکھا ہے۔ اس نے طویل عمر پائی تھی۔ وہ ایک پر گو شاعر تھا۔ مگر بنیادی طور پر وہ غزل کا شاعر تھا۔ اس کے مرثیے بھی غزل کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ جبکہ دوسری اصناف سخن میں بھی اس کی انفرادیت نمایاں ہے۔ اس کے کلام میں ف فارسی اثرات کا غلبہ ہے جبکہ مقامی اثرات کم ہیں۔ غریب الفاظ بھی جا بجا ملتے ہیں۔

(رئیس فاطمہ، حکیم، ''محمد سخاوت مرزا، دکنی ادب کا ایک معتبر محقق'' ۲۰۰۶ حیدر آباد دکن، ص ۱۷۹)۔

(۹) کتب خانہ سالار جنگ کے "مجموعہ غزلیات" میں خروشی کی غزلیں محفوظ ہیں۔

(۱۰) نصیرالدین ہاشمی نے کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست میں (خروشی کی غزلوں کا) سن تصنیف تحریر نہیں کیا ہے۔

(نصیرالدین ہاشمی، وضاحتی فہرست، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۴۸۳)

(۱۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند" میں ایک اور بیاض کا ذکر ہے جس میں خروشی کا فارسی کلام موجود ہے، اور یہ بیاض کتب خانہ روضتین گلبرگہ کا مخزونہ ہے۔

(سخاوت مرزا، مشفق خواجہ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، چھٹی جلد دسواں باب، ص ۳۔۵)

برہان العاشقین

خواجہ گیسودراز

خواجہ سید محمد حسینی گیسودراز الملقب بہ خواجہ بندہ نواز (۱) بحیثیت عالم ظاہری و باطنی زبردست شخصیت کے حامل تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''سید محمد بن یوسف الحسینی الدھولی خلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی است۔ جامع است میان سیادت و علم ولایات، شانے رفیع رتبے وکلام عالی دارد۔ میان چشت طریقے مخصوص است'' (اخبار الاخیار)

آپ کے جد اعلیٰ مولانا ابوالحسن جندی (۲) ہرات سے بزمانہ آخری سلاطین غزنوی ہند ہندوستان تشریف لائے اور ایک معرکہ میں شہید ہوئے۔ قدیم دہلی میں متصل مسجد انار آپ کا مزار ہے۔ آپ کے والد سید یوسف المتخلص بہ راجہ المعروف بہ راجو قتال خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید اور شاہ برہان الدین غریب کے معاصر تھے۔ (۳) محمد تغلق کے دور حکومت میں بوجہ تبدل پائے تخت دیگر مشاہیر صوفیاء کے ساتھ دولت آباد تشریف لائے اور یہیں ۷۳۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ خلد آباد (دکن) میں آپ کا مزار ہے۔ مولانا میں سید علاؤ الدین امیر میراں آپ کے جد مادری اور ماموں سید ابراہیم ملک الامراء دولت آباد کے صوبیدار تھے۔ حضرت خواجہ ۷۲۱ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے (۴) اور والد ماجد کے ہمراہ ۷۲۹ھ میں نو سال کی عمر میں دولت آباد آئے۔ والد کی وفات کے بعد ۷۳۶ھ میں دہلی گئے ۱۲ اور ۱۵ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (۵) (۶) سے بیعت ہوئے۔ علوم ظاہری کی تحصیل مولانا قاضی عبدالمقتدر کندی اور شیخ تاج الدین سے کی۔ ۷۵۷ھ میں قبل وصال حضرت ممدوح خلافت سے ممتاز ہوئے اور تقریباً چالیس سال تک دہلی میں رشد و ہدایت خلایق میں مصروف رہے اور وہیں چوالیس (۷) سال کی عمر میں مولانا سید احمد ابن جمال الدین مغربی کی صاحبزادی سے عقد کیا۔ امیر تیمور کی تاخت (۸) کی وجہ سے ۸۰۱ھ میں معہ متعلقین دہلی کو خیر باد کہا اور گوالیار بڑودہ، چندیری، کھمبایت اور دولت آباد کی سیاحت کرتے ہوئے ۸۰۳ھ میں بایماً سلطان فیروز بہمنی گلبرگہ تشریف لائے۔ سلطان نے آپ کا شاندار

استقبال کیا۔تقریباً بائیس سال قیام کے بعد ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ واصل بحق ہوئے۔ ''مخدوم دین ودنیا'' مادہ، تاریخ وصال ہے۔(۹)۔آپ کا مزار گلبرگہ میں ہے۔جس کو سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے جو آپ کا مرید تھا،تعمیر کرایا تھا۔آپ کے پوتے سید شاہ سفیر اللہ ابن سید اکبر حسینی باوجود کمالات باطنی سلطان احمد شاہ بہمنی کے سالار افواج تھے اور سید شاہ حسین المعروف بہ حسین شاہ ولی بڑے عارف باللہ تھے جن کو رفاہ عام کے کاموں سے خاص دلچسپی تھی۔شاہ حسین سلطان ابراہیم قطب شاہ کے داماد تھے۔آپ کا تعمیر کردہ تالاب ''حسین ساگر'' حیدرآباد میں مشہور ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کثیر التصانیف تھے(۱۰)۔آپ کی تقریباً تینتالیس تصانیف اب تک منظر عام پر آچکی ہیں۔ اپنی تصانیف کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں:

''ھر کس کہ دراں حضرت سلوک کرد بہ چیزے مخصوص شد ۔
مابہ سخن مخصوصیم ۔خدائے مارا دولت بیان اسرار خویش داد''

آپ نے تصوف وکلام وعقاید کی مستند کتب کی شرحیں اور ترجمے فرمائے جن میں معارف العوارف شرح عوارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی، شرح تعرف مصنفہ امام قشیری، شرح آداب المریدین مصنفہ عبدالقادر سہروردی، شرح تمہیدات ہمدانی مصنفہ عین القضاۃ ہمدانی، شرح فقہ اکبر فارسی وعربی مصنفہ حضرات امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہ ہیں۔آپ کی خاص تصنیفات میں استقامت الشریعت بطریق الحقیقت، عشق نامہ موسوم بہ حضایر القدس، یازدہ رسایل تصوف، مجموعہ مکتوبات وملفوظات وغیرہ ہیں۔سب سے اہم تصنیف ''اسمار الاسرار'' ہے۔جس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث تحریر فرماتے ہیں کہ ''حقایق ومعارف بزبان رمز وایماء الفاظ واشارات بیان کردہ''۔قدیم اردو میں بعض رسائل مثلاً معراج العاشقین جس کو بابائے اردو مرحوم نے شایع فرمایا تھا۔نیز شکار نامہ (چیستان راز) فارسی کا دکنی ترجمہ وشرح بھی آپ سے منسوب ہے جو میسور اور حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔شکار نامہ (۱۱) فارسی الموسوم بہ برھان العاشقین ایک ''چستان راز'' ہے جو بطور رمز وایماء ایک مختصر دو صفحہ کا رسالہ ہے مگر علم تصوف کلام وعقاید اور فلسفہ کا نچوڑ ہے۔عبدالواحد بلگرامی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''سخنہائے اہل تحقیق ہر چند ھزل ومزاح واقع شود بیہودہ نیست۔۔۔۔از مصلحتے ومنفعتے خالی نیست''۔

اس چیستان راز کا متن اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة اللمتقین والصلوٰة والسلام علی رسوله و اله اجمعین قوله تعالیٰ و تلک الامثال نضر بها للناس لعلهم یتفکرون.

برانکہ ماچہار برادر بودیم از ندیہہ، سہ جامہ نداشتند و یکے برہنہ بود۔

آن بردار برہنہ در ستے زر درآستین داشت، بباز اررفتیم تا بجہت شکار تیر وکمان بخریم۔قضارسید، ہر چہار کشتہ شدیم، بست و چہار زندہ برخاستیم، آنگاہ چہار کمان دیدیم، سہ شکستہ و ناقص بودند، یکے دو خانہ و دو گوشہ نداشت، آن برادر زردار برہنہ آن کمان بے خانہ و بے گوشہ بخرید، تیرے می بایست۔ چہار تیر دیدیم، سہ شکستہ بودند و یکے پروپیکاں نداشت۔ آن تیرے بے پروپیکاں را بخریدیم وبطلب صید بصحرا شدیم۔ چہار آھودیم، سہ مردہ بودند و یکے جان نداشت۔آن برادر زردار برہنہ کمان کش نیر انداز، ازں کمان بے خانہ و بے گوشہ آن تیرے بے پرو پیکان را برآن آھوئے بے جان زد۔ کمندے می بایست، صید رابفتراک بندیم۔ چہار کمند دیدیم، سہ پارہ پارہ و یکے دو کرانہ ومیانہ نداشت۔صید رابدان کمند بے کرانہ و بے میانہ برمیان بستیم خانہ می بایست کہ مقام کنیم وصید راپختہ سازیم۔ چہار خانہ دیدیم، سہ درہم افتادہ بودند و یکے سقف و دیوار نداشت۔ درآن خانہ بے سقف و بے دیوار درآمدیم۔ دیگے دیدیم برطاق بلند کہ ہیچ حیلہ دست نمی رسید۔ مغاکے چہار گز زیر پائے کندیدیم کہ دست بہ آن دیگ رسید۔ چوں شکار پختہ شد، شخصے از بالائے خانہ فرودآمد کہ بخش من بدھید کہ نصیبے مفروض دارم۔ برادر کامل و مکمل درکمین نشستہ بود۔ استخوان شکار را از دیگ برآورد و برتاک سروے زد۔ درختے بجند ے از پاشنہ پائے او بیرون آمد، برسر آن درخت زرد آلو رفتیم، خربزہ کاشتہ بودند، بفلاخن آب می دادند۔ ازاں درخت بازنجان فرودآوردیم وقلیلہ زرد کے ساختیم و بااہل دنیا گزاشتیم۔ چنداں خوروند کہ آماس شدند، و پنداشتند کہ فربہ شدند، بدر خانہ نتوانستند رفت و درنجاست خود ماندند و ما بہ آسانی از کیدآن خانہ بیروں شدیم، و بردر خانہ بخفتیم و بہ سفر روانہ شدیم۔ والوالالباب تعرف ایں حالات را باز نمایند۔

''اردو ترجمہ''

قصہ یہ ہے کہ ہم چار بھائی تھے (علیحدہ علیحدہ) نو گاؤں کے۔ ان میں سے تین کے پاس لباس موجود نہ تھا اور ایک بالکل برہنہ تھا۔ مگر اس برہنہ بھائی کی آستین میں یعنی ہاتھ میں کچھ زرنقد موجود تھا۔ ہم چاروں مل کر بازار گئے تا کہ شکار کھیلنے کے لئے تیروکمان خرید لائیں۔ سو اتفاق کہ موت کا وقت آن پہنچا اور ہم چاروں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، مگر طرفہ یہ کہ (بجائے چار کے) چوبیس زندہ اٹھ بیٹھے۔ اس وقت ہم کو چار کمانیں نظر پڑھیں، جن میں تین تو ٹوٹی ہوئی ناقص تھیں، اور

ایک میں تو دونو چلے اور گوشے ہی نہ تھے۔اس زردار برہنہ بھائی نے اس بے خانہ اور بے گوشہ کمان کو خرید لیا۔اب تیر کی ضرورت تھی، چار تیر نظر پڑے۔تین ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک تیر بے پرو پیکاں تھا۔غرض ہم نے اس بے پرو پیکاں تیر کو خرید لیا اور شکار کے لئے جنگل روانہ ہوئے۔چار ہرن دکھائی دیئے، تین تو مردہ تھے اور ایک بے جان تھا۔اس زردار برہنہ بھائی نے جو کماندار اور تیرانداز تھا اس بے خانہ اور بے گوشہ کمان سے اس بے جان ہرن کو مار ڈالا۔اب ایک کمند کی ضرورت تھی تا کہ اوس شکار کو باندھ لیں۔اتنے میں ہم کو چار کمندیں مل گئیں، جن میں تین تو ٹکڑے ٹکڑے تھیں اور ایک تو ایسی تھی جس میں کوئی انی تھی اور نہ میانہ تھا۔ہم نے اوس شکار کو اس بے انی اور بے میانہ کمند میں باندھ لیا۔ہم کو ایک مکان کی ضرورت تھی تا کہ شکار کو پکائیں۔ہم نے چار مکان دیکھے جن میں تین تو گرے پڑتے تھے اور ایک میں نہ تو دیواریں تھیں اور نہ چھت۔خیر ہم اس بے درو دیوار اور بے چھت کے مکان میں داخل ہوئے۔دیکھا کہ ایک ایسے بلند طاق پر ایک دیگ رکھی ہوئی ہے کہ کسی طرح وہاں تک ہاتھ پہنچ ہی نہیں سکتا۔تو ہم نے اس کے نچلے حصے میں ایک پانچ گز کا گڑھا کھود ڈالا، تو وہاں سے ہمارا ہاتھ دیگ تک پہنچ گیا۔جب شکار اس دیگ میں پک کر تیار ہو گیا تو اوس گھر کے اوپر سے ایک شخص نیچے اتر آیا اور کہنے لگا کہ ہمارا مقررہ حصہ دے دو، کیونکہ وہ تو میری قسمت کا ہے۔ایک بھائی بڑا کامل و اکمل جو تاک میں بیٹھا ہوا تھا، اوس نے دیگ سے شکار کی ہڈی نکالی اور اس کے سر پر دے ماری۔اس شخص کے پاؤں کی ایڑی سے ایک سنجد (خوبانی) کا درخت پیدا ہو گیا۔ہم اس خوبانی کے درخت پر چڑھ گئے تو دیکھا کہ وہاں ایک خربوزہ کی بیل لگی ہوئی ہے اور اس کو گوپھن سے پانی پہنچا رہے ہیں۔ہم اس بازنجان کے درخت سے اتر آئے اور زردک یعنی گاجر کا قلیہ پکا ڈالا اور اس کو دنیا داروں کے نذر کر دیا۔انہوں نے اس کو مزے لے لے کر اتنا بے حلق ہو کر کھایا کہ تمام جسم پر سوجن چڑھ گئی اور وہ یہ سمجھے کہ ہم خوب موٹے ہو گئے ہیں، اور اتنے موٹے کہ گھر سے باہر نکلنا بھی دشوار ہو گیا، اور وہ اس نجاست میں پھنس کر رہ گئے، اور ہم اس پر فریب مکان سے باسانی نکل آئے اور اپنے گھر کے دروازہ پر سو رہے۔جب آنکھ کھلی تو اپنے (اصلی) سفر عقبی پر روانہ ہو گئے۔

دانشمند اصحاب اس کتھی کو سلجھائیں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

(۲)

بعض محقق صوفیائے علماء نے اس چستان راز کی شرحیں لکھی ہیں جن میں شیخ حسن محمد چشتی گجراتی (متوفی ۹۸۲ھ)، عبدالواحد بلگرامی (م ۱۰۱۷ھ) مولانا سید محمد کالپوی ابوالعلائی (م ۱۰۷۱ھ) اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) قابل

ذکر ہیں۔ سب سے آخری شرح علامہ قاسم علی بیگ اخگر حیدر آبادی (مولفہ ۱۳۶۰ھ) کی ہے۔ یہاں پر اسی شرح سے تشریحی اقتباسات ترجمہ کر کے پیش ناظرین ہیں۔ اخگر حیدر آبادی (۱۹۴۴ء-۱۹۷۰) بہت بڑے عالم، فارسی وعربی کے منتہی تھے۔ علم کلام، تصوف، منطق وفلسفہ، اشراق، علم جفر وتکسیر اور طبیعیات میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف پچھتر سے زاید ہیں۔ آپ کی ضخیم تصانیف میں (۱) شرح ھیاکل النور مصنفہ شیخ الاشراق دو جلد (۲) غایت الفتوح فی حقیقت الروح ایک جلد (۳) الاصول العامہ فی الامور العامہ اردو دو جلد (۴) شوارق البوارق شرح قصیدہ بوعلی سینا ایک جلد (۵) الرسالۃ الاولیٰ فی الوجود ایک جلد (۶) قسطاس القیاس اور معالم العوام (علم کلام اردو) دو جلد (۷) کتاب النفس (فارسی) (۸) حمایت المنطق دو جلد (۹) مصباح الظہور (جو آیت نور کی تشریح اور شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول، شیخ ابن عربی اور مجدد الف ثانی کے نظریوں پر مشتمل ہے) ایک جلد (۱۰) کشفا الجفر دو جلد (۱۱) دو اوین فارسی چار جلد (۱۲) مثنوی چندر بدن مہیار (فارسی) وغیرہ ہیں۔ قصاید فارسی اور بعض مختصر رسالے طبع ہو چکے ہیں، بقیہ قلمی مسودے بخط مصنف ان کے صاحبزادے مرزا عابد بیگ عابد کے پاس، حیدر آباد دکن میں، محفوظ ہیں جو بوجہ مالی مشکلات طبع نہ ہو سکے۔

شرح برھان العاشقین فارسی (شکار نامہ) چیستان راز، یازدہ رسایل حضرت خواجہ گیسودراز کے ساتھ مولوی حافظ عطا حسین انجینئر حیدر آباد دکن نے شائع کردی ہے جس کے اقتباسات اور تراجم درج ذیل ہیں۔

رسالہ شکار نامہ (چستان راز)، مصنفہ ولی کامل محقق صوفی، قطب الاقطاب خواجہ بندہ نواز، سید محمد گیسو دراز حسینی قدس سرہ العزیز۔

> ابن تمام رسالہ مملوست باستعارات دقیقہ وکنایات عمیقہ واشارات انیقہ وعبارات رشیقہ کہ جودت ذہن ہر منتہی چوں مبتدی بدقیق معانی او نارساست وتجسسات فکریہ تحقیق مطالب او بے دست وپاست، اگرچہ بعضے از صاحبان طبع سلیم و مستعدان عقل مستقیم در شرح آن کوشیدہ اند چناں کہ کوشیدہ اند اما جرعہ از جام حقیقت ان نوشیدہ اند۔ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ درین رسالہ فیض استحالہ حقیقت احدیت واجب الوجود را بطریق تنزلات تا بمرتبہ تہور بصورت ہائے بوقلمون بطور چیستان بیان فرمودہ۔
>
> دریا موج گونا گوں برآمد
>
> از بیچونی برنگ ون برآمد

ودر آخر رسالہ نوشتہ کہ ارباب حقیقت واولوالباب معرفت سر این خیالات باز نمایند۔ برانکہ وجود من حیث ھو ھو عام

است از ذھنی وخارجی وخاص وعام ومطلق ومقید بلکہ این جمیع مراتب وجودست۔ امابشرط لایکون معہ شیئا مرتبہ احدیث است ومقام جمع الجمع وبشرط جمیع کمالاتش کہ لازمہ اوست واحدیث درمقام جمع است۔ واز مرتبہ لابشرط لاشئی مرتبہ ھویت است کہ تجلی کردہ درمرایائے عالم تفصیلا ودوآئینہ جامعہ انسانیہ اجمالاً۔ ع

لقد صار قلبی قابلا کل صورہ

فمرعی لغزلان ودیرألرھبان

وھراسمے از اسمائے الھیہ اوراصورتے ست معتویہ درعلم کہ حکماء آنرا ماھیت خوانند وعرفا عین ثابتہ گویند۔ بدانکہ انیت اسمادرحروف انیت حروف درانفاس وانیت انفاس درارواح وانیت قلوب درمقلب القلوب است۔ رباعی لراقمہ۔

درکالبد خاک بین ماچونیم

چوں نے بہ قرآنہائے گوناگونیم

نقشے کہ بلوح دل ماپرسازست

یک نغمہ رازایں گراما فونیم

بدانکہ جلیس متفکر نفس است، وجلیس ذاکرخود حق تعالیٰ است ''فاذکرونی اذکرکم۔'' ذکر فتیجہ معرفت ومحبت است و مقدمہ وصول الی اللہ وفکر مقدمہ توبہ است فافھم ولاتغفل۔

بعدحمد وصلوٰۃ خواجہ فرماید بدانکہ ''ماچہار برادر بودیم''۔ مراداز''ما'' ذات احدیت جمع است، واین عبارت است از ظھورحق بطریق جامعیت، زیراکہ درمرتبہ احدیت من حیث الذات جمیع اسماء وصفات متحد بالذات باشند، واحدیت محضہ بےتعین اسماء وصفات بود وگفتہ اند کہ تعین اول عبارتست ازتعین اسم اللہ من حیث الوجود العلمی، وھراسمے ازحیثیت این مرتبہ جامع بود برجمیع اسماء وصفات۔ واللہ عبارتست ازذات مستجمع جمع صفات کمالیہ، واحدیۃ ذات من حیث الفردانیت بدووجہ بود، یکے غیب الذات کہ معنی اوحقیقت کہ درغیب الحق بود ودیگرمرتبہ، اسمائے ذات ست کہ من حیث الوحدت الحقیقۃ الاسمائیہ بود، واین مشاھدہ اسمائے ذات بوداز مرتبہ غیب ذات مع قطع النظرعن التمیز والاختصاص۔ واسمائے الھیہ عبارتست ازتعینات ذات حق بوصف خاص علیم وحکیم وقدیم، ومعنی تعین، آنست کہ باو امتیاز شئے ازغیرپدید آید، بحیثیتے کہ غیردرومشارک نبود، و شاید کہ تعین عین ذات، بود وگفتہ اند کہ ہمہ تعینات اعتباریہ اند، چوں تعین واجب الوجود وامتیاز اواز وجود بعدازمرتبہ احدیۃ محضہ احدیۃ جمیع است، لھذا گفت کہ ماجمیع وجودھا وصفاتھا چہار برادر بودیم ازیک پدرکہ ان ہستی محض وھربرادری راحکمے و

اعتبارے ست، اول واجب الوجود دوم ممکن الوجود، سوم ممتنع الوجود، چہارم عارف الوجود۔

واجب الوجود آنکہ ذات مقتضی وجود او باشد و در بقائے خود محتاج بغیر نبود۔ و معنی وجود کون وصیر وات است۔ وعرفا وگفتہ اند کہ وجوب وامکان وامتناع امور اعتباریہ اند، یک ودو وچہار وجودے در خارج نیست۔

اما سوم کہ آن امتناع است او را ثبوتے نباشد اصلا در ذہن یا در خارج۔ وعرفا در معنی ممتنع الوجود چیزے بالاتر رفتہ اند کہ بیان ان ایندہ خواہم کرد۔ وجوب اقتضائے لذاتہ دارد وبے فیض ہمیشہ موجود نتواند شد۔ امکان، سابق بر وجود است زیرا کہ محتاج بایجاد ست۔

اعیان ممکنہ منقسم اند بہ جوہریت وعرضیت، ومجموعی اعیان جوہریت متبوعات اند واعیان عرضیت توابع۔ جواہر یا بسیط اند در عقل ودر خارج چون عقول ونفوس مجردہ یا بسیطہ اند در خارج، چون اجسام بسیطہ، یا مرکب از اجسام بسیطہ، چون مولدات ثلاثہ، وھر عینے از اعیان جوہریہ وعرضیہ منقسم است باعیان اجناس عالیہ وسافلہ وھر واحدے بنوعے از انواع، و ھر یکے ازین منقسم اصناف واشخاص است فافہم۔

متکلمین گفتہ اند کہ وجود واجب نفس حقیقت اوست، بر حقیقت نیست، اگر وجود زائد بر حقیقت باشد عارض خواہد بود، خود من حیث ھو مفتقر بغیر بود، وممکن لذاتہ گردد، واین امر منافی وجوب است۔ بعض متصفین گفتہ اند کہ واجب الوجود بمعنی لازم الوجود است کہ بواسطہ وجود واجب وجود خاکی انسانی است، کہ این وجود جسمانی بر وجود روح لازم است یعنی بغیر این وجود جسمانی روح را از عالم غیب در عالم شہادت ظہور نیست۔ محققین فرمودہ اند کہ نور حقیقی است اجلی کہ شعاع جوھریت او ہمہ عالم را فرا گرفتہ است، واللہ جل شانہ بہ لمعات اسم نور در ھمہ عالم ظہور صفت ابداعیت دارد کہ اللہ نور السموات والارض اشارت بہ انست۔

متکلمین گفتہ اند کہ نور عبارت است از ظہور لون فقط۔ نیز زعم کردہ اند کہ ہمہ ان ظہور مطلق است کہ ضو باشد، مقابل او خفائے مطلق است کہ ان ظلمت است، وبین النور والظلمت ظل است، واز یں جہت است کہ گفتہ اند مشاہدہ الا برار بین التجلی والاستار، زیرا کہ محض تجلی نور ہم دیدہ را خیرہ کند وبینائی تاب رویت ان ندارد فما تجلی ربہ للجبل فجعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا"۔

بدانکہ شئے را ظہورے کہ از ذات خود باشد چنانچہ لمعان شمس ونار آنرا ضو گویندہ واگر از جانب غیر خود باشد نور است گاھے از مضٔی ملون تنہا، انعکاس ضو بغیر خود می باشد، وگاہے ضو ولون ہر دو منعکس می شوند۔ وضو کیفیتے است کمالیہ بذاتہا

ازحیثیتے کہ ان شفاف است۔ وگویند صحت کونیہ شئی اگر توقف مرئیت اور باعتبار غیر نباشد ان ضو بود والالون است۔

شیخ الاشراقین در حکمت الاشراق فرمودہ کہ ہر شئی فی نفسہم نور باشد یا ظلمت ونور حقیقت بسیط است وظلمت عدم نور است۔ ونور مجرد ومشار الیہ نتواند شد، البتہ نورے کہ عارض جسم در خارج باشد قابل اشارہ حسی بود، چون نور شمس وکواکب۔ و نیزمی فرماید کہ ہر شئیے کہ ان نور لنفسہ بود نور مجرد است، اگر نور غیر مجرد بود یعنی عارضی باشد، پس نور لنفسہ نخواہد بود۔ اگر نور عارض قایم بمجردات باشد یا باجسام نور لنفسہ نخواہد بود، زیرا کہ وجود او لغیرہ بود، پس نور ہم لغیرہ باشد۔

ونور مجرد ومحض نور لنفسہ بود بہ سبب قیام او بذات خود، فتامل۔ دوم ظلمت کہ بمقابلہ نور است وان بر سہ قسم است، اول ظلمت حقیقی کہ رویت او بیچ وجہ ممکن نیست۔ دوم ظلمت محسوس کہ ان بہ مقابلہ نور صبح ھویداست وشرف ظلمت انست کہ واسطہ ادراک نور مطلق می شود بہ سبب تنزل در عالم محسوس یا غیب یا شہادت۔ وآن در مراتب ظلمات امکان امتزاج واتصال است با نور حقیقی کہ اخرج النور من الظلمات۔ مرتبہ سوم ضیاءست جمعیت نور وظلمت است، وحقیقت ان ممتزج گشتہ از طرفین وبرزخیت میان وجود وعدم، زیرا کہ نور صفت وجود است وظلمت صفت عدم، واز یں جہت است کہ اصل ممکن را بظلمت وصف می کنند وآن مقدار نورانیت کہ ممکن را حاصل است بہ سبب وجود است کہ بہ واسطہ ان از کتم عدم ظہور کردہ۔ است۔ الخ۔

از نہ دہ مراد از دہ اول امر است، دوم عقل، سوم نفس، چہارم ہیولا، پنجم طبیعہ، ششم جسیم، ہفتم افلاک، ہشتم ارکان، نہم مولد است۔ شاید کہ کہگ مراد از نہ دہ اول ہیولائے اولی ست آن عالم اعلیٰ وصورت اعلیٰ وعنصر اولی است کہ در افق عرش لا الا ھو سبحانہ تعالیٰ است، استمد ادنور وحکمت وفضایل از وی کند۔ پنجم عنصر جرمی وان عنصر جسمانی است کہ استفاضہ از طبیعت می کند۔ ششم عالم جمادی، ہفتم عالم نباتی، ہشتم عالم انسانی: فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ وشاید کہ مراد از نہ دیہ اول عقول محضہ است کہ انوار عقلیہ قارہ اند۔ دوم نفوس مفارقہ کہ جواہر عاقلہ وانوار مدبرہ اند۔ سوم نفوس منطبعہ افلاک۔ چہارم صور نوعیہ سموات پنجم صور کواکب۔ ششم طبایع اربعہ۔ ہفتم بسایط کلیات عنامہ عناصر، ہشتم صورت جسمیہ، نہم از ھیولائے فلک الافلاک ت اھیولائے عالم کون وفساد۔ وشاید کہ مراد از نہ افلاک باشند اول انسب ات بعد از اں دوم۔

سہ برھنہ بودند: یعنی واجب الوجود، عارف الوجود وممتنع الوجود، بہ احکام مراتب خود از شائبہ کثرت در ممکن وحدت وبرتر از کل ھا وصف بہ نعت لہ۔ ومراد از برھنگی تنزیہ است۔ واجب در اول متبہ ذات خود من حیث ھو ھو یعنی لابشرط شئی منفرد بود از جمیع نسب واشارات، وبری از ھمہ نعوت واسماء وصفات۔ وذات احدیہ اوعین وجود، نہ بشرط لاتعین ونہ بشرط تعین، بلکہ

من حیث ھوھو یعنی غیر مقید باطلاق وتقید وتنزیہ۔ نیز دران مرتبہ غیر از تحدید وجودے نداشت، چہ جائے آنکہ بہ تشبیہ تصور کنند کہ بقید تقید در آید۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ می فرمایند، بیت:

فان قلت بالتنزیہ کنت محدداً

وان قلت بالتشبیہ کنت مقیداً

بدانکہ جوہر ماہیت است غیر وجود لا فی موضوع کہ وجودان جوہر است وممتاز از غیر خود از موجودات، ھچنیں عرض نیز ماہیت است موجود فی موضوع کہ اگر در ذات موجود یافتہ شود وجود اور زاید علی الذات باشد۔

مگر ذات مطلق او تعالیٰ بری است از شوایب جوھریت ونقایص عرضیت زیرا کہ وجود محض است، حاضر بذاتہ، بغیر تغیر در تحقیقت وصوفیت ذات از ہمہ اشارات ونسب مبرا، واز ہمہ نعوت و اسماء وعبارات معرا۔ از ینجاست کہ گفتہ اند: ''الواجب لیس بجوھر وعرض''۔

عارف الوجود نیز متبہ ذات است کہ منزہ از ہمہ ہستیہائے احتیاجیہ وہ ہستی خود قائم وعلمہ لذاتہ بذاتہ۔ بیت:

من خدایم من خدایم من خدا

محض علم از ہمہ عالم جدا

ممتنع الوجود: ایں مرتبہ سلب وجود است از غیر بمقابل واجب الوجود، چنانچہ ما گفتہ اند کہ در ازل الازل بجز ذات احدیہ مقدسہ ھیچ شئے راایجابیت وجود نبود، ای۔

''لاشئی الا اللہ''، ''ولیس کمثلہ شئی'' ع

ازلیت تو ساری ابدیت تو جاری

بہ بقائے خود باقی ہمہ عالم است فانی

یکے جامہ نداشت۔ آن ممکن الوجود است کہ جامہ وجود خارجیہ ہنوز در بر نداشت، وممکن دو جہت دارد کہ وجود او ضروری باشد ونہ عدم او ضروری۔

''آن برادر برہنہ قدرے زر در آستین داشت''، وجامہ نداشتن ہم حکم برہنگی دارد وزر در آستین داشتن کنایہ است کہ از گنجینہ کنت کنزا مخفیا از حقیقت معرفت الٰہیہ بقدر ضرورت ذاتیہ وجودیہ خود با خویش داشت۔

''بازار رفتیم تا جہت شکار تیر وکمان بخریم''، ببازار کثرت وجود یہ رفتیم کہ ان دنیاست کہ الدنیا مزرعۃ آلاخرہ، ہر چہ دریں جا بکاریم ببرداریم۔ دریں بازار بجہت شکار غزلان معارف حقایق اسمائیہ وکونیہ الٰہیہ یہ تیر سعی کہ لیس للانسان الا ماسعی است وکمان توجہ نفس، تا رجوع الی اللہ باشیم بخریم۔

''قضا رسید'' یعنی باقتضائے حکمت الٰہیہ ومشیت ازلیہ۔

''ھر چہار کشتہ شدیم''۔ این ہر چہار وجود در وجود نشاء انسانی جذب گردیدند، وفحوائے، ''انی جاعل فی الارض خلیفہ''، بظاہریت گونا گوں از ممکن ان جہان، درین جہان سر بر آورد، پس حقایق جمیع موجودات در علم واعیان مظاہر حقیقۃ انسانیہ اند، وحقیقت انسانیہ مظہر اسم جامع، واھل ازین جہت کہ ظہور حقیقت انسانیہ در عالم است، عالم را انسان کبیر خوانند، و حقیقہ انسانیہ را ظہورات است۔

در عالم انسانی اجمالاً، اول مظاہر انسانیہ صورت روحیہ مجردہ است مطابقہ باطبیعت کلیہ وبصوت اعضائیہ مطابق است باجسام عالم کبیر، وابن تنزلات در مظاہر انسانیہ مطابقہ حاصل آمدہ است میاں نسخہ صغیر وکبیر، امام عالم انساں کبیر است بمعنی وصغیر ست بصورت۔ جمیع تجلیات ذاتیہ واسمائیہ وصفاتیہ در عام کبیر مضمر و متمکن است ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ملائکہ سبوحین گفتند لاعلم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الخ۔

بست و چہار زندہ برخاستم۔ ایں چہار وجود کہ حقیقت انسانیہ استتار دائمہ حقیقت احدیہ بودند مشتمل برغیب مطلق بصورت کثرت علمیہ از حیثیات وخصوصیات خود اسے ورسے برگرفتند۔ وبصورت بست و چہار مظاہر پدپد آمدند وھی ہذا۔ لاھوت، جبروت، ملکوت، ناسوت، عقل کل، نفس کل، عقل کلی، روح اعظم، نفس نباتی، نفس حیوانی، نفس انسانی، قلب، روح، شعور، نور، نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ، نفس مطمئنہ، زمان، مکان، جہت، تعین۔

''آنگاہ چہار کمان دیدیم، سہ شکست بودند و یکے ہر دو گوشہ وھر دو خانہ نداشت''۔ مراد از چہار کمان یعنی عالم اعیان خارجیہ، عالم ارواح، عالم مثال وعالم اشباح۔ مراد از سر شکستہ بودن سہ کمان یعنی ۱۔ عالم اعیان خارجیہ ۲۔ عالم ارواح ۳۔ عالم مثال۔ اول از حیثیت تعینات عدمیہ است وامتیاز اعیان از وجود مطلق راجع است بعدم۔ ونزد اہل اللہ مخلوق عدم است والوجود کلہ للہ۔

عالم ارواح: تعین جوھرے ست مجرد از عوارض اجسام والوان واشکال۔

عالم مثال: عالم لطیف است، برزخ میان عالم مجردات، ودریں عالم ہمہ اجسام مجردہ اند از مواد مثل مجردات مگر

امتداد آنہا مثل امتداد اجسام است مگر غیر وصل وفصل۔

عالم اشباح: عالم شہادت است کہ آن عالم امکان است۔

''یکے ہر دو گوشہ شکستہ بود'' یعنی ممکن کہ نہ وجود او ضروری بود نہ عدم او۔

''ہر دو خانہ نداشت'' یعنی سلب ضرورت یکے از طرفین کہ لازم او بود'' و عالم اشباح'' کہ از ممکنات است و عالم شہادت است و آن عرش و کرسی و فلک اطلس است کہ محدد جہات نست و ایں ہمہ بساط اند و طبیعت خامسہ غیر طبائع عناصر دارند۔

''آن برادر برہنہ زردار'' یعنی ممکن الوجود کہ زر وجود از خزانہ واجب الوجود در آستین داشت۔

''کمان بے گوشہ و بے خانہ را بخرید'' کہ آن مکان است کہ سلب ضرورت یکے از طرفین دوران است پس ابن بے گوشہ و بے خانہ کمان را جانب سلب ضرورت عدم بخرید۔

تیرے می بایست: یعنی استعداد او تا بواسطہ آن شکار حقیقت کونیہ شود۔

چہار تیر دیدیم: سہ شکستہ بودند و یکے پر و پیکان نداشت۔

مراد از چہار عناصر است، آن آتش و باد و آب و خاک است، از یک تا سہ پراگندہ بودند۔ یعنی بخود جمعیتے و ثباتے نداشتند، و یکے کہ آن چہارم است، پر و پیکان نداشت یعنی خاصیت متحرک بالارادہ نہ بودن و موثریت در اجسام کونیہ نداشت۔

''تیر بے پیکان خریدہ بہ طلب صید بصحرا شدیم''، یعنی بحصول طبیعہ کلیہ در طلب حقیقتے کہ در عالم انسانیت بود بصحرائے شہود آمدیم۔

''چہار آہو دیدیم، سہ مردہ بودند و یکے جان نداشت''، مراد از چہار آہو، طبایع اربعہ است و تشبیہ آہو بطبایع از ان جہت است کہ ہنوز صفت گیرندگی با یک دیگر نداشتند بلکہ صفت فراریت در ذات ایشان تعبیہ بود۔ مراد از سہ مردہ بودن ایں است کہ آتش و باد و آب از جہت عدم مزاج و امتزاج با یکدیگر مثل مردہ بودند۔ یکے جان نداشت، یعنی خاک بہ سبب عدم مزاج و امتزاج با ایشان متحرک نبود۔

برادر برہنہ زردار کمان کش تیرانداز از ان کمان بے گوشہ و بے خانہ تیر بے پر و پیکان را بران آہوئے لے جان زد، یعنی ممکن الوجود کہ از خزانہ واجب الوجود زر وجود در آستین داشت از کمان بے گوشہ و بے خانہ تیر بے پر و پیکان کہ آں سلب ضرورت یکے از طرفین است، بر آن آہوئے بے جان یعنی خاک کہ بسبب عدم مزاج و امتزاج با طبایع اربعہ غیر متحرک بود

از جانب عدم سلب ضرورت زد۔

''کمندے می بایست تا صید ارابفتراک بندیم''، مراد از کمند مزاج است تا صید طبیعت را کہ در خاک افتادہ بود بفتراک تفریح باہمی بہ بندیم۔

''چہار کمند دیدیم سہ پارہ پارہ بردند، و یکے ہر دو، کرانہ و میانہ نداشت''، مراد از چہار کمند کمان جسم مطلق، جسم نامی، جسم حساس و متحرک بالارادہ، جسم ناطق۔ سہ جسم خصوصیات ذاتیہ علیحدہ علیحدہ بودند، یعنی جسم قابل ابعاد ثلاثہ و جسم حساس و متحرک بالارادہ مصدر احساسات و تحریکات ارادیہ، حیوانیہ، و ہر یکے خاصیتے و حکمے جدا گانہ داشت بحیثیت جمادیت مجرد بحیثیت نباتیت شجر و بحیثیت حیوانیت بالارادہ مشہور۔ و آن یکے کہ ہر دو کرانہ و میانہ نداشت جسم ناطق است کہ باوجود جسمیت و ناعیت این است کہ روح نہ داخل جسم است و نہ خارج و نہ حال در درمیان محل، چون روح از عالم امر است از قید جسم و جسمانی بودن بالکلی مبراست، و مجرد از ہمہ ادناس قیود و معاقد عقود است و ہیچ بندے از آلایش اجسام پائے آزادی او ابستہ نمی توان کرد، و نہ نظر خیال در لوح وہم صورت ذاتی او را بہ نفس وجود صورتے منقش توان نمود۔

ھبطت الیک من المحل الارفع ورقاء زات تعزز و تمنع

محجوبۃ عن کل مقلہ عارف وھی التی سفرت ولم تتبرقع

و روح را از عالم امر با جسم نسبتے کہ ہست آن را نفس گویند، خواہ نباتی باشد یا حیوانی یا انسانی و انقطاع این نسبت موت است۔ و مراد از ''کل نفس ذایقۃ الموت'' ہمیں انقطاع نسبت است۔ باری تعالیٰ بہ نفس انسانی قسم یاد کردہ است۔

''ونفس و ما سواھا فالھمھا ناسمھا فجورھا و تقواھا''

بدانکہ عرفائے محققین گفتہ اند کہ برزخے کہ روح را بعد از مفارقت بدن از نشاء دنیاویہ درانجا قیام خواہد بود غیر ازیں برزخ است کہ درمیان ارواح مجردہ و اجسام است، زیرا کہ مراتب تنزلات وجود و معارج او دو نسبت دارند، یکے مرتبہ کہ پیش از نشاء دنیاویہ بود، و دیگر مرتبہ کہ بعد ازاں باشد از مراتب معارج و آں مرتبہ عروج است و صوری کہ لاحق ارواح شود در برزخ دیگر، صور اعمال و نتیجہ افعال سابقہ است در نشاء دنیاویہ، بہ خلاف صور برزخ اول۔ ہر آئینہ از جمیع وجوہ ہر دو یکے نباشند البتہ شریک اند کہ ہر دو عالم روحانی و جوہر نورانی غیر مادی اند، مشتمل بر مثال صور عام، و برزخ اول راغیب امکانی و ثانی راغیب مجالی گویند، فافہم۔

و عالم مثال عالمی ست روحانی از جوہر نورانی شبیہ بجوہر جسمانی ازاں رو کہ محسوس است، و شبیہ بجوہر مجرد عقلی، ازاں

وجہ نورانی است۔ پس ایں عانم نہ جوہر عقلی مجرد است ونہ جسم مرکب مادی، بلکہ برزخ است، وحد فاصل میاں ایں ھردو برزخ کہ میاں دو شئے بود بانصیبے از طرفین شبیہے بجہتیں، ومشتمل است برصور عالم جسمانی ومثال صوری کہ در حضرت علمیہ الھیہ اند صور اعیاں وحقایق است وعلم مثال را خیال منفصل نیز گفتہ اند زیرا کہ غیر مادی است، وھر معنی از معانی، وروح از ارواح اور را مثالیہ مطابقہ است بکمالات او، ما فہم۔

''صید رابان کمند بے کرانہ وبے میانہ بر بستیم''، یعنی نفس ناطقہ انسانی را بر کمند جسمانیت بر بستیم کہ بے کرانہ وبے میانہ یعنی نہ داخل جسم بود نہ خارج جسم۔ خانہ می بایست کہ مقام کنیم وصید را پختہ سازیم۔ وآں ضرورت خانہ تن است کہ بغیر قیام ایں جا صید روح را پختہ نمی توان کرد، یعنی مکمل نفس انسانی را راست ایں خانہ، می بایست کہ روح بغیر جسم دریں جاء، ھیچ کار نمی توان کردہ کہ حصول سعادت حاصل ابن مزرعہ فیض اکتساب است ع۔

از رباط تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست

زادراہے برنمیداری ازیں منزل چرا

''چہار خانہ دیدیم سہ درھم افتادہ و یکے سقف و دیوار نداشت''، مراد از چہار خانہ چہار عناصر است، وسہ درھم افتادہ، یعنی آتش وباد وآب درھم افتادہ بودند۔

''و یکے کہ سقف ودیوار نداشت''، مراد ازیں عنصر خاک است وایں خانہ سقفے کہ مانع آثار علویہ باشد، نداست، و دیوارے کہ استقرار خاصیات طبیعت را استقلالے باشد نبود۔ یعنی بہ سبب سقف وجدار نبودن این خانہ خاک از حوادث زمانیہ، تغیرات امکانیہ مصئون ومحفوظ نبود۔

دیگے دیدیم بر طاق بلند نہار کہ بھیج وجہ وحیلہ دست بان دیگ نمی رسد، مراد از دیگ طنبیعت است کہ دراں استطقسات متخالفتہ الکیفیات را امزاجے واتحادے حاصل آید باز از یکدیگر جدا نمی شوند تا حکم اقتضائے مشیت الھیہ بر آنہا صادر گردد۔ ومراد از طاق بلند فلک نفس است، چنانچہ حکم مجربطی گفتہ کہ فلک نفس درمیان چار افلاک واقع شدہ، وبالائے اور دو افلاک روشن ومہذب، وآں ھیولائے اولیٰ وعقل است وتحت او دو افلاک مظلمہ کہ آں طبیعت وعنصر است، پس اگر غالب گردید آثار ھردو فلک اعلیٰ کہ نیرہٴ فاضلہ سعیدہ اند، مصیر ومستقر آنہا فردوس اعلیٰ است ونفس ازاں مستعد ومنبعث گردد، واگر غالب گردید، آثار ھردو فلک مظلمہ رزلہ کہ مصیر ومستقر آنہا نار اسفلی است، نفس مستمد ومنبعث ازاں گردد، وابداع نفوس

بہیمیہ و نباتیہ و جمادیہ نہ از عقل مستمد می گردد و نہ از ھیولائے عالیہ کہ در آنہا جاعلیت ایں ھر دو نفوس نیست، البتہ ہر دو فلک اسفل کہ طبیعت و عنصر است مصیر و مستقر لہٰنہا خاک است، خاک از ینہا منبعث مستمد می گردد بتقدیر عزیز علم، پس طبیعت دیگ است کہ بالائے طاق بلند کہ آن فلک آخر است نہادہ اند، و بر استحصال طبیعت کریمہ ہیچ حکیمے را قدرتے حاصل نیست مگر از فیضان قوت وھبیہ باری تعالیٰ جل شانہ۔

''چہار گز زیر پائے کندیم تادست بآن دیگ رسید''، چون حصول طبیعت کریمہ از نفس فلکیہ بغیر از اسطقسات محال بود بمقدار گنجائش چہار عناصر کہ زیر فلک آخر آخر تدابیر حکمیت نکنند، از نفس فلکیہ حصول طبیعت کریمہ کہ آن طبیعت خامسہ است نمی توان کرد، و مراد از کندیدن این است کہ چوں حکما خواھند کہ استحصالہ طبیعت کریمہ کنند کہ آں حضرہ می کنند و دران حضرہ تبعفین تحصیل طبیعت کریمہ می نمایند۔ ''چوں شکار پختہ شد شخصے از بالائے خانہ بیرون آمدہ گفت کہ بخش من بدھید کہ نصیب مفروض دارم''۔ چون طبیعت کریمہ با چہار عنصر مزاج گرفت، نفس طبیعیہ از بالائے نفس فلکیہ فرود آمد کہ من نصیب مفروض دارم یعنی بقدر استعداد و قابلیت من بخشے باید داد، پس اول نصیبے از نفس نباتی گرفت و در نمو آمد۔ برادر کامل مکمل در کمین نشستہ بود، استخوان شکار را زاں دیگ برآورد و بر تارک وے زد۔ یعنی روح حیوانی کہ در کمین طبیعت نشستہ بود و در دیگ نفس طبیعت پختہ و با ہم مزاج یافتہ سخت مثل اخوان گردیدہ بود، بر تارک وے یعنی نفس نباتی کہ از دیگ طنبیعت حصہ خود طلب می کرد، زد یعنی بر نفس نباتی روح حیوانی غلبہ نمود۔ درخت زرد آلو از پاشنہ پائے وے بیرون آمد۔ مراد از زرد آلو بمناسبت زردی ہمہ زر ست کہ مرد برہنہ را در آستین بود، و از لفظ زرد ھم زر بہ تخفیف دال حاصل می آید، یعنی زر حقیقت وجود بہ مراحل اسمیہ و منازل رسمیہ بذوات مختلفہ و صفات متخصہ از زر، ''زرد آلو''، شد، و مراد از درخت، منشعب شدن حقیقت واحدہ از اصلیت خود بفرعیت متنوع است، تا آنکہ صورت درخت زرد آلو گرفت، و از پاشنہ پائے یعنی از زیر پائے آن کس طبیعت کہ از بالائے نفس فلکیہ فرود آمدہ بود بیرون آمد۔

''برسر آں درخت رفتیم''، یعنی ترقی کردیم از نفس نباتی بعالم حیوانی۔ خربوزہ کاشتہ بود و بفلاخن آب می دادند، خربوزہ از آثار متخیل الکیفیت است و لذیذ ترین میوہ ھاست و مراد اینجا نفس انسانی است کہ مشتمل بر حیوانیت و ملکیت است، و بہر جانب کہ خواھد مستحیل می گردد چنانکہ گفتہ اندع۔

آدمی زادہ طرفہ معجونے است

گز فرشتہ سرشتہ و زحیوان

گر کند میل این شود بہ ازیں

ور کند قصد آن شود بہ ازان

یعنی بعد از وصول بعالم حیوانی بعالمے رسیدند کہ دراں عالم خربزہ کشتہ بودند، یعنی تربیت نفس انسانی میکردند۔ وآب بقلاخن می دادند، یعنی از عالم قدس کہ دورترین عالم طبیعت است بفیضان قدسیہ الٰہیہ آب می دادند۔

"ازاں درخت بازنجان فرود آوردیم"، یعنی نفس انسانی آثار عالم طبیعت گرفت، اور ابصورت بازنجان یافتیم کہ کثافت داشت۔ "وقیلہ زردک ساختیم و باھل دنیا گذاشتیم"، چوں بازنجان کثیف وزردک لطیف است، ازیں ھر دو قلیہ ساختیم، یعنی باہم مزاج دبدیم وبرائے اہل دنیا گذاشتیم تا ذائقہ لطافت والم کثافت باستعداد طبیعی خود دریابند۔ "چنداں بخوردند کہ آماسیدنہ" بشہوات ومذوقات دنیا چنداں پرداختند کہ تو گوئی آماسیدہ اندرع۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

در متاع ونقرہ وفرزند وزن

اہل دنیا کافران مطلق اند

روز وشب درجق جق ودر بق بق اند

پنداشتند کہ فربہ شدند از خانہ بیرون نتوانستند رفت، ودانستند کہ ایں آماسیدن فربہی است، حالانکہ بوفور حب جاہ وشہوات دنیا درحقیقت فربہی ایشان آماسیدن بود، بحدے کہ خانہ تن برایشان تنگ گردیدہ بود کہ بیرون نتوانستند رفت، یعنی خودرا در کدورت ھوا جس نفسانی وروا جس حیوانی چناں مشغول ومحبوس گردانیدند کہ دنیا برایشاں تنگ شد۔ درآن جابہ نجاست ماندند، یعنی درآلایش دنیا آلودہ ماندند۔

وما باسانی از کید ایشاں بیرون آمدیم یعنی ما چہار برادر در منازل تنزلات ومراتب تعینات کہ مختلف من حیث الظہور بودیم، درآخر از عالم امر روح مجرد گردیدہ درخانہ تن قرار گرفتہ بودیم، از دنالیس کل دنس ونقایص کل ھوس، از مشغولیات جسمانی کہ موجب حیرانی وسرگردانی بود بیرون آمدیم باسانی، واز کید ایشان فارغ گشتیم، وبردرخانہ خفتیم وبسفر رواں شدیم، یعنی چندے بردرخانہ تن بغفلت توقف کردیم، چوں بیدار شدیم شعور حقیقت خود مارا بسفر عالم قدس آمادہ کرد، پس بمقر اصلی خود باز گشتیم کہ کل شئی یرجع الی اصلہ۔

اردو ترجمہ

حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کا یہ رسالہ ایسے دقیق استعارات عمیق کنایات اور نادر اشارات اور لطیف عبارتوں سے پر ہے جن کے باریک نکات کو پانے سے منتہی کا ذہن اسی طرح عاجز ہے جیسے کہ ایک مبتدی کا ذہن۔ ان دقیق مطالب کی تحقیق و تفتیش میں فکر و تفکر کی رسائی نہیں، اگر چہ بعض صاحبان طبع سلیم و عقل مستقیم نے ان کی تشریح کی حتی الامکان کوشش فرمائی ہے، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ ساغر حقیقت سے انہیں بقدر ایک جرعہ بھی نہ مل سکا۔

حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ فیض استحالہ میں واجب الوجود کی حقیقت احدیت کو مراتب تنزلات کے لحاظ سے مرتبہ شہود تک جو گوناگوں صورتوں سے ظاہر ہوئی ہے بطور ایک چیستان کے بیان فرمایا ہے۔ بقول

زدریا موج گوناگوں برآمد

زبیچوئی برنگ چون برآمد

غرض خاتمہ میں حضرت ممدوح نے فرمایا کہ ارباب حقیقت اور دانشمند اصحاب ان رموز کو حل فرمائیں۔

جاننا چاہیے کہ وجود بلحاظ ھویت، باعتبار مراتب ذہنی و خارجی، خاص و عام، مطلق و مقید ہر جگہ ہے بلکہ یہ تمام مراتب وجود ہی کے ہیں۔

لیکن ولا یکون معہ شیئا (یعنی اللہ تھا اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی شے) اور کمالات کے اعتبار سے جو کہ اس کے لازمہ ہیں، اس کو مرتبہ احدیت اور مقام جمع کہتے ہیں۔

اور لا بشرط لا شیئ کے مرتبہ سے وہ ھویت ہے، جس نے کائنات کے آئینوں میں تفصیل کے ساتھ اور جامعیت انسانی کے آئینہ میں اجمالاً تجلی فرمائی ہے۔ ع

میرا قلب ہر صورت کو قبول کرنے والا بن گیا ہے۔ وہ ہرنوں کی چراگاہ اور راہبوں کا مندر ہے۔

اسماء الٰہی سے ہر اسم کی ایک معنوی صورت ہے جس کو حکماء اپنی علمی اصطلاح میں ماھیت، اور عرفا ''عین ثابت'' کہتے ہیں۔

جان لو کہ اسماء کی انیت تو حروف مین حروف کی انفاس مین اور انفاس کی ارواح میں اور ارواح کی قلوب مین اور

قلوب کی (انیت) مقلب القلوب مین ہے رباعی۔

دیکھوتو اس کالبد خاکی میں ہم کیا ہیں ایک بانسری کی طرح قسم قسم کے راگوں والے ہی تو ہیں۔ جو نقش کہ ہمارے دل کی تختی پر سازوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہم نغمہ راز کے گراموفون ہی تو ہیں۔

علامہ اخگر اپنی تمہید میں مزید فرماتے ہیں کہ:

جاننا جاگئے کہ فکر کرنے والے کا ھم جلیس اور ھم نشین نفس ہے۔ اور ذکر کا جلیس خود حق سبحانہ تعالیٰ ہے، بدلیل "فاذ کرونی اذ کرکم"، ذکر کا نتیجہ اور پھل معرفت ومحبت ہے جو وصول الی اللہ کا پیش خیمہ ہے اور فکر توبہ کی تمہید ہے، پس سمجھو اور غفلت مین نہ رہو۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ حضرت گیسودراز قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ہم چار بھائی تھے۔ "ھم" سے مراد یہاں مرتبہ احدیت جمع ہے اور اس کے معنی حق سبحانہ تعالیٰ کا جامعیت کے ساتھ متجلی ہونا ہے، کیوں کہ مرتبہ احدیت محض میں اسماء اور صفات ذاتا متحد بالذات ہیں، اور اس مرتبہ احدیت محض میں اسماء اور صفات کا تعین نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تعین اول اسم اللہ کے تعین سے عبارت ہے جس کی حیثیت وجود علمی ہے، اور ھر اسم اس مرتبہ کے لحاظ سے تمام اسماء اور صفات کا ایک جامع مرتبہ ہے۔

اللہ سے مراد ایک ایسی ذات ہے جو تمام مراتب کمال کی جامع ہے۔ اور ذات کی یکتائی اس کی فردانیت کی حیثیت سے ہے جس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو ذات غیب ہے جس سے مراد وہ حقیقت ہے جو غیب الحق (غیب الغیب) ہے۔ دوسرا مرتبہ اسماء ذات ہے جو اپنی وحدت میں اسماء کی حقیقت ہے۔ حقیقت اسماء کا یہ مرتبہ غیب ذات سے تمام امتیاز واختصاص سے قطع نظر اسمائے ذات کا مشاہدہ ہے۔

اسماء الٰہی سے مراد ذات حق کا اختصاصی اوصاف سے تعین پانا ہے۔ مثلاً علیم وحکیم وقدیم۔ اور تعین کے معنی یہ ہیں کہ کسی اور کے مقابلہ میں اوس کا امتیاز ظاہر ہو، اس طریقہ پر کہ اس غیر کی شرکت نہ ہو، اور شاید کہ ھر تعین عین ذات ہے۔

تمام تعینات اعتباری ہیں، چوں کہ واجب الوجود ھونے کا تعین اور وجود سے اس کا امتیاز، مرتبہ احدیت محض کے بعد احدیت جمع ہے، اس لئے ارشاد:

ھوا کہ ہم تمام وجود اور ان کی صفات کے پیش نظر چار بھائی ایک ہی باپ کے تھے جو ہستی محض ہے۔ اور ھر بھائی کا علیحدہ علیحدہ ایک حکم اور ایک اعتبار ہے جن میں پہلا تو واجب الوجود ہے۔ دوسرا ممکن الوجود، تیسرا ممتنع الوجود اور چوتھا عارف الوجود۔

واجب الوجود تو وہ ہے جس کی ذات خود مقتضائے وجود ھو اور وہ اپنی بقا میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اور وجود کے معنی کون اور صورت ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ وجوب و امکان اور امتناع امور اعتباری ہیں، خارج میں ایک یا دو، یا چارو جود نہیں ہیں۔ البتہ تیسرا وجود امتناع (ممتنع) ہے، اس کا نہ تو ذہنی وجود ہے اور نہ وہ خارج میں ہی کوئی ثبوت رکھتا ہے۔ عرفانے تو ممتنع الوجود کے معنی اور بلند تر لئے ہیں، جس کا ذکر رکھتا ہے۔ عرفانے تو ممتنع الوجود کے معنی اور بلند تر لئے ہیں، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وجوب (واجب الوجود) کا اقتضا خود اپنی ذات کے لئے ہے، اور بغیر اس کے فیض کے کوئی چیز معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ امکان (ممکن الوجود) کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے کیونکہ وہ ایجاد کا محتاج ہے۔

اعیان ممکنہ جوھریت اور عرضیت میں منقسم ہیں اور تمام اعیان جوھریت کے تابع ہیں، اور اعیان عرضیت جواھر کے تابع ہیں یا عقل و ذھنی لحاظ سے منبسط ہیں، اور خارج میں عقول و نفوس مجردہ کی طرح بسیط ہیں۔ مثلاً خارج میں اجسام بسیط یا اجسام بسیط سے مرکب ہیں مثلاً مولدات ثلاثہ۔ اور اعیان جوھریہ اور عرضیہ کا ھر عین، اعیان اجناس عالیہ اور سافلہ میں منقسم ہے۔ اور ھر واحد (فرد) انواع مین سے ھر نوع کسی نہ کسی صنف میں بٹا ہوا ہے، یہ سمجھ لو کہ ان مین سے ہر ایک مختلف اصناف اور اشخاص میں منقسم ہے۔

متکلمین کا قول ہے کہ واجب کا وجود عین حقیقت ہے، زاید بر حقیقت نہیں۔ اگر وجود اس کی ذات پر زائد ھو تو وہ عارض یعنی عارض یعنی عرض کی تعریف میں آجائے گا، بلکہ وہ تو خود بالذات جیسا کہ ہے، ہے، ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور بالذات ممکن کی تعریف میں داخل ہوگا، اور یہ چیز منافی وجوب ہے۔ بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ واجب الوجوب کے معنی ''لازم الوجوذ'' یں جو وجود واجب کے واسطہ سے موجود ہوا ہو، اور یہ انسان کا جسم خاکی ہے، اس لئے کہ وجود جسمانی روح کے لئے لازمی ہے۔ بغیر اس جسمانی وجود کے روح کا عالم غیب سے عالم شہادت میں ظہور پذیر ہونا ممکن نہیں ہے۔

محققین کا کہنا یہ ہے کہ نور حقیقی نہایت مجلا (روشن) ہے جس کی جوھریت کی شعاعوں نے تمام عالم کو گھیر رکھا ہے۔ اللہ جل شانہ اسم نور کی روشنی سے تمام کائنات میں ہر ان نئی نئی چیزوں کی تخلیق کی قدرت رکھتا ہے اللہ نور السموات والارض، کا اشارہ اسی طرف ہے۔

متکلمین کا قول ہے کہ نور سے مراد صرف لون یعنی ''رنگ''، کا ظہور ہے نیز وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وھی ظہور مطلق ہے جو ضو کہلاتی ہے اور اس کی ضد خفائے مطلق ہے جو ظلمت ہے۔ اور نور و ظلمت کے مابین ظل (عکس) ہے۔ اسی وجہ سے ان کا کہنا یہ ہے کہ ابرار کا مشاہدہ تجلی اور ظلمت (استاد) کے درمیان ہے، کیونکہ محض نور کی تجلی بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی

ہے اور بینائی رویت کی تاب نہیں لاسکتی، بقولہ تعالیٰ انہ فلما ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسی صعقا، ترجمہ حق سبحانہ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو گئے۔

جاننا چاہیے کہ کسی کا ظہور جو خود بخود ہو مثلاً آفتاب یا آگ کی شعاع اس کو ضو کہتے ہیں، اور اگر وہ اپنے غیر کی جانب سے ہو تو وہ نور ہے، کبھی تو مضی یعنی نور بخشنے والے ملون سے روشنی (ضو) کا انعکاس ہے، اپنے غیر کی طرف سے ہوتا ہے، اور کبھی تو روشنی اور لون دونوں منعکس ہوا کرتے ہیں۔ضو، بذات خود ایک باکمال کیفیت ہونے کی وجہ سے صاف و شفاف ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ کسی شئے کی کونیت بشرطے کہ اس کی مرئیت کا دارومدار غیر پر منحصر نہ ہو تو اس کو ضو کہتے ہیں، ورنہ وہ لون ہے۔

شیخ الاشراقین نے حکمت الاشراق میں فرمایا ہے کہ ہر شے فی نفسہ نور ہوتی ہے یا ظلمت، اور نور ایک حقیقت بسیط کا نام ہے۔ظلمت نور کے فقدان کو کہتے ہیں، اور نور مجرد کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا، البتہ جو نور کہ خارج میں عارض جسم ہو تو وہ اشارہ حسی کے قابل ہوتا ہے، مثلاً آفتاب اور ستاروں کا نور۔وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر شئے جو اپنے نفس (ذات) کے لئے نور ہو وہ نور مجرد ہے۔اگر نور غیر مجرد ہو تو وہ عارض ہوگا، پس اس لئے وہ نور زاتا اپنی ذات کے لئے نہ ہوگا۔اس کا وجود غیر کے لئے ہے، لہذا اس کا نور بھی غیر کے لئے ہے۔

نور مجرد و محض ایسا نور ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے، کیونکہ اس کا قیام بات خود ہے، سوچو اور سمجھو! دوسری چیز ظلمت یعنی تاریکی ہے جو نور کے رو ویت کسی طرح ممکن ہی نہیں، دوسری قسم محسوس ہے، جو صبح کے نور کے مقابلہ میں ظاہر و باہر ہے (صراحت کا محتاج نہیں)، عالم محسوس یا غیب و شہادت میں تنزل کی وجہ سے ظلمت کا شرف نور مطلق کے ادراک کا ذریعہ اور واسطہ بن جاتا ہے۔اور ظلمت کے مراتب یوں ہیں کہ امتزاج اور اتصال نور حقیقی کے ساتھ ممکن ہے کہ "اخرج النور من الظلمات"، تیسرا مرتبہ "ضیا" ہے جو نور اور ظلمت کا جامع ہے، اور اس کی حقیقت امتزاجیہ ہے۔وہ وجود و عدم کے درمیان ایک برزخ ہے، کیونکہ نور وجود کی صفت ہے اور ظلمت عدم کی۔یہی وجہ ہے کہ ممکن کو بذاتہ ظلمت کی تعریف میں داخل رکھا گیا ہے اور نورانیت کی وہ مقدار جو ممکن کو حاصل ہے وہ سب وجود کا طفیل ہے جو اس کے واسطہ سے پردہ عدم سے عالم ظہور میں جلوہ گر ہوا ہے۔الخ۔

"نہ دیہ"، نو دیہات سے مراد وہ نو دیہات ہیں جن میں پہلا عالم امراء دوسرا عقل، تیسرا نفس، چوتھا ھیولا، پانچواں طبیعت، چھٹا جسم، ساتواں افلاک، آٹھواں ارکان، نواں مولدات، یا شاید نو دیہات سے مراد پہلا ھیولائے اولیٰ ہو، کیونکہ

وہ عالم اعلیٰ صورت اولیٰ اور عنصر اول ہے، جس کا مقام افق عرش میں لا الہ الا ھو، حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ اس سے نور اور حکمت اور فضائل کا اکتساب کرتا ہے۔ پانچواں عنصر جرمی ہے اور وہ جسمانیت کا عنصر ہے جو طبیعت سے فیض حاصل کرتا ہے۔ چھٹا عالم جمادی، ساتواں عالم نباتی، اٹھواں عالم انسانی، بقول تعالیٰ: فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ یا شاید نو دیہات سے مراد اول عقول محض ہیں جس کے انوار عقلی قاہرہ ہیں۔ دوسرے نفوس مفارقہ ہیں جو جواہر عقلی اور انوار مدبرہ ہیں۔ تیسرے نفوس منطبعہ افلاک ہیں۔ چوتھے صور نوعیہ سموات، پانچویں صور کواکب، چھٹے طبایع اربعہ، ساتواں بسایط کلیات عناصر، آٹھویں صورت جسمیہ۔ نویں ھیولائے فلک الافلاک سے لے کر عالم کون وفساد کے ھیولا تک اور غالباً گو دیہات سے مراد افلاک ھوں مگر اس ترتیب سے کہ پہلے کو دوسرے پر شرف حاصل ہے۔

''تین برھنہ تھے''، ان سے مراد واجب الوجود، عارف الوجود اور ممتنع الوجود ہیں جو اپنے مراتب کے لحاظ سے شائبہ کثرت سے دور وحدت کے پردہ مین مخفی ہیں، جو تعریف و نعت سے بلند و بالا ہے۔ برہنگی سے مراد تنزیہ ہے، یعنی واجب اپنے ذاتی مرتبہ میں ازل الازل جیسا تھا ویسا ہی ہے یعنی لا بشرط شئے ہے، یعنی وہ تمام نسبتوں اور اشارات سے منزہ اور تمام تعریفوں اور اسماء وصفات سے بری ہے۔ اور اسی کی ذات احدیت عین وجود ہے کہ نہ تو لاتعین کی شرط ہے اور نہ ہی تعین کی شرط بلکہ وہ ہستی محض، من حیث ھو ھو ہے۔ اطلاق وتقید اور تنزیہ سے بھی غیر مقید ہے، نیز اس مرتبہ میں بلا کسی تحدید کے اس کا وجود ہے (یعنی خفی در خفی ہے) چہ جائے کہ وہاں تشبیہ کا گمان ہو کہ یوں تقید کی قید مین آ جائے۔

چنانچہ حضرت شیخ محی الدین عربی فرماتے ہیں:

اگر تنزیہ کے ساتھ اسکا ذکر کرو تو اس پر حد عائد ہو۔ اور اگر تشبیہ کے ساتھ ذکر کرو تو اس پر تقید عائد ہو۔ جاننا چاہیے کہ ''جوھر'' ایسی ماہیت ہے کہ غیر وجود لا فی موضوع ہے کیونکہ اس کا وجود جوہر ہے اور موجودات میں اپنے غیر سے ممتاز ہے۔ اسی طرح عرض بھی ماہیت ہے مگر ایسا موجود فی موضوع ہے کہ اگر وہ موجود کی ذات میں پایا جائے تو اس کا وجود زاید بر ذات ہوگا۔

حق تعالیٰ کی ذات مطلق، جوہریت کے شوایب اور عرضیت کے نقاص سے بری ہے کیونکہ وہ وجود محض ہے اور بغیر تغیر وتبدل کے بالذات حاضر ہے۔ ذات حق کا بالکل کھرا پن ہونا اور صرفیت خالص ہونا تمام اشارات اور نسبتوں سے مبرا ہے، چنانچہ وہ تمام صفات اسماء اور عبارات سے معرا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ الواجب لیس بجوھر و عرض، یعنی واجب نہ جوہر ہے نہ عرض۔

عارف الوجود۔ یہ بھی ذات حق سبحانہ کا ایک مرتبہ ہے جو تمام احتیاجی ہستیوں سے منزہ ہے، وہ خود اپنی ہستی سے قائم ہے اس کا علم بھی خود اپنی ذات سے ہے اور اپنی ذات کے لئے ہے۔ بیت:

میں خدا ہوں مین خدا

سر تا با علم اور عالم سے جدا ہوں

ممتنع الوجود۔ یہ مرتبہ غیر (شریک باری) بمقابلہ واجب الوجود ہے اور مسلوب الوجود ہے۔ چنانچہ عرفا کا قول ہے کہ ازل الازل مین سوائے ذات احدیت مقدسہ کے کسی شئے کو وجود کی ایجابیت حاصل نہ تھی، بقول "لا شئی الا اللہ" "ولیس کمثلہ شئی"۔ (ترجمہ) سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مانند ہے (ع تیری ازلیت ساری اور ابدیت جاری ہے)

تو اپنی بقا سے خود باقی ہے

اور تمام عالم فانی ہے

ایک بھائی کے پاس کپڑے نہ تھے۔ اس سے مراد ممکن الوجود ہے جس نے وجود خارجی کا جامعہ ابھی زیب تن نہیں کیا تھا۔ ممکن کی دو نسبتیں ہوتی ہیں یعنی نہ ان کا وجود ضروری ہے اور نہ اس کا عدم۔

اس برہنہ بھائی کے پاس (آستین میں) کچھ زر نقد تھا۔ لباس نہ رکھنا بھی برہنگی کے حکم میں داخل ہے اور آستین میں زر نقد رکھنے سے اشارہ ہے کہ "کنت کنزاً مخفیاً" کے خزانے یعنی معرفت الٰہی کی حقیقت سے بقدر ضرورت ذاتی خود وہ وجود سے بہرہ ور تھا۔

"ہم بازار گئے تا کہ شکار کھیلنے کے لئے تیر و کمان خرید لائیں"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم بازار کثرت میں نکل آئے، جس کو دنیا کہتے ہیں۔ بقول "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ"، یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کچھ یہاں بوؤ گے وہی آخرت میں پاؤ گے۔ غرض ہم اس بازار میں ہرنوں کے شکار کے لئے جس سے مراد حقائق و معارف اسماء الٰہی وکونی ہیں، جستجو اور تلاش کے تیر، بقول "لیس للانسان الا ما سعیٰ" (یعنی سوائے جد و جہد کے انسان کے لئے کوئی چارہ نہیں) اور نفس کی توجہ کی کمان کو خرید لیں، تا کہ ہم کو "رجوع الی اللہ"، حاصل ہو جائے۔

"قضا رسد"، یعنی اتنے میں فرشتہ اجل آن پہنچا جو حکمت الٰہی اور مشیت خداوندی کی عین اقتضا تھی۔

''غرض ہم چاروں کے چاروں بھائی تہ تیغ کر دیئے گئے''، یعنی چاروں وجود متذ کرہ صدر وجود انسانی کی نشو ونما میں جذب ہو گئے۔ اور انسان بقول ''انی جاعل فی الارض خلیفہ'' (یعنی انسان کو ہم نے دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے) گونا گوں مظاہر کے ساتھ عالم بالا کے پردہ سے اس جہاں مین آموجود ہوا۔ پس علم واعیان میں تمام موجودات کے جو حقائق ہیں وہ حقیقت انسانی کے مظاہر ہیں اور حقیقت انسانی اسم جامع کی مظہر ہے۔ حقیقت انسانیہ کا ظہور عالم میں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے عرفا عالم کو ''انسان کبیر'' کہتے ہیں۔ عالم انسانی حقیقت انسانیہ سے ظہورات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اولین مظہر انسانی صورت ''روحیہ مجردہ'' ہے جو ''طبیعت کلیہ'' کے مطابق ہے۔ اور بصورت عضویت عالم کبیر کے اجسام کے مطابق ہے۔ صغیر و کبیر کی تختی پر مظاہر انسانیہ کے یہ تنزلات حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ عالم انسان کبیر ہے۔ معنی کے اعتبار سے ہے اور عالم انسان صغیر اس اعتبار سے ہے کہ تمام تجلیات ذاتی، رسمی و صفتی اس کے اندر مضمر و متمکن ہیں، ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' (ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے) اور ملائکہ سبوحین نے اعتراف کیا اور یہ کہ اٹھے۔ ''لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم'' ہم کو جتنا علم دیا گیا ہے ہم اسی حد تک جانتے ہیں، تحقیق کہ اے اللہ تو ہی علیم وحکیم ہے)، طرفہ یہ کہ چوبیس زندہ اٹھ بیٹھے۔ یعنی یہ چار وجود (چاروں مقتول انسانی میں پوشیدہ تھے اور حقیقت احدیۃ کے عین تھے اور مرتبہ غیب مطلق میں مندرج تھے، علم الٰہی میں اپنی گونا گوں صورتوں، حیثیتوں اور خصوصیات کی وجہ ایک ایک اسم اور رسم سے موسوم ہو کر چوبیس مظاہر کی صورت میں نمودار ہوئے جو درج ذیل ہیں:

لاھوت، جبروت، ملکوت، ناسوت، عقل کل، نفس کل، عقل کلی، نفس کلی، روح اعظم، نفس نباتی، نفس حیوانی، نفس انسانی، قلب، روح، شعور، نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ، نفس مطمئنہ، زمان، مکان، جہت، تعین۔

اس وقت ہم کو چار کمانیں نظر آئیں جنمیں تین تو ٹوٹی ہوئی تھیں اور ایک میں نہ تو دونوں گوشے تھے اور نہ خانے،

چار کمانوں سے مراد ایک تو عالم اعیان خارجہ، دوسرا عالم ارواح، تیسرا عالم مثال، چوتھا عالم اشباح یعنی اجسام ہے۔

''تین ٹوٹی ہوئی کمانوں''، سے مراد (۱) عالم اعیان خارجیہ (۲) عالم ارواح (۳) عالم مثال ہیں۔

پہلی کمان سے مراد تعینات عدمیہ ہیں۔ اعیان کو وجود مطلق سے جو امتیاز حاصل ہے وہ یہی ہے کہ ان کو عدم سے نسبت ہے۔ اللہ والوں کے پاس مخلوق عدم ہے اور وجود کلی اللہ ہی کے لئے ہے۔

''دوسری کمان'' سے مراد عالم ارواح ہے جو تعین جوہر مجرد ہے، اور یہ تعین عوارض جسمانی الوان واشکال سے مجرد و مبرا ہے۔

''تیسری کمان'' سے مراد عالم مثال یعنی عالم لطیف ہے جو عالم مجردات کے، مابین برزخ ہے اور اس عالم میں یہ تمام اجسام مجردہ ہیں جو مواد (یعنی معطیات) سے مجرد اور پاک ہیں، البتہ ان کا امتداد اجسام کی طرح ہے مگر یہ بلا وصل اور فصل کے ہے۔ چوتھی کمان سے مراد عالم اشباح ہے جو عالم شہادت ہے، کیوں کہ یہ عالم امکان ہے۔

''ایک کمان کے دونوں کان ٹوٹے ہوئے تھے'' اس سے مراد ممکن (ممکن الوجود) ہے، جس کا نہ تو وجود ضروری ہے نہ عدم۔ اس کے دونوں خانے بھی نہ تھے یعنی طرفین کی ایک دوسرے سے ضرورت وابستہ تھی جو اس کے (وجود کے) لئے لازم تھی۔

عالم اشباح: یعنی عالم ممکنات و شہادت جس میں عرش و کرسی اور فلک اطلس شامل ہے، اور جو اسمات کی حدود متعین کرتا ہے۔ یہ تمام بساط ہیں میں جو طبیعت خامسہ ہیں اور غیر طبایع (طبی) عناصر میں شامل ہیں۔

''وہ برہنہ زردار بھائی'' یعنی ممکن الوجود جس کے پاس واجب الوجود کے خزانہ سے کچھ زر نقد موجود تھا، اس نے بے گوشہ اور بے خانہ کمان کو خرید لیا، جس کا منشاء وہ امکان ہے جس کی باہمی صورت ایک دوسرے سے وابستہ ہے، اس لئے بے گوشہ اور بغیر خانہ کی کمان کی ضرورت کی خاطر خرید لی۔

''ایک تیر کی ضرورت تھی''۔ یعنی استعداد چاہئے تھی تا کہ اس کے ذریعہ حقیقت کونیہ کا شکار کیا جائے یعنی اس کو قابو میں کر لیا جائے۔

چار تیر ہاتھ آ گئے ان میں تین ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک میں تو پر اور پیکان ہی نہ تھا، چار تیر کا استعارہ چاروں عناصر کی طرف ہے یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔ جن کے پہلے تین تو پراگندہ تھے یعنی ان میں باہم سکون اور استقلال نہ تھا، اور چوتھے میں پر و پیکان ہی نہ تھا، یعنی اس میں خود بخود حرکت کرنے کی خاصیت نہ تھی، اور نہ اس میں اجسام کونیہ میں اثر انداز ہونے کی استعداد تھی۔

''اس تیر بے پیکان کو خرید کر ہم چلے جنگل کو شکار کھیلنے''۔ یعنی طبیعت کلیہ کو حاصل کر کے اس حقیقت کی طلب میں جو عالم انسانیت میں موجود تھی صحرائے شہود میں پہنچ گئے۔

وہاں ہم کو چار ہرن نظر پڑے، جن میں تین مردہ تھے اور ایک میں جان یعنی سکت ہی نہ تھی، چار ہرنوں کا استعارہ طبائع اربعہ ہیں اور طبائع کو ہرن سے تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ان میں باہم ہم آہنگی نہ تھی، بلکہ ان کی طبیعت میں گریز کی صفت تھی، اور تین مردہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ آگ، پانی اور ھوا، مزاج اور امتزاج باہمی کے فقدان کی وجہ مردہ تھے۔ ایک

میں جان (سکت) نہ تھی یعنی خاک میں ان سے عدم مزاج وامتزاج کی وجہ کوئی حرکت نہ تھی۔

''اس برہنہ دولتمند، کمان کش تیرانداز بھائی نے اس بے گوشہ اور بے خانہ دار کمان سے تیر بے پر و پیکان کو اس سے بے جان آھو پر مارا''۔ یعنی ممکن الوجود جس نے واجب الوجود کے خزانہ زر وجود حاصل کیا تھا، اپنی بے گوشہ اور بے خانہ انی سے بے پر و پیکان تیر کو، جس کی فریقین میں سے ایک نہ ایک کی ضرورت پوری ہو سکتی تھی، اس بے جان ہرن یعنی خاک کو جو مزاج اور امتزاج کے فقدان کی وجہ جو اس کو غیر متحرک طبائع اربعہ سے حاصل نہ تھی، عدمیت سے اس کی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے مارا (گویا حرکت پیدا کردی)۔

''اب ہم کو ایک کمند کی ضرورت داعی ہوئی تا کہ شکار کو فتراک (تسمہ) میں باندھ لیا جائے''، کمند سے مراد یہاں مزاج ہے تا کہ طبیعت کے شکار کو جو مٹی میں مضمر تھا، باہمی تفریح کے فتراک سے باندھ لیں (یعنی امتزاج پیدا کردیں)

چار کمندیں نظر پڑیں، جن میں تین تو پارہ پارہ تھیں اور ایک میں دونوں کنارے اور میانے نہ تھے، چار کمندوں سے مراد ایک تو کمان ہے جسم مطلق کی، دوسری جسم نامی کی، تیسری جسم حساس اور متحرک بالا رادہ کی، چوتھی جسم ناطق کی۔ ان میں تین جسم ذاتی خصوصیات کے سبب اس میں ممتاز ہیں۔ مثلاً ایک جسم تو ابعاد سہ گانہ کو قبول کرنے والا ہے، اس سے مختلف جسم حساس و متحرک بالا رادہ ہے حیوانی خواہشات کی بنیادوں اور تحریکوں کا مصدر ہے، اس لئے ہر ایک اپنی خاصیت اور حکم کے مد نظر مختلف تھا، یعنی جمادیت کی حیثیت سے تو مجرد اور نباتیت کی رو سے ایک درخت اور حیوانیت کے لحاظ سے بالا رادہ مشہور ہے۔ اور وہ ایک کمان جس کے دونوں کنارے اور میانہ (وسطی حصہ) نہ تھا، جسم ناطق ہے، جو باوجود جسمیت، نامیت، حساسیت اور متحرک بالا رادہ ہونے کے معقولات کو پا سکتا ہے، اور یہ وہ روح انسانی ہے جو حقیقت امر الٰہی کی مظہر ہے، اور روح مجرد کی صورت مین طبیعت کلیہ کے مطابق اور اعضاء کی شکل میں اجسام بسیط کے مماثل ہے۔ اور ہر دو کرانہ و میانہ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ روح نہ تو داخل جسم ہے اور نہ خارج جسم اور نہ محل کے درمیان کوئی حال (حالت) چوں کہ روح عالم امر سے ہے، اس لئے جسم اور جسمانیت کی قید سے بالکل مبرا ہے، تمام آلودگیوں کے قید سے مجرد۔ وہ تمام عقدوں کو مربوط کرنے والی ہے، اجسام کی آلائش سے اس کی آزادی کو پابند نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ خیال (کی نظر) اس کی ذاتی صورت کے لوح پر وجود کے نقش سے کوئی صورت نقش کر سکتا ہے۔ ع

عبد مقام سے اتر کر ایک عزت والی فاختہ (مجازاً روح) تیری طرف آئی ہے۔ وہ ہر جاننے والے کی آنکھ سے چھپی ہوئی ہے۔ اور یہی وہ ہے جو بے نقاب ہوگئی ہے اور برقع میں ملبوس نہیں ہے۔

روح کو عالم امر سے جسم کے ساتھ جو نسبت و تعلق ہے، اس کو نفس کہتے ہیں، خواہ، وہ روح نباتی ہو یا حیوانی یا انسانی، اس نسبت کا قطع ہو جانا موت ہے، بقولہ تالی کل نفس ذائقۃ الموت" سے مراد اسی تعلق کا منقطع ہو جانا ہے، باری تعالیٰ نے نفس انسانی کی قسم کھائی ہے۔ بقولہ نفس وما سویٰ ھا فالھما فجورھا وتقواھا"۔

جاننا چاہیے کہ بقول محققین عرفاء وہ برزخ جو روح کے دنیوی زندگی سے جسم سے مفارقت کے بعد قایم ہوگا اس برزخ سے جداگانہ ہے جو ارواح مجردہ اور اجسام کے درمیان ہے، کیوں کہ وجود کے مراتب تنزل و عروج کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک مرتبہ تو وہ ہے جو دنیوی نشو و نما کے قبل تھا اور دوسرا جو اس کے بعد ہوگا، وہ عروج کے مراتب میں داخل ہے اور خود ایک مرتبہ عروج ہے۔ ایک اور برزخ ہے جس میں کہ وہ صورتیں ظاہری مرتبہ ارواح کو لاحق ہوتی ہیں جو برزخ میں لاحق ہوتا ہے سابقہ افعال کے نتائج اور اعمال کی صورتیں ہیں جو دنیا میں برزخ اول کی صورتوں کے خلاف صادر ہوئی تھیں، چنانچہ کسی طرح اور کسی وجہ سے بھی دونوں برازخ ایک نہیں ہو سکتے البتہ ان میں مشارکت ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ دونوں عالم روحانی اور جو ہر نورانی غیر مادی ہیں، اور صور عامہ پر مشتمل ہیں۔ برزخ اول کو غیب امکانی اور دوم کو غیب مجالی کہتے ہیں! سمجھ لو۔

عالم مثال ایک عالم روحانی ہے جو جوہر نورانی سے ہے، اور جوہر جسمانی سے مشابہ ہے، اس وجہ سے کہ وہ محسوس اور جوہر مجرد عقلی کی شبیہ ہے، اس لئے نورانی ہے۔ بہر حال یہ عالم نہ تو مجرد جوہر عقلی ہے اور نہ مادی جسم مرکب ہے، بلکہ برزخ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان جو دو چیزوں کے مابین ہوا کرتی ہے برزخ ایک حد فاصل ہے۔ طرفین کی جانب سے ایک نصیب اور اپنے دونوں رخوں سے ایک شبیہ رکھتی ہے۔ برزخ عالم جسمانی کی صورتوں اور مثال صوری پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثال صوری وہ ہیں جو علم الٰہی میں موجود ہیں، ان کا نام اعیانی صورتیں اور حقایق ہے۔ عالم مثال کو خیال منفصل بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ غیر مادی ہے۔ اس کے کمالات سے معانی میں سے ہر معنی ارواح میں سے ہر روح کو مطابقت حاصل ہے۔

"شکار کو ہم نے اس بغیر کنارے اور میانہ والی کمند میں باندھ لیا"، یعنی نفس ناطقہ انسانی کو ہم نے جسمانیت کے کمند میں باندھ لیا، کیونکہ وہ بے کرانہ اور بے میانہ یعنی نہ داخل جسم تھا اور خارج جسم۔

"ایک مکان کی ضرورت تھی تا کہ ہم وہاں قیام کریں اور شکار کو پکائیں"۔

اور وہ ضرورت ایک قالب جسمانی کی تھی، کیونکہ اس میں بغیر قیام کیے، روح جیسے شکار کی پخت و پز نہیں کی جا سکتی، یعنی نفس انسانی کی تکمیل کے لئے بالراست ایسے ہی گھر کی ضرورت ہے کیونکہ روح بغیر جسم کے اس جگہ کوئی کام نہیں کر سکتی

اس لئے کہ حصول سعادت کا انحصار اس مالا مال لہلہاتے کھیت پر ہے: ع

''اس جسمانی رباط کو جب تم نے خیر باد کہ دیا تو پھر تمہارے لئے کوئی اور ٹھکانہ نہیں اس لئے تم اس منزل سے زاد سفر کیوں نہیں لے جاتے''؟ ''ہم کو چار مکان نظر آئے جن میں تین تو ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک کی تو دیوار اور چھت ہی غائب تھی''۔

چار مکانات سے مراد یہاں چار عناصر ہیں، جن کے منجملہ تین تو ٹوٹے ہوئے تھے یعنی آگ، ہوا اور پانی پراگندہ تھے، اور ایک مکان جس کی چھت اور دیوار ہی نہ تھی وہ عنصر خاک ہے۔ اس گھر میں ایسی چھت جو آثار علمیہ کو روک سکے موجود نہ تھی۔ اور نہ ایسی ہی دیوار تھی جو طبیعت کے استقلال کو قایم رکھ سکے۔ یعنی چھت اور دیوار کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ مٹی کا گھر زمانہ کے حادثات اور تغیرات سے جن کا امکان ہو محفوظ و مصئون نہ تھا۔

ہم کو ایک دیگ نظر پڑی، مگر وایک ایسے بلند طاق پر رکھی ہوئی تھی جس پر کسی حیلہ سے بھی ہمارے ہاتھ کا اس تک پہنچنا محال تھا، دیگ سے مراد یہاں طبیعت ہے، جن میں مخالف کیفیتوں کے عناصر کو بھی ایک مزاج اور ایسا اتحاد حاصل ہو جاتا ہے کہ پھر کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے، جب تک مشیت الٰہی شامل حال نہ ھو۔ طاق بلند سے مراد فلک نفس ہے، چنانچہ حکیم مجریطی کا قول ہے کہ فلک نفس چار افلاک کے درمیان واقع ہے اور اس کے اوپر افلاک منور اور مھذب اور بھی ہیں جو ھیولائے اول اور عقل سے موسوم ہیں۔ ان کے نیچے دو افلاک تاریک اور اسفل ہیں، جو طبیعت اور عنصر کہلاتے ہیں۔ پس اگر ان دونوں افلاک اعلیٰ کے جو منور فاضل اور سعید ہیں، جن کا ملجا اور ماوی فردوس اعلیٰ ہے، جن سے نفس امداد حاصل کرتا اور ابھرا ہے اگر وہ ان پر غالب آجائے تو ان دونوں افلاک کے آثار جو ظلمت اور صفات ذمیمہ کے حامل ہیں جن کا مستقر نار سفلی ہے، اور نفس ان سے مستفید اور اثر پذیر ہو جاتا ہے تو پھر نفوس حیوانی و نباتی اور جمادی میں نہ تو عقل سے اور نہ ھیولائے عالیہ سے استفادہ کی سکت باقی رہتی ہے، کیونکہ ان نفوس میں ان دونوں کی تخلیق (جاعلیت) کی قوت نہیں ہے۔ البتہ دونوں فلک اسفل یعنی طبیعت اور عنصر کا ٹھکانہ اور مستقر ''خاک'' ہے اور خاک ہی علم کی قوت سے ان دونوں سے ابھرتی اور توازن حاصل کر سکتی ہے، پس طبیعت تو گویا ایک دیگ ہے جس کو بلند طاق پر رکھا گیا ہے، اور وہ بلند طاق فلک آخر ہے۔ طبیعت کریمہ کے استحصال کی کسی حکیم کو قدرت حاصل نہیں سوائے اس کے کہ حق سبحانہ کی طرف سے کوئی وھمی قوت کام کرے۔

''ہم نے چار گز عمیق گڑھا اپنے پاؤں تلے کھود لیا تا کہ ہمارا ہاتھ اس دیگ تک پہنچ جائے'' چونکہ طبیعت کریمہ

(حسنہ) کا حصول نفس فلکیہ سے بغیر استطقسات کے محال تھا، اس لئے چار عناصر کی مقدار کی لحاظ سے جو آخری فلک کے نیچے واقع ہیں دانائی اور حکمت سے جب تک کوئی تدبیر نہ کی جائے، نفس فلکیہ سے طبیعت کریمہ کا حاصل کرنا جو پانچویں طبیعت ہے ممکن نہیں۔ اور گڑھا کھودنے کا منشا یہ ہے کہ جب حکماء چاہتے ہیں کہ طبیعت کریمہ (معتدل مزاج) حاصل کریں تو وہ ایک گڑھا کھود کر اس میں عمل تعفین سے طبیعت کریمہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔

''جب شکار پک کے تیار ہو گیا تو ایک شخص اس بلند طاق سے اتر کر نیچے آیا اور کہا کہ مرا حصہ دے دو جس کا میں مستحق ہوں''۔

جب طبیعت کریمہ نے چار عناصر کے استھ مل کر ایک مزاج پیدا کر لیا تو نفس طبعی، نفس فلکیہ سے نیچے اتر آیا اور ادعا کیا کہ اس میں میرا بھی حصہ ہے۔ یعنی میری استعداد و قابلیت کے لحاظ سے مجھ کو بھی میرا حصہ ملنا چاہیے لہذا پہلے پہل تو اس نے اپنا حصہ نفس نباتی سے حاصل کر کے نمو حاصل کیا۔

''پس کامل و مکمل بھائی نے جو کمین گاہ میں بیٹھا ہوا تھا اس شکار سے ایک ہڈی دیگ سے نکال اس کے سر پر دے ماری''، یعنی روح حیوانی جو طبیعت میں جا گزین تھی اور نفس طبیعت میں پختہ ہو کر امتزاج پا تھی چکی اور ھڈی کی طرح سخت ہو گئی تھی، اس کے سر پر یعنی نفس لباتی پر جو طبیعت کی دیگ سے اپنا حصہ طلب کر رہا تھا، دے ماری یعنی روح حیوانی نے نفس نباتی پر غلبہ حاصل کر لیا۔

''اس کے پاؤں کی ایڑی سے خوبانی (زرد آلو) کا درخت پیدا ہوا''۔ یعنی زرد آلو کی زردی کی مناسبت سے وھی زر طلا ہے، جو اس برھنہ شخص کی آستین میں موجود تھا۔ زرد کے لفظ سے دال حذف کرنے کے بعد زر کا لفظ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی حقیقت وجود کے زر سے مراحل اسمی اور منازل رسمی مختلف ذوات اور صفات متشخصہ کے طے کرنے کے بعد زر ہی زرد آلو ہو گیا اور درخت سے مراد حقیقت واحد کا اپنی اصلیت سے مختلف نوع کی شاخوں میں پھیل جانے کا نام ہے حتیٰ کہ وہ زرد آلو (خوبانی) کی صورت میں نمودار ہو گئی یعنی اس شخص کے پاؤں کے نیچے سے جو طبیعت کہ فلک نفس کے اوپر سے نیچے نازل ہوئی تھی، ظہور پذیر ہو گئی۔

''ہم اس درخت کے اوپر چڑھ گئے''، یعنی نفس نباتی سے ترقی کر کے نفس حیوانی تک پہنچ گئے۔

خربوزہ کی کاشت کی گئی تھی اور چمن سے اس کو پانی پہنچا رہے تھے۔ خربوزہ چونکہ متخیل الکیفیت (ایک خاص کیفیت والا) ہوتا ہے اور سب سے لذیذ میوہ ہے۔ اس سے مراد یہاں نفس انسانی ہے جو حیوانی اور ملکوتی صفات پر مشتمل ہے اور جس

طرف چاہے وہ جھک جاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا: ع

"آدمی زاد ایک طرفہ معجون ہے، جس کی سرشت میں فرشتہ پن بھی ہے اور حیوانیت بھی۔ اگر وہ اس طرح مایل ہو تو فرشتہ سے بھی بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اس طرف رغبت کرے تو پھر اس سے تو جانور ہی اچھا ہے۔

یعنی عالم حیوانی حاصل ہو جانے کے بعد ہم ایسے عالم میں پہنچ گئے جہاں خربوزہ کی کاشت کی جا رہی تھی، یعنی یہاں نفس انسانی کی تربیت ہو رہی تھی۔ اور گو پھن سے پانی سینچ رہے تھے، یعنی عالم قدس سے جو طبیعت کی دنیا سے دور بہت ہے، اللہ تعالیٰ کے مقدس فیض کے پانی سے اس کی آبیاری کر رہے تھے۔

اس بازنجان (بینگن) کے درخت سے ہم نیچے اتر آئے، یعنی نفس انسانی مین عالم طبیعت کے آثار پیدا ہو گئے اور ہم نے اس کو پاذنجان کی صورت میں پایا، جس میں کثافت بھری ہوئی تھی۔ اور گاجر کا قلیہ بنایا اور اس سے دنیا داروں کی ضیافت کی، چونکہ بینگن کثیف اور گاجر لطیف ہے ان دونوں کو ملا کر ہم نے قلیہ تیار کیا یعنی دونوں میں امتزاج پیدا کر دیا اور اس کو اہل دنیا کی ضیافت کے لئے چھوڑ دیا اس کے ذایقہ کی لطافت اور کثافت کی بدمزگی سے اپنی طبیعت و استعداد کے لحاظ سے اس سے مستفید ہوں۔ انہوں نے اس کو اتنا کھایا بے لق ہو کر کہ تمام جسم سوجھ گیا، یعنی دنیا کے لذیذ اور شہوتوں میں اس قدر محو ہو گئے گویا کہ ان پر سوجن چڑھ گئی ہے، بیت:

دنیا مال و دولت اور بیوی بچوں میں پھنس کر خدا سے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ دنیا دار کافر مطلق ہیں، جن کو رات دن حق جق و بق بق کے سوا کچھ کام نہیں۔

وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم خوب موٹے ہو گئے ہیں، حتی کہ موٹاپے کی وجہ سے انکا گھر سے باہر نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔

یعنی ان کو یہ وہم تھا کہ یہ سوجن نہیں بلکہ موٹاپا ہے، حالانکہ جب چاہ اور دنیا کے لذیذ و شہوات کی کثرت کی وجہ سے انکا یہ موٹاپا جو گویا سوجن تھی، اس حد تک پہنچ گیا کہ جسم کا یہ گھروندا ان پر اس قدر تنگ ہو گیا کہ باہر نکلنا دشوار تھا یعنی نفسانی خواہشات کی کدورتوں اور حیوانی آلودگیون مین اس قدر پھنس گئے کہ دنیا ان پر تنگ ہو گئی۔

اس مقام پر وہ نجاست میں آلودہ ہو کر رہ گئے، یعنی وہ دنیا کی آلایش میں پھنس کر رہ گئے۔

غرض ہم کو آسانی کے ساتھ ان کے مکر و فریب سے چھٹکارا حاصل ہو گیا، مختصر یہ کہ تنزلات کے منازل اور تعینات کے مراتب کے لحاظ سے ہم چار بھائی تھے جو ظہور کے اعتبار سے مختلف تھے۔ آخر کار امر سے روح مجرد کی صوت مین اس جسم کے گھروندے میں متمکن ہو گئے اور تمام نجاستوں کی آلودگی اور خواہشات کے نقائص سے جو جسمانی مشغولیتو ں کی وجہ سے

ہم کو حیرانی اور سرگردانی میں مبتلا کئے ہوئے تھیں ان سے آسانی کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اس طرح ان کے مکروفریب سے ہم کو نجات مل گئی اور اپنے گھر کے دروازہ پر سورہے جب آنکھ کھلی تو پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے یعنی کچھ مدت تک اس جسم خاکی کے قفس مین غفلت میں پڑے رہے، جب ہماری آنکھ کھلی تو اپنی حقیقت کے شعور نے ہم کو عالم قدس کے سفر کے لئے آمادہ کردیا بالاخر ہم اپنے اصلی مقام عقبیٰ پر واپس آگئے۔ بقول کل شئی یرجع الی اصلہ یعنی ہر شئے اپنی اصل حقیقت کی طرف رجوع کرتی ہے۔

حواشی وتعلیقات

(۱) آپ کا سنِ ولادت ۷۲۱ھ اور سنِ وفات ۸۲۵ھ ہے۔ آپ ان اولیائے کاملین میں شامل ہیں جن کے نفوسِ قدسیہ سے برصغیر مین علم وعرفان کی بارش ہوئی۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ اور آپ کا مزار تقریباً چھ صدیوں سے مرجع خاص وعام ہے۔

(۲) تاریخ حبیبی (مترجمہ معشوق یار جنگ) ۸۰۷، ۶۸، ۱۳۶۸ھ، حیدر آباد دکن۔

(۳) خواجہ بندہ نوازؒ، شاہ سید یوسف راجو حسینی (راجو قتال) کے فرزند تھے۔ آپؒ دہلی کے مشہور بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ برہان الدین غریبؒ کے سادکن تشریف لائے۔ آپ کا شجرہ بائیسویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے جاملتا ہے۔ سن ۷۳۱ بمطابق ۱۳۲۵ء میں دولت آباد کے قریب خلد آباد میں انتقال کیا۔

(شیروانی، ہارون خان، مترجم رحم علی الہاشمی، ''دکن کے بہمنی سلاطین'' سن اشاعت ۸۲۔۱۹۰۴ء، سلسلہ مطبوعات ترقی اردو بیورو، دہلی)

(۴) میر محمدی، ص ۶

(۵) سولہ برس کی عمر میں بیعت ہوئے۔

(مخطوعات انجمن ترقی اردو، ج دوم، افسر امرہوی، ۱۹۶۷، کراچی انجمن ترقی اردو، ص ۲۶۳)

(۶) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی مکہ سے مراجعت کر کے دہلی تشریف لائے تھے۔ ۷۵۷ھ میں انتقال کیا۔ ان کی تاریخ وصال سید سلمان ندوی نے ۷۵۶ھ لکھی ہے۔ ان کے ملفوظات کا نام ''خیر المجالس'' ہے۔

(۷) چالیس سال کی عمر میں۔

(امرہوی، افسر، ''مخطوطات انجمن ترقی اردو'' ج دوم، ۱۹۶۷، کراچی، انجمن ترقی اردو کراچی۔)

(۸) جوامع الکلم (مطبوعہ)

(۹) سیر محمدی، ص ۲۲۹

(۱۰) سیر محمدی، ص ۱۰۲، ترجمہ تاریخ حبیبی، ص ۶۳، باب ۷۔

(۱۱) شکارنامہ مشمولہ گیارہواں رسالہ فارسی مرتبہ سید عطا حسین انجینئر مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۶۰ھ۔

''شکارنامہ'' کا زیر تبصرہ مقالہ بھی خواجہ بندہ نواز کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ ان کے ملفوظات کے مجموعہ ہے۔ جس کا موضوع تصوف ہے۔ جسے عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے۔ شکارنامہ، آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے آغاز کا شاہکار ہے۔ جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قصہ عام فہم زبان میں قطعی نہیں ہے۔ اس میں حقائق زندگی و اسرار حیات کو رموز و کنایات میں لیکن لطیف انداز میں پیش کیا گیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس معمہ کے حل کے لئے اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ شرحیں لکھنے والوں میں شاہ رفیع الدین دہلوی اور شیخ حسن محمد چشتی جیسے اکابرین بھی شامل ہیں۔

اس قصے کا دوسرا نام ''برہان العاشقین'' ہے۔ اور یہ دراصل خواجہ بندہ نوازؒ کی کتاب ''کتاب الاسمار'' کا ایک باب ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔ جبکہ اس کے اردو ترجمہ کو شکارنامہ کا نام دیا گیا ہے۔

تبصرہ علی رضوی

ستمبر ۱۹۶۹

امروہوی، افسر ''مخطوطات انجمن ترقی اردو'' ج دوم ۱۹۶۷، کراچی، انجمن ترقی اردو کراچی، ص، ۴۶۵۔

حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ

"عاشق شہباز بندگی مخدوم ابوالفتح سید محمد حسینی الملقب بہ گیسودراز و بندہ نواز قدس سرہٗ"

اے دل تاریک راازلطفِ خود پرنور کن

جانِ من قربان تواے سید گیسودراز

حضرت مخدوم گیسودراز قدس سرہٗ ہندوستان کے مشاہیر چشتیہ بزرگوں میں شامل ہیں۔ خلیفۂ خاص حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی قدس سرہ (۱) جنہوں نے اپنے فیضِ باطنی سے شمالی ہند کو چالیس سال تک بہرہ اندوز فرمایا اس کے بعد تیموری یلغار (۲) کے بعد وسطِ ہند اور دکن میں نزول اجلال فرما کر آپ کی اولاد اخفا اور مشاہیر علماء وصوفیہ نے سلسلہ گیسودرازؒ کی تعلیم باطنی کا خوب پرچار کیا۔ علم وفضل کا جو چراغ آپ نے دکن میں روشن فرمایا تھا وہ اب بھی روشن ہے۔ آپ کا عرس مبارک ۱۶ ذیقعدہ کو گلبرگہ شریف (دکن) میں شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ حیدرآباد کالونی کراچی کے سلسلے کے بزرگ اور معتقدین بھی خاص اہتمام کے ساتھ ہر سال مناتے ہیں۔ ہم یہاں آپ کے مختصر و جامع حالات اور تعلیمات کے متعلق کچھ روشنی ڈالتے ہیں:

آپ کا اسمِ گرامی محمد الحسینی لقب صدرالدین، کنیت ابوالفتح تھی، آپ حضرت سید یوسف، المعروف بہ راجو قتال جو عوام میں زمانہ مابعد راجو قتال (۴) سے مشہور ہو گئے تھے سے صاحبزادے تھے سادات زیدی مشہور ہیں۔ آپ کے حالات کا مستند ماخذ سرحدی مؤلفہ محمد علی سامانی اور تاریخ جیبی مؤلفہ عبدالعزیز، ابن شیر ملک ہے۔ جن میں اول الذکر آپ کے مرید و خلیفہ تھے اور ثانی الذکر آپ کے صاحبزادوں کے دیکھنے والے تھے۔ آپ کا وطنِ آبائی خراساں تھا، سب سے پہلے بارہویں پشت کے جد مولانا حسن الجنیدی (۵) قبل فتح دہلی یعنی ۵۸۵ھ سے قبل ہرات کے مجاہدین کی جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور ایک معرکہ میں بمقابلہ کفار جامِ شہادت نوش فرمایا۔ آپ کا مزار زیرِ حصار دہلی مسجدِ انار بیان کیا جاتا ہے۔ والد ماجد سید یوسف بڑے عالم فاضل عارف کامل حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید تھے۔ بز مانہ محمد تغلق جدید پائے تخت دولت آباد (دکن) ۷۲۹ھ میں مشاہیر اولیاء حضرت برہان الدین غریب وغیرہ کے ساتھ تشریف لائے۔ اور یہیں ۷۳۱ھ میں وصال ہوا، خلدآباد شریف میں آپ کا مزار پرانوار اور مقبرہ موجود ہے۔

حضرت محمد الحسینی گیسودراز قدس سرہٗ ۷۲۱ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے، دولت آباد آئے تو نو سال کے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد اور نانا سید علاؤ الدین میر میراں، نیز مولانا افتخار الدین کرچھی اور حضرت شیخ عین الدین گنج العلم (۶) سے بھی بمقام دولت آباد سے بھی استفادہ فرمایا، (روضۃ الاولیاء بیجاپور) حضرت برہان الدین غریب سے آپ کے والد ماجد سے مخلصانہ تعلقات تھے اور باہم پیر بھائی بھی تھے۔ بعد وصال والد ماجد، حضرت گیسودراز قدس سرہٗ خواجہ غریب کی محفل میں شریک رہا کرتے تھے، مولانا نے آپ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم کو نعمتِ توحید و عرفان شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ سے ملے گی۔ تو آپ نے فرمایا کہ کہاں میں اور کہاں دہلی اتفاق سے آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں سید ابراہیم ملک الامراء متوفی (صوبیدار) دولت آباد سے باہم شکر رنجی ہوگئی آپ کی والدہ صاحبہ مع آپ کے اور حضرت سید شاہ چندا حسینی آپ کے برادر عزیز کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں، یہاں آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (۷) سے بیعت ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال تھی۔ خطریہ شیر خاں جہاں پناہ میں سخت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے، اور ساتھ ہی ساتھ بایماء مرشد کہ ''مارا باتو کارہاست'' بعمر ۱۹ سال علومِ ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ شرف الدین کیتھلی، قاضی عبدالمقتدر، تاج الدین بہادر دہلوی، مولانا عماد الدین تبریزی شامل ہیں (۸) (حدیق الاولیاء) اور اپنے پیر چراغ دہلوی سے علومِ باطنی میں کمال حاصل فرمایا۔ آپ کے پیر نے فرمایا ''بعد از ہفتاد سال کودکے مرا شوریدہ است'' اسیری محمدی)۔ خطیرہ شیر خاں دہلی میں اکثر علماء مثلاً مولانا نصیر الدین تھانیسری، شیخ آدم، علامہ عمرو غیرہ سے علمی مباحث ہوا کرتے تھے، مجلسِ سماع بھی گرم رہا کرتی تھی۔ ایک خاص مجلسِ سماع جس میں قاضی عبدالمقتدر، مولانا علاؤ الدین انصاری، مولانا صدر الدین حکیم بھی شامل تھے، یادگار ہے۔ دو تین سال قبلِ وصالِ حضرت پیر نصیر الدین آپ سخت تپ اور مرض حذ میں مبتلا ہوئے، پیر کی شفقت اور دعا سے شفا پائی، اس کے بعد آپ خلافت سے سرفراز ہوئے، ایک کمبل اور نہالچہ عنایت فرمایا۔ جانشینی کا مسئلہ چھڑا تو آپ کو ترجیح دی اگرچہ کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پیر کا وصال ہوا غسل میت آپ نے ہی دیا۔ آپ کو پیر کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوا غرض آپ بعد وصال حضرت چراغ دہلوی چوالیس سال تک دہلی میں رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بڑے بڑے علماء خصوصاً نصیر الدین قاسم، مولانا حسین، مولانا معین الدین توہانی، شیخ زادہ نور الدین، جو نبیرہ حضرت بابا فرید شکر گنج وغیرہ مرید تھے۔ سلطان تیمور کے حملے سے قبل محرمہ ۸۰۱ھ میں دکن کے ارادے سے دہلی کو خیر باد فرمایا، اور گوالیار، بھاندیر، چندیری، بڑودہ (گجرات) اور سلطان پور وغیرہ ہوتے ہوئے تین ماہ میں دولت آباد دکن پہنچے، ہر جگہ علماء فضلاء امراء و سلاطین و مشائخ نے آپ کا خیر مقدم کیا اور ہزاروں اشخاص عام و خاص مرید ہوئے، جن میں مولانا علاء الدین گوالیاری، قاضی اسحٰق چہرہ، ملک دینار ظفر خاں، جلال خاں و قدر خاں، مشاہیر گجرات آپ کے عقیدت مند اور جاں نثار تھے۔ جب دولت آباد میں نزولِ اجلال فرمایا تو بایماء سلطان فیروز شاہ بہمنی عضد الدولہ حاکم دولت آباد نے آپ کا استقبال کیا، وہاں آپ نے اپنے والد ماجد، سید یوسف قدس سرہ کی زیارت کی علماء و صلحاء سے ملاقات کے بعد گلبرگہ شریف تشریف لائے، سلطان فیروز بہمنی نے امراء و شہزادگان، مشائخ و علماء کے

ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا، قلعہ گلبر گہ کے متصل قیام رہا اس کے بعد آپ نے مشرق کی طرف جہاں آپ کا مقبرہ ہے سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں خواجہ احمد دبیر، قاضی راجہ، ملک شہاب الدین، ملک عزیز الدین و ملک بہاء الدین اور سلطان احمد شاہ بہمنی نے آپ سے کماحقہ فیض حاصل کیا اور خلافت بھی پائی۔ آپ کی دُعا کی برکت سے سلطان احمد شاہ (۹) بادشاہ ہوا۔ مولانا احمد دبیر سے آپ کو بے حد محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ ’’آمدن من بدکن احمد دبیر است‘‘۔ غرض بیس بائیس سال قیام کے بعد آپ کا ۸۲۵ھ میں بعمر ۱۰۴ سال وصال ہوا (۱۰)۔ گلبر گہ کے مشرقی جانب، آپ کا عالیشان گنبد اور خانقاہ ہے۔ جس کو سلطان احمد شاہ بہمنی نے بنوایا تھا آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں بڑے صاحبزادے سید اکبر حسینی عرف میاں بڑے، ایک جید صوفی اور مصنف تھے۔ جن کی تصنیف تبصرۃ الخوارفات مشہور ہے جن کا آپ کی زندگی ہی میں وصال ہو گیا تھا۔ دوسرے صاحبزادے سید محمد اصغر حسینی، سجادہ نشین اورؒ کے پوتے، سید شاہ قبول اللہ حسینی عرف میاں قبولا، بڑے اہلِ کمال اور صاحب تصرف وجد و حال تھے، آپ کے بڑے صاحبزادے کی اولاد میں مولانا سید شاہ سفیر اللہ حسینی الملقب بہ دکن میگھ (۱۱) کمالِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے اور شاہی فوج کے سپہ سالار تھے۔ غرض دونوں صاحبزادوں کی اولاد میں بڑے بڑے مشاہیر اولیاء گزرے ہیں، حضرت حسین شاہ ولی شاہ راجو قتال گولکنڈویؒ کے چھوٹے صاحبزادے کی اولاد میں گزرے ہیں۔

تصانیف

حضرت گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہٗ کثیر التصانیف تھے جن میں اسمار الاسرار، شرح تمہیدات ہمدانی مجموعہ مکتوبات، حضایر القدس، شرح آداب المریدین شرح تصرف تشیری، خاتمہ اور دیوان فارسی انیس العشاق بے حد مشہور اور اول ہیں۔ قدیم اردو میں رسالہ معراج العاشقین (۱۲) اور شکار نامہ نہایت مشہور ہے۔

شکار نامہ (۱۳) فارسی میں بھی ہے۔ اس کی شرح بڑے بڑے محقق صوفیہ نے کی ہے اور آخری شرح علامہ اخگر حیدر آبادی کی ہے۔ (اقبال ریویو)۔۔۔ غرض آپ اُردو کے اولین معماروں میں ہیں اور اُردو کا جو تخم آپ نے دکن میں بویا تھا وہ اتنا بار آور ہوا کہ اپنی منازلِ ترقی طے کرتے ہوئے تمام ہندوستان پر چھا گیا۔۔

ہم یہاں بخوف طوالت مکتوبات مرتبہ حضرت ابوالفتح علاؤ الدین قریشی مطبوعہ سے آپ کے صرف چند اشعار نقل کرتے ہیں، جو آپ کی تعلیم کا لب لباب ہے۔

(۱) ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں:

’’جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است‘‘

(۲) رتی بھر، درد و محبت خداوندی ہے عطار:

کفر کا فر راو دیں دیندار را

ذرہ درد ت دلِ عطار را

(۳) یاران گجرات کو لکھا ہے:

گر یار نمی کند قبولت

خود را ستم بزلف او بند

بر در بیٹم گر از خانہ براند

بقول ''میں نہ دامن چھوڑوں گا تم نے اگر چھوڑا مجھے'' پر کار بند ہو۔

(۴) قاضی علم الدین بہروچی کو تحریر فرمایا۔ یعنی ''ملائکہ نے خدا سے عرض کی کہ ہم کو انسان کے شر و فساد کی تاب نہیں ہے، ندا آئی''۔

''لیس فی الحب مشاورۃ''

تو چہ گویم کہ تو مجنوں نہ۔۔۔۔۔۔

(۵) فرمایا کہ آنکہ در برنہ بر در اہر دم بہوائے خویش اہتر

ہیات فیہات

نہ یک فسوس کہ ہر دم ہزار بار افسوس

نہ یک دریغ کہہ ہر دم ہزار بار دریغ

(۶) ایک مرید کو لکھا:

حاصل عشقش سہ سخن بیش نیست

سوختم و سوختم و سوختم

(۷) مولانا نظام الدین محقق کو تحریر فرمایا:

صورت خوب تر از نسخہ اوست

یعنی خلق آدم علیٰ صورت

باز خوان و ببیں تقابل کن

(۸) مکتوب نمبر ۱۵ بنام ملک عزیز الدین و ملک شہاب الدین، جو سلطان، وقت کے ملازم تھے۔

فرماتے ہیں:

"باید کہ در ہر کارے کہ ہستی باش، باید کہ با خدا باشی وبغلب مقصود خود باشی گفتہ اند"

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست

کمر بخدمت سلطان بہ بند وصوفی باش

یعنی سلطان کی خدمت اپنے متعلقین کی خدمت مانع نہیں خلاف شرع کوئی کام مت کرو۔ راہ سلوک جلد طے کرنے کی فکر نہ کرو۔

اندک اندک علم گیر دواں گہے گویا شود

قطرہ قطرہ جمع گردد واں گہے دریا شود

حضرت خواہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہٗ، نے سلطان احمد شاہ بہمنی کو اسلامی مقاصدِ حکمرانی کی اس طرح تلقین فرمائی تھی۔

بادشاہ خود امور سلطنت انجام دے، اگر اسے سچی طلب حق پیدا ہو، متدین اور دیانت دار علماء باعمل سے مدد لے، مخبروں کے ذریعے بھی ان کے حالات کی جستجو کرے۔ پابندِ شریعت لوگوں پر مہربان اور مخالفین کی نہ سنے" امورِ شرعی کا فیصلہ کرنے میں فقہا کی مستند روایات پر عمل کرنے میں احتیاط برتے زکواۃ معاشی، انصاف وغیرہ۔۔صرف حنفی مذہب کے موافق فیصلہ نہ کرے، بلکہ جس مذہب کی روایات مسلم ہوں اسی پر فیصلہ کرے۔ منشیات اور مسکرات کی خرید وفروخت بند کردے۔ اپنی رعایا کے ساتھ اولاد کی طرح برتاؤ کرے، بادشاہ سلطنت کے روپے کو اپنا نہ سمجھے، وہ بیت المال ہے البتہ اپنی ضرورت کے موافق خرچ کرسکتا ہے۔ جو غیر مشروع باتیں لوازمات شاہی میں داخل ہوگئی ہیں، ریشمی وزری کا لباس، طلائی و نقرئی زیورات وظروف استعمال نہ کرے ملازمینِ شاہی، ظلم اور رشوت ستانی سے احتراز کریں اور نگرانی رکھیں مظلومین کی خبر گیری کرے۔۔۔ بارش نہ ہو تو خود کدال ہاتھ میں لے کر زمین کھود کر دُعا کرے۔ مجرم کو سزا صرف شر وفساد کی نیت سے دے۔

جو لوگ زکوٰۃ دینے میں حیلے بہانے کرتے ہیں ان سے جبراً زکوٰۃ لے، فقیروں، ضعیفوں، یتیموں، بیوگان کی خبر گیری غرض پائے۔

حواشی وتعلیقات

(۱) شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلیؒ خواجہ نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین تھے۔ مکہ سے ہجرت کر کے دہلی تشریف لائے ۷۵۷ میں رحمتِ ایزدی کے ساتھ واصل ہوئے۔

(ہارون خان شیروانی، دکن کے بہمنی سلاطین، ۱۹۸۲، سلسلہ مطبوعات ترقی اردو، بیورو، دہلی، ص، ۱۲۱)

(۲) ربیع الاول ۸۰۱ھ بمطابق نومبر ۱۳۹۸ء کا زمانہ جب تیموری فوجوں نے دلی کو تاراج کیا تو خواجہ گیسودرازؒ نے بھی دلی کو خیر باد کیا اور عازم دکن ہوئے۔

(۳) حضرت خواجہ گیسودرازؒ کا یوم وفات ۱۶ ذی قعدہ ہے۔

(۴) حضرت سید محمد حسینی جو کہ عام طور پر کو اجہ بندہ نواز کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت یوسف شاہ راجو قتال کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت شاہ راجو قتال دہلی مشہور بزرگ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریب کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز اس وقت بالکل کم سن تھے۔ جب آپ کی عمر پانچ برس ہوئی تو والدہ ماجد نے انتقال کیا اور دولت آباد کے قریب خلد آباد میں دفن ہوئے۔

(زور، محی الدین، ڈاکٹر، "اردو شہ پارے"، ج اول، ص ۱۹)

(۵) تاریخ حبیبی میں لکھا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد میں سے مخدوم ابن الحسن جنیدی بن حسین دہلی کی فتح کے لئے خراسان سے پ؟؟ تشریف لائے۔ مخدوم موصوف کو فتح نہ ہو سکی بالآخر کفر شہید ہوئے۔ اور مسجد ایاز کے صحن میں مدفون ہوئے۔ جبکہ آپکے متعلقین اسی شہر میں متوطن ہوئے۔ حضرت گیسودرازؒ کی ولادت ۷۲۱ھ میں ہوئی۔ آپؒ کے نسب کا سلسلہ بائیسویں پشت میں حضرت سید الشہداء حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔

(عبدالجبار ملکاپوری، محبوب ذی المنن، تذکرہ اولیائے دکن ۱۳۳۲، حسن پریس، ص، ۷۸۱)

(۶) شیخ گنج العلم حکومت علاؤ الدین خلجی کے دور میں بمقام دہلی ۱۳۰۶ء، بمطابق ۷۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لئے گجرات سے ہوتے ہوئے دولت آباد آ کر قیام کیا اور بیجاپور میں ۱۳۹۳ء بمطابق ۷۹۵ھ میں وفات پائی۔ انہیں دکن اک سب سے پہلا اردو مصنف مانا جاتا ہے۔

(۷) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قائم مقام اور سجادہ نشین تھے۔ آپ مکہ سے ہجرت کر کے دہلی تشریف لائے اور ۷۵۷ھ میں رحمتِ خداوندی کے ساتھ واصل ہوئے۔

(ہارون خان شیروانی، دکن کے بہمنی سلاطین ۱۹۸۲، دہلی)

(۸) خواجہ بندہ نوازؒ نے ابتدائی کتب صرف ونحو مولانا تاج الدین بہادر اور مولانا شرف الدین کیتھلی سے پڑھیں۔ پھر اکثر کتب معقول ومنقول مولانا قاضی عبدالمقتدر تھانسری سے تمام کیں۔ پھر علومِ ظاہری سے فارغ ہو کر سولہ برس کی عمر میں قدوۃ السعارفین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک کو فقہائے وصول تک پہنچایا۔

(عبدالجبار ملکاپوری، محبوب ذی المنن، تذکرہ اولیائے دکن، ۱۳۳۲ھ، حسن پریس، ص ۷۸۲)

(۹) خاندان بہمنی کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی ۸۳۸ھ تا ۸۲۵ھ بمطابق ۱۴۲۱ء۔۱۴۳۴ء حضرت خواجہ گیسودرازؒ کی دُعاؤں سے فیروز شاہ بہمنی کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا

(جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، لاہور مجلس ترقی ادب، ص ۱۲۶)

(۱۰) سخاوت مرزا نے اپنے ایک دوسرے مقالے میں خواجہ گیسودرازؒ کی عمر ۱۰۵ سال بتائی ہے

(شمولہ سب اس ا، اکتوبر ۱۹۸۰ کراچی)

جبکہ یہاں ۱۰۴ سال درج کی ہے۔ تاریخ پیدائش ۷۲۱ اور تاریخ وفات ۸۲۵ھ کے حساب سے آپ کی عمر ۱۰۴ سال ہی بنتی ہے۔ لہٰذا ۱۰۴ عمر کو درست مانا جائے گا۔

(۱۱) خواجہ صاحب کے ایک صاحب زادے کا نام سید محمد اکبر عرف بڑے میاں جبکہ آپ کی والدت ۷۶۳ ہجری اور وفات ۸۱۲ھ میں ہوئی۔ جید صوفی اور مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصنیف تبرہ الخوارضات میں بعض اردو الفاظ ملتے ہیں جبکہ دوسرے صاحبزادے کا نام سید محمد اصغر عرف میاں سبرہ ہے بالفصل بڑے میاں، بڑے صاحب اور چھوٹے صاحب کے نام سے مشہور ہیں، آپؒ کے دونوں صاحبزادے کرامت تھے۔

(عبدالجبار ملکاپوری، محبوب ذی المنن، تذکرہ اولیائے دکن ۱۳۳۲، حسن پریس س، ۷۸۴)

(۱۲) معراج العاشقین کو حفیظ قتیل ۱۹۶۸ء حسیں معراج العاشقین کا مصنف میں دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حضرت گیسودرازؒ کی نہیں بلکہ مخدوم شاہ حسینی بلکانوری کی تصنیف ''معراج العاشقین'' کا سنِ کتابت ۹۰۶ھ ہے۔

مولانا عبدالحق، ڈاکٹر، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ۱۹۵۳، کراچی، ص ۲۳)

(۱۳) برہان العاشقین کا دوسرا نام شکارنامہ ہے جو کہ تصوف کے دقیق مسائل وتماثیل پر مشتمل ہے۔ یہ ان کی تصنیف کتاب الاسمار کا ایک سمر ہے جو کہ فارسی زبان میں ہے برہان العاشقین کے ترجمہ کو شکارنامہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(افسر، امروہی مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد دوم، ۱۹۶۷ء، کراچی)

حضرت میراں جی شمس العشاق کی تاریخ وصال

حضرت میراں جیؒ بیجاپور کے مشہور بزرگ (۱) اور اُردو کے قدیم معماروں میں تھے جو محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے مختصر حالات تاریخ اولیاء بیجاپور مئولفہ محمد ابراہیم زبیری تذکرہ القادری (۲)، تاریخ خورشید جاہی (۳) مئولفہ غلام امام خاں ہجر، تاریخ لبساتین السلاطین (۴) مئولفہ، ابراہیم زبیری اور تذکرہ اولیائے دکن مئولفہ عبدالجبار خاں ملکاپوری اور بعض نسب نامہ جات سادات میں موجود ہیں۔ مگر آپ کی تاریخ وصال کے متعلق عجیب اختلافات چلے آتے ہیں، نیز یہ کہ آپ بیجا پور کے کس بادشاہ کے عہد میں وارد ہوئے۔

اس زمانے کے مشہور ادیب اور محقق مولوی عبدالحق (۵) مرحوم نے آپ کی وفات کے متعلق تحقیق رما کر یہ رائے قائم فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ۹۰۲ھ میں ہوا اور آب سلطان یوسف عادل شاہ کیمعاصر تھے۔ تاریخ اولیاء بیجاپور، بساتین السلاطین اور تاریخ اولیائے دکن کے مئولفین نے اس سے اختلاف کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ آپ سلطان عادل شاہ اول کے زمانے میں بیجاپور آئے (۶)۔

مولوی عبدالحق مرحوم کے پیش نظر ان کی اپنی رائے میں دو قومی اسناد ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کے وصال کی تاریخ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دکنی شاعر نے آپ کا مرثیہ لکھا تھا جس میں سنہ مذکور کی صراحت ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ شاعر کون اور کس زمانے میں تھا، پتا نہیں چلتا۔ دوسری سند یہ پیش کی گئی ہے کہ سید شاہ حسین ذوقی، ایک دکنی شاعر نے آپ کی تاریخ وصال کا سادہ "شمس العشاق" نکالا تھا جس کے اعداد ۹۰۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔ بظاہر تو مولوی عبدالحق کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، مگر شاہ حسین ذوقی کا بیان اس لئے مستند نہیں کہ وہ عالمگیر کے زمانے، یعنی میراضیؒ کے وصال سے دو سو سال بعد کا شاعر ہے۔ گویا اس نے آپ کے لقب "شمس العشاق" سے تاریخ وفات صدیوں بعد استخراج کی تھی (۷) نیز اس امر کے متعلق بھی بعض مورخین اختلاف یہ ہے کہ آپؒ کس کے خلیفہ تھے۔ اولیائے دکن نے آپ کو حضرت جمال الدین مغربی کا خلیفہ لکھا ہے، مگر بعض مستند شجرہ ہائے خلافت، اور خود آپ کے نبیرہ حضرت علی بابا نے اپنی تصنیف سراج العشق (۸) میں اور شاہ معظم (۹) نے بلکہ خود آپ نے خود کو سید شاہ کمال الدین بیابانی کا خلیفہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت موصوف اپنی

تصنیف شہادۃ الحقیقت میں فرماتے ہیں:

اس	کمالیت	کے	سنگ
اس	خانوادہ	کے	رنگ
ان	گمائے	اپنا	حال
تو	ہوئے	پیر	کمال
کچھ	تھے	نصیب	میرے
پگ	دیکھے	تو ان	کیرے

حضرت شاہ کمال الدین بیابانی، حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ متوفی (۸۲۵ھ) کے بیک واسطہ یعنی حضرت جمال الدین مغربی کے خلیفہ تھے۔ چنانہ ان حضرات کے مزار شریف روضہ خورد گلبر گہ شریف کے بائیں میں واقع ہیں۔

ڈاکٹر سید محی الدین (۱۰) قادری زور نے حضرت میراں جی قدس سرہ، کی تاریخ وصال مبینہ مولوی عبدالحق کے متعلق بلحاظ مرثیہ متذ کرہ صدر یہ لکھا ہے کہ "بقول سد بر رسالہ اردو، دادا یعنی میراں جی کا وصال تو ۹۰۲ھ (۱۴۹۶ھ) میں اور ان کے پوتے شاہ امین الدین کا وصال ۱۰۸۷ھ (۱۴۹۶ء) میں ہوا۔ اس لحاظ سے دادا اور پوتے کے سنین وفات میں ایک سو پچاسی سال کا تفاوت ہے جو قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا، مگر مولوی اکبر الدین صدیقی مرتب کلمۃ الحقائق (۱۱) مصنفہ سید شاہ برہان الدین جانم اسی مرثیہ منقولہ مولوی عبدالحق کی بنا پر جس کا ایک مکمل مرثیہ موصوف کو ملا ہے، مولوی صاحب کے بیان سے متفق ہیں، مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس مرثیے میں شاعر کا تخلص موجود نہیں جس کی بنا پر اس کو شاہ برہان کا مصنفہ تسلیم کیا جائے۔

عبدالجبار خاں مئولف اولیائے دکن حضرت میراں جی کے حالات اپنی تالیف میں دو جگہ لکھ گئے ہیں جس کے دو ماخذ معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم کے صفحہ ۸۳۶ بروہی حالات درج ہیں یعنی آپ کا مدینہ منورہ جانا اور وہاں بارہ سال قیام کے بعد حسب ایمائے حضرت نبی کریم ﷺ دکن تشریف لانا (۱۲) اور کمال بیابانیؒ سے فیض حاصل کرنے کے بعد بیجاپور کو اپنے قلام معنت لزوم سے مشرف کرنے کے بعد وہیں ۹۱۰ھ میں وفات پانا لکھا ہے اور اسی تذکرے میں تقریباً انہیں حالات کے تحت سنہ وفات ۲۵ شوال ۹۷۰ھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۲۲ اولیائے دکن جلد دوم۔ اگر آپ کے بیجاپور ورود کا زمانہ عہد سلطان علی عادل شاہ اول (۹۶۵ تا ۹۸۸ھ) تسلیم کیا جائے تو آخر الذکر سنہ ۹۷۰ھ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

حضرت میراں جی سلطان علی عادل شاہ اول (۹۶۵ تا ۹۸۸ھ) کے عہد کے شاعر نہیں ہیں البتہ بلحاظ بیانات مورخین متذ کرہ، صدر و خود نوشت حالات حضرت موصوف ہمارا خیال ہے کہ آپ کا وصال علی عادل شاہ اول کے عہد میں ہوا

ہے۔آپ نے کئی سلاطین دکن، مثلاً آخری سلاطین بہمنیہ سلطان محمود بہمنی (۸۸۷ تا ۹۲۴ھ) اور سلاطین عادل شاہیہ میں یوسف عادل شاہ (۸۹۶ تا ۹۱۶ھ) اسمعیل عادل شاہ، ابراہیم عادل شاہ اول (۹۳۶ تا ۹۵۶ھ) اور علی عادل شاہ اول (۹۶۵ تا ۹۸۸ھ) کا زمانہ دیکھا ہے، اور طویل عمر پائی، اور تقریباً ۹۷۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔

چنانچہ بساتین السلاطین مئولفہ غلام مرتضٰی کا ایک خاص قلمی نسخہ میرے پاس ہے جس میں علی عادل شاہ اول (۹۶۵ تا ۹۸۸ھ) کے عہد کے اہم واقعات کے ضمن میں لکھا ہے کہ "ورود میراں جی صاحب درسنہ" نہ صد وشصت وشش "(۱۳)۔۔۔۔"بناء شاہ پور متصل بیجاپور درسنہ نو صد وشصت وہفت"، گویا شاہ پور جہاں آپ کا مقبرہ ہے ۹۶۷ھ میں آباد ہوا۔اس لحاظ سے کواجہ گیسودراز قدس سرہ کی وفات (۸۲۵ھ) سے مولانا جمال الدین مغربیؒ، کمال الدین بیابانیؒ اور میراں جی شمس العشاق کا عہد سوا سو سال پر مشتمل ہے اور یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ حضرت میراں جی کے صاحب زادے برہان الدین جانمؒ کی عمر آپ کی وفات کے وقت پندرہ بیس سال سے زاید نہ تھی (۱۴) چنانچہ حضرت جانم ۹۹۰ھ تک بقید حیات تھے۔اس لحاظ سے میراں جیؒ کی تاریخ وفات ۹۰۲ھ تصور کی جائے تو حضرت شاہ برہان الدین جانم کی والد کی وفات کے بعد ۹۰ سال سے ائد تک بقید حیات رہنا قرین عقل نہیں معلوم ہوتا (۱۵)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ امین الدین اعلیٰ حضرت شاہ برہان الدین کی وفات کے بعد ہی تولد ہوئے۔گویا اس وقت جبکہ حضرت شاہ برہان الدینؒ کی عمر تقریباً ۱۱۱ سال کی تھی جو نہایت ضیعف العمری کا زمانہ ہے۔

نسل نامہ میراں جی شمس العشاق

مخفوظہ کتب خانہ آصفیہ مجموعہ نمبر ۱۲۹ فن فلسفہ تحفۃ الوزراء، اس مجموعے میں بیجاپور کے خصوصاً اعتقاد میراں جی کے حسب ذیل رسالے شامل ہیں:

(۱) رسالہ سراج العشق مصنفہ علی ابن حضرت شاہ بابا ابن شاہ امین الدین اعلیٰ

(۲) رسالہ وصیت الہادی مصنفہ شاہ برہان الدین جانمؒ۔

(۳) نسل نامہ حاجی شریف دوام الدین یعنی خودنوشت حالات حضرت میراں جیؒ۔

(۴) گفتار امین مصنفہ حضرت سید شاہ امین الدین اعلیٰ نبیرہ میراں جی قدس سرہ۔

(۵) تحفۃ الوزرا: موضوع نصایح بسلاطین۔نسبت ملک داری وسیاست وعدالت (۱) ومخطوطہ نمبر ۲ نسل نامہ میراں جی حاجی شریف دوام الدینؒ بدر حضرت میراں جی شمس العشاقؒ کتب خانہ عمر الیافی مرحوم۔اس مجموعے میں بھی مختلف بزرگوں کے نسل نامے ہیں مثلاً:

(۱)　نسل نامہ حضرت خواجہ سید محمد گیسودراز قدس سرہ۔

(۲)　نسل نامہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ۔

(۳)　نسل نامہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ۔

(۴)　نسل نامہ حضرت میراں جی شمس العشاق قدس سرہ جی میں آپ کی احفاد کے اسمائے گرامی بھی حسب ذیل درج ہیں: برہان الدین ابن علی، ابن شاہ بابا، ابن امین الدین اعلیٰ ابن شاہ برہان الدین جانم، ابن میراں جیؒ، غرض اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ نسل نامہ پشت ہاپشت سے خاندان میں چلا آتا ہے مگر اول الذکر مخطوطہ بلحاظ کاغذ وخط قدیم ہے۔

اس کا ایک تیسرا نسخہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خانقاہ عنایت الٰہی، جد ڈاکٹر زور مرحوم میں محفوظ ہے۔ (راوی مکرمی مولوی اکبرالدین صدیقی)

ہم اس نسل نامے کو بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں:

سلسلہ نسب سادات زیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صلی علی محمد صلعم سید الاولین والاخرین: نسل نامہ حاجی (۱) شریف دوام الدین، ابن سید علی، ابن سید محمد، ابن سید حسین، ابن سید داؤد، ابن سید زین، ابن سید احمد، ابن سید محمد، ابن سید حمزہ، ابن سید سیف اللہ، ابن سید ابوالحسن، ابن سید اسد اللہ، ابن سید ابوالحسن، ابن سید عبداللہ مظنوسی، ابن سید علی، ابن امام زین العابدین، ابن امام حسینؑ، ابن علی، کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب۔

بیتنانی محلقہ قریشیہ، عندیت صحابہ کرام ابوبکر، بن قحاقہ، بن مبارک، مکہ جانامی الہند، نسبت سن قوم چغطیہ (کذا) از قوم چغطیہ نسبت کردہ باز بمکہ معظمہ رفتہ، در مکہ تولد شدم، اسمنا امیر الدین نہادند۔ المعروف میراں جی، بعد از نسبت ودو سال یک طرفہ حال بیدا شد، از مکہ معظمہ بزیارت مدینہ شریف شدم، مدت دوازدہ سال وسہ ماہ وپنج روز بدرگہ قبلہ، کونین سید النبیاء والمرسلین بیک پہلو افتادہ در شب جمعہ حضرت سید المرسلین باصحابہ کرام قدوم سعادت ابد برایں فقیر آوردند، پابوس شدم، دست مبارک برسوم نہادند، الحمد للہ بمرادر سیدم، چنانچہ سرفراز کردند، ومرحمت وعنایت ورحمت عطا شد، سید الانبیاء دست ایں فقیر گرفتہ بدست حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سپردنہ، واز حضرت اسد اللہ نعمت ہائے بیکراں عطا یافتم۔

من بعد ابی حکم محمد مصطفیٰ ومرتضیٰ بہ ایں فقیر صادر شد کہ بہند بروند، نہایت عذرے بجز آوردم کہ زبان ہند گونا گوں فہمی ندارم، بزبان مبارک فرمودند کہ ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد، وملاقات کمال الدین بیابانی بگیرتہ، ہرچہ فرمایند، قبول کنند، برحکم معلیٰ بہنہ آمدم، ودر خدمت، شاہ کمال الدین رسیدم، چند ایام سعادت انجام خدمتم کردم، از سرزمین ہندو از زبان ہندی واقف شدم پیرا ایں فقیر رخصت فرمودہ، حکم کدخدائی کردند، وبزبان مبارک فرمودند کہ اے امیر میراں! از شما بسیار عالم بہرہ

خواہند یافت، برحکم پیرایں فقیر در بھنکار کد خدائی کردہ، چندروز ماندہ، درخدمت پیر آمدم وجائے کہ اشارت تی اللہ ہود، در آنجا مقیم وساکن باشند، برحکم پیر، فقیر در عہد علی عادل شاہ آمدہ، بہ استعانت اشارہ ساکن ومقیم شدم، الحمد للہ علی ذالک۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت میراں جی شمس العشاق سادات زیدی سے تھے۔ آپ کا اسم گرامی، امیر الدین، اور عرف میراں جی تھا۔ مکہ معظمہ آپ کا اصلی وطن تھا جہاں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ابن مبارک کے محلہ قریش میں آپ کا مکان تھا۔ آپ کے والد ماجد ہندوستان تشریف لے گئے۔ آپ کے ابتدائی ندگی کے بائیس سال مکہ معظمہ میں گزرے۔ اور بغلبۂ عشق الٰہی مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور وہاں روضۂ منورہ میں بارہ سال تین ماہ پانچ یوم قیام رہا، اور وہاں ایک ہی کروٹ پر سویا کرتے تھے۔ آخری ایام میں ایک روز جمعہ کو حضرت نبی کریم صلعم کی زیارت نصیب ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت صلعم کے ہمراہ موجود تھے۔ غرض آپ حضرت رسول کریم صلعم کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت صلعم نے اپنا دست کرم میراں جی کے سر پر رکھا۔ سرفراز کرنا تھا اس سے بہرہ اندوز فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر خدا سے بھی نعمتیں پائیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم اور حضرت علی کا ارشاد ہوا کہ میں ہندوستان چلا جاؤں تو آپ نے یہ عذر فرمایا کہ میں ہندوستان کی مختلف زبانوں سے واقف نہیں ہوں تو حکم ہوا کہ اطمینان رکھو، تم تمام زبانوں سے واقف ہو جاؤ گے (گویا اسی ارشاد فیض ترجمان کا اثر تھا کہ آپ دکن کی مروجہ زبان دکنی سے واقف ہو گئے اور اس میں ایک بیش بہا خزانہ، عرفان چھوڑا)۔ آنحضرت صلعم کا یہ بھی حکم تھا کہ تم کمال الدین بیابانی سے وہاں فیض حاصل کرو۔ اسی وجہ سے آپ دکن تشریف لائے اور گلبرگہ شریف یا مضافات گلبرگہ شریف میں حضرت بیابانیؒ سے ملاقات ہوئی جن سے آپ بعت ہوئے، اور پیرو مرشد کے حک کی بناء پر بمقام بھنکار جا کر شادی کی، اور کچھ دنوں وہاں رہ کر بموجب ایماء نبی کریم صلعم علی عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی، اور یہیں آپ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آپ کی یہ کو دنوشت سوانح عمری مختصر ہے جس سے آپ کے والد ماجد اور آپ کے حالات پر زیادہ روشنی نہیں پڑتی، البتہ یہ پتا چلتا ہے کہ آپ کے والد ماجد کا تعلق ہنودستان سے سالہا سال رہا، اور یہ کہ ہندوستان کے کس مقام اور شہر سے تعلق رہا کوئی روشنی نہیں پڑتی، مگر آپ کی تصانیف سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ کا تعلق غالباً احمد آباد گجرات یا احمد نگر سے رہا۔ چنانچہ حضرت میراں جی نے اپنی تصنیف شہادۃ الحقیقت میں قوم چغتائی کا اشارہ کیا ہے اور خودنوشت سوانح میں بھی اُ کے ننہیال کا تعلق قوم مغل چغتائی سے ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ آپ کے فرزند شاہ برہان نے اپنی زبان کو گوجری لکھا ہے۔ ایک تالیف الموسوم بہ مجمع الانساب (۱) مؤلفہ سید شاہ محی الدین قادری ساکن خانقاہ گچی محل بیجا پور مؤلفہ تقریباً (۱۲۰۹ھ) میں لکھا ہے کہ آپ کا خاندان قدیم زمانے میں مغل کہلاتا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حاجی شریف دولت، دوام الدین اور خطاب دولت خاں تھا۔ دولت خاں (دوام الدین) کے چار صاحبزادے تھے:

۱۔ تیغ جنگ خاں

۲۔ مراتب خاں

۳۔ میراں کاں

۴۔ ہیبت خاں۔

میراں خاں فرزند سومی دولت خاں ہی کو مؤلف مذکورہ نے میراں جی شمس العشاق لکھا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ، بیجاپور کا نہایت ذی عزت امرا کا خاندان تھا۔ ممکن ہے کہ میراں جی نے امارت کو خیر باد کر دیا ہو اور طلب الٰہی میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہوں، اور ان کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں ہوئی ہو، اور سن شعور میں ہندوستان بوجہ تعلقات سلاطین وقت واپس آئے ہوں اور کچھ عرصے بعد عشق الٰہی کے جذبے میں مدینے تشریف لے گئے ہوں۔ حسب ارشاد نبوی میراں جی نے عرض کی تھی کہ میں ہندوستان کی زبانوں سے واقف نہیں ہوں اور خود آپ کی عرفیت "میراں جی" ہندوستانی ترکیب پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حواشی وتعلیقات

(۱) آپ کا نام امیر الدین المعروف بہ میراں جی تھا۔ جبکہ لقب شمس العشاق تھا۔ والد کا نام حاجی شریف دوام الدین مکی تھا۔

(۲) تذکرہ القادری مؤلفہ قادر خاں بیدری بحوالہ مشکوٰۃ النموت قلمی۔

(۳) تاریخ خورشید جاہی۔ ص ۱۸۴۔ مطبوعہ۔

(۴) بساطین السلاطین قلمی۔

(۵) ''رسالہ اُردو'' اپریل ۱۹۲۷ء ص۔ ۱۷۱۔ ۱۷۳۔

(۶) میراں جی کی زندگی میں عادل شاہی حکومت ۱۴۹۰ھ میں وجود میں آچکی تھی۔

(جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اُردو آغاز سے ۱۷۵۰ تک'' ج اول، لاہور، جولائی ۱۹۷۵، ص ۱۶۸)

(۷) شاہ حسین ذوقی کا دور شمس العشاق سے تقریباً دو سو سال بعد کا ہے، اور دو سو سال بعد کسی کی تاریخ وصال ان کے زندگی میں اختیار کئے گئے لقب سے استخراج کرنا حیرت انگیز ہے، کیونکہ تاریخ پیدائش تو لقب سے نکالی جا سکتی ہے۔ مگر جو لقب زندگی میں اختیار کیا گیا ہو اس میں موت کی تاریخ کیونکر مضمر ہو سکتی ہے۔

(۸) ''سراج العشق'' مصنفہ علی بابا، مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ ۹۵۹ تصوف۔

(۹) معظم نامہ مصنفہ'' شاہ معظم، مخطوطہ سالار جنگ۔

(۱۰) زور۔ محی الدین، اردو شہ پارے، مطبوعہ

(۱۱) صدیقہ، اکبر الدین، ''کلمۃ الحقائق'' حیدر آباد، دکن، ص ۴

(۱۲) حضور (ﷺ) نے میراں جی کو خواب میں حکم دیا تھا کہ شاہ کمال الدین بیابانی سے اکتساب فیض کے لئے ہندوستان جاؤ، اس وقت ان کی عمر ۳۵ یا ۳۴ سال تھی۔

(۱۳) بساطین السلاطین قلمی (کتب خانہ سخاوت مرزا) ص ۸۵

(۱۴) حسینی شاہد، ڈاکٹر، سید امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ۱۹۷۳ء، انجمن ترقی اُردو الذھرا پردیش، ص ۹۳۔

برکات اولیاء میں ۲۲ ربیع الاول ۱۰۸۰ھ درج ہے:

(سید امام الدین، برکات اولیاء، ص ۱۱۵)

☆ اس کے علاوہ شاہ غلام علی، مشکوۃ النبوۃ مخطوطہ نمبر ۱۹۴، تذکرہ صفحہ نمبر ۴۹۵ جو کہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے میں صرف تاریخ وصال ۲۵ شوال دی گئی ہے، سن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

☆ محمد ابراہیم زبیری کے لکھے ہوئے روضۃ الاولیاء کے ایک نسخے میں تاریخ وصال ہے اور نہ سن۔ جبکہ روضہ الاولیاء کے ہی دوسرے نسخے میں لکھا ہے کہ عرس ۲۵ شوال کو ہوتا ہے۔

☆ تاریخ محمدیہ جو کہ جہانما علی شاہ کی لکھی ہوئی میں صفحہ نمبر ۲۰۲ پر میراں جی کا ذکر ہے مگر تاریخِ وصال ندارد ہے۔

مولوی عبدالحق میراں جی کے سنِ وصال پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "تذکرہ اولیاء دکن" میں ان کی تاریخِ وصال ۹۱۰ھ درج کی گئی ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ شمس العشاق سے ان کی جو تاریخ نکلتی ہے وہ ۹۰۲ ہے اور یہ مادہ تاریخ شاہ حسین ذوقی کا کہا ہوا ہے۔

مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ مجھے ایک پرانا مرثیہ ملا ہے، جو کہ کسی نے حضرت شمس العشاق کے وصال کے موقع پر لکھا ہے، اس مرثیہ میں موجود داخلی شہادتوں سے ان کی تاریخ وصال ۲۵ شوال ۹۰۲ھ ثابت ہوتی ہے، جن اشعار میں یہ ذکر ہے انہیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

سرو دمیرا ڈھل گیا — کرتار بھایا ان کا کیا
جوان کیا میں سرلیا — جسے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ حضرت سال نوسو — اس پر اگلے بھی دو
دو دین مدت وفا شو — جنے کچھ حکم الٰہی کا
اربع سوں یوں سال ہے — ماہے کوں شوال ہے
رحلت کیئے اس حال ہے — جسے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ بست و پنج بود — بسیار گریاں رنج شد
درحال واصل گنج خود — جسے کچھ حکم الٰہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا — ہجرت منور پور کیا
جیوڑا فیض کران کیا — جسے کچھ حکم الٰہی کا

اس مرثیے کے خصوصاً ان اشعار کی قرات میں اختلاف ہے جن میں سن وفات آیا ہے۔

(۱) تاریخ حضرت سال نوسو اس پر اگلے بھی دو۔ (مولوی عبدالحق)

(۲) تاریخ حضرت سال نوسو دو اس پر اگلے بھی دو۔ (اکبرالدین صدیقی)

(۳) تاریخ حضرت سال نوسو دو اس پر اگلے بھی دو۔ (ہاشم علی)

مذکورہ اشعار میں درست قرات کا تعین ضروری ہے۔ پھر اس کے علاوہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ حضرت کا مفہوم کیا ہے؟ ''اربع سوں' کی درست قرات اور مفہوم کیا ہے؟

اہم بات یہ ہے کہ میراں جی کا وصال پنجشنبہ کی شب کو ہوا۔ لہٰذا آپ کا سنِ وصال ایسا ہونا چاہیے کہ جس کی ۲۵ شوال کو چہارم شنبہ کا دن ہو۔

مذکورہ بالا مصرعوں میں مولوی عبدالحق اور اکبر صدیق کے مصرعوں میں فرق ہونے کے باوجود سنِ وفات ۹۰۲ نکالا گیا ہے۔ یعنی صدیق صاحب نے مولوی عبدالحق کے مصرعے میں ''وو'' کا اضافہ کیا ہے، مگر اس سے مفہوم میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا ہے۔

ہاشم علی کے مطابق یہ لفظ ''وو'' ''نہیں بلکہ ''دو'' ہے۔ جس سے سن وفات ۹۰۲ھ کے بجائے ۹۰۴ھ بن جاتا ہے۔ اور ۹۰۴ھ میں ۲۵ شوال کو چہار شنبہ کا دن تو ہے مگر اس سن کو اگر درست سال وفات مان لیا جائے تو ان کا یہ بیان غلط ہو جاتا ہے کہ علی عادل شاہ اول کے دور میں بیجاپور آئے۔

متذکرہ مرثیہ کے جن اشعار میں سن آیا ہے۔ ان میں اربع سوں غلط قرات ہے یہ لفظ ''اربع لسوں'' ہے۔ یعنی شاعر کے مطابق میراں جی کی وفات ۹۴ سال کی عمر میں ہوئی۔

متذکرہ محققین میں سے کسی نے بھی حضرت کے لفظ پر غور نہیں کیا اگر آپ کا سنِ وفات ۹۰۲ھ یا ۹۰۴ھ ہوتا تو شاعر بہ سہولت رحلت کا لفظ استعمال کر سکتے تھے۔ مگر یہاں انہوں نے حضرت کا لفظ استعمال کیا اور رحلت کا لفظ آگے استعمال کیا۔

لفظ ''حضرت'' کے لغوی معنی نزدیکی، حضور، بارگاہ اور حاضری کے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کلمہ تعظیم بھی ہے۔ لہٰذا اس سے ہم یہ ہی نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں کہ سالِ حضرت سے مراد وہ سال ہو سکتا ہے جس میں میراں جی ہندوستان آئے اور کمال الدین بیابانی سے بیعت ہوئے۔ تو یہ لفظ حاضری کے معنوں میں لے کر شاعر نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ سن ۹۰۲ھ ہے یا ۹۰۴ھ ہے یا کچھ اور ہے؟ اگر اس سن کو ۹۰۲ھ مان لیا جائے اور ہندوستان آمد کے وقت ان کی عمر ۳۴۔۳۵ سال فرض کی جائے تو سن پیدائش ۹۰۲+۳۵=۸۶۷ اور سن وفات ۸۶۷+۹۴=۹۶۱ ہوگا۔ اور ۹۶۱ کو ۲۵ شوال کو ایک شنبہ تھا۔ اس لئے یہ بھی درست نہیں۔

اگر ہاشم علی کی قرات کے مطابق اس سن کو ۹۰۴ مان لیا جائے تو میراں جی کا سن پیدائش ۹۰۴۔۳۵=۸۶۹ اور سن وفات ۸۶۹+۹۴= ۹۶۳ تھا ہے، ۹۶۳ھ کو ۲۵ شوال کو سہ شنبہ کا دن تھا۔ لہٰذا یہ بھی درست نہیں۔

اب قرین قیاس یہ ہے کہ متذکرہ مصرعے سے ۹۰۲ھ یا ۹۰۴ھ کا استخراج درست نہیں ہے۔

یہ تاریخ حضرت سال نوسو دو اس پر اگلے بھی دو سے یہ سن ۹۲۲ ہو سکتا ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس میں شاعر نے

پہلے صدی کا ذکر کیا ہے۔اور بعد میں ''دواور اگلے بھی دو'' سے ۲۲ کے ہندسے کی طرف اشارہ کیا ہے۔اگر ۹۲۲ھ میں میراں جی ہندوستان آئے تو اس اعتبار سے ان کا سنِ پیدائش ۹۲۲+۳۵=۸۸۷ بنتا ہے،اور اگر انہوں نے ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا تو ان کا سنِ وفات ۸۸۷ + ۹۴=۹۸۱ قرار پاتا ہے۔اس سال ۲۵ شوال کو چہار شنبہ کا دن تھا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ۹۸۱ھ کو میراں جی کا سن وفات تسلیم کیا جائے تو باقی قرائن کیا کہتے ہیں۔

تو مرثیے کی تمام تفصیلات کا تعلق دوسرے تمام و؟؟ واشارات سے بنتا ہے۔اور اس طرح علی عادل شاہ اول کے دور میں میراں جی کا بیجاپور آنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان کے پیر و مرشد کمال الدین بیابانی کی عمر میراں جی بیعت کے وقت تقریباً ۱۲۲ سال ہونی چاہیے تو قدما میں اتنی عمر عام تھی۔

لہذا ہم ۹۸۱ھ کو ہی میراں جی شمس العشاق کا سال وفات تسلیم کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت گیسودرازؒ کے چند ہندی گیت

حضرت قدوۃ العارفین سید محمد حسینی گیسودراز المقلب بہ عاشق شہباز بلند پرواز المعروف بہ خواجہ بندہ نواز دہلوی ثم گلبرگوی قدس سرہٗ العزیز کے علمی، ادبی، تحقیقی کارنامے مشہور و معروف ہیں۔اور اردو ادب میں آپ کا اولین معماروں میں شمار ہے۔آپ نے ۱۰۵ سال کی طویل عمر پائی (۱) دہلی میں پیدا ہوئے۔کمسنی میں بزمانہ منتقلی پایہ تخت دولت آباد (دکن) والد بزرگوار کے ساتھ آئے، علمائے دولت آباد سے استفادہ کیا۔والد کے وصال کے بعد بتلاش پیر والدہ ماجدہ کے ساتھ دہلی آئے (۲) اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ (۳) دہلوی کے سر ہوئے۔اور قاضی عبد المقتدر سے علوم باطنی کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری کی بھی تکمیل فرمائی۔حضرت چراغ دہلوی سے برسوں فیض حاصل کیا۔اور خلافت حاصل فرمائی۔

غرض حضرت خواجہ بندہ نواز جب دکن تشریف لائے ہیں تو انکی عمر اسی ۸۰ سال سے کم نہ تھی۔(۴) بڑے بڑے جید علماء و فضلا و عرفا آپ کے خلفا میں شامل ہیں۔حضرت میر اشرف جہانگیر سمنانیؒ حضرت سے ملنے کے لیے گلبرگہ شریف آئے (۵) تھے۔اور بعض دقائق کے بارے میں تبادلہِ خیال بھی ہوا تھا۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کے بعض دکنی رسالے ''معراج العاشقین'' (۶)، ''شکار نامہ'' منظرِ عام پر آچکے ہیں۔اور ان میں اول الذکر کا سہرا سب سے اول بابائے اردو مغفور کے سر ہے۔

ہم یہاں بعض خاص ہندی گیتوں کے متعلق جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں اور خاص ''بند سماع'' یعنی بند کمرے کی قوالی سے متعلق ہیں۔جس میں خاص خاص لوگ ہی شریک ہوسکتے تھے۔چناچہ سالانہ عرس شریف کے موقع پر اب بھی یہ رواج جاری ہے اور ''بند سماع'' کے نام سے مشہور ہے۔

یہ ایک واقعہ ہے کے خواجہ بندہ نوازؒ (التوفی ۸۲۵ھ) ہندی سے کماحقہ واقف تھے چناچہ آپ کی نہایت مشہور تصنیف ''اسماء الاسرار'' میں خود حضرت موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ایک محبوبہ کے مکالمے کو ہندی سے فارسی کا روپ عطا کیا ہے۔ل یز خواجہ علیہ الرحمتہ کی نظر سے ہندی کتابیں گذری تھیں۔اور سادھوں اور جوگیوں سے توحید کے متعلق بحث مباحثہ بھی ہوا تھا۔ان گیتوں میں مصنف نے اپنا نام و تخلص بلکہ اپنے مرشد کا نام بھی ظاہر کیا ہے بلکہ

اپنے پیارے اور لاڈلے پوتے سید شاہ یداللہ عرف میاں قبولا کا بھی۔ اور ان سے اپنی والہانہ محبت کا اشارہ بھی فرمایا ہے۔ (گیت ۲) البتہ الفاظ میں بوجہ امتدادِ زمانہ اور قوالوں کی کم علمی کی وجہ سے تغیرات ہوئے ہیں اور یہ اسی چیز ہے جو صدیوں سے قلم بند نہ ہوسکی۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے مستند ہونے کا فتوے دینے میں تامل ہوسکتا ہے مگر بعض قدیم مشہور نظمیں مہابھارت یا یونانی الیڈ وغیرہ ایسی موجاد ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آتی رہیں اور صدیوں بعد معرضِ تحریر میں آئیں۔ ان گیتوں کا صرف آپکی خانقاہ تک محدود رہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کے ان میں بڑی حد تک اصلیت ہے۔ لسانی نقطۂ نظر سے اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ہم یہاں ان میں سے چند گیت معہ صراحت وتشریح ضروری ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں ۔

اللہ میں تجو باج، کیوں رہوں ایک تِلاِ

شاہ کا بیراھا بھیدان میرے کئے یاں

حل لغات: تجو: تجھ باج: سوا (دکنی) تِلا: تل، لحہ

بھیدن: (بھَید) جدائی، تفرقہ بَہدھا: ممانعت، رکاوٹ

بیراھا: رکاوٹ پَہریا: پہرہ دار، محافظ

مطلب: ۔ یااللہ میں تیرے بغیر ایک پل کیسے چین سے رہوں، تیرے آستانے کا محافظ مجھے اندر نہیں جانے دیتا۔

خواجہ نصیرالدین تن میں ٹھڑے رچن ہاں تن میں ٹھیر کے رچن دِہ

ددیں (نیدہاں) ہاں لے موری دونیدہاں لے موری ددیں درس، الاینڈے کی سجنا، الاینڈے کی انوار، الاینڈے کی، قبولیت کرو، میں اَئن قبولیت کرو، من اَئن قبولیت کرو، من اَئن درس۔ (یامیرے اللہ میں تجو باج کیوں رہوں یک تِلا)

حل لغات: ۔ٹھڑے (ٹھیرے) یا ٹھر دھ بمعنی قائم۔ مستحکم، (رچ) شوق، مزہ، ادھوری، (آدھار، رے) سوچ، بخار وسیلہ، نیدھان، نیدھان بمعنی دیدار، وصل، درس، درشن، الاینڈے (اللہ نیدھان یعنی دیدار) آنن) چہرہ۔ منہ، دیدار

مطلب: ۔ خواجہ نصیرالدین میرے جسم میں سماجائیں یعنی (فنافی المرشد) ہوجانے میں عجب لذت ہے اور انھوں نے سید محمد ﷺ کا وسیلہ بن کر وصل حق کی لذت سے مستفید کردیا ہے۔ یااللہ، میرے انوار تجلیات اور دیدار قبول ہوجائے، مجھے وصل الٰہی حاصل ہوجائے کسی صورت سے۔ میں دیدار کے لئے تڑرہا ہوں۔

حقیقت (راگ حقیقت) آج بیراھے کی آگ مجھ تن لاگے رے، مجھ تنے لاگے رے، دھ!

موکا دیکھلائے کار، موکا دیکھلائے کار، رادی کرسی لگائے۔

ہاں ایواللہ حسینی دیداللہ) تو مرالالہ رے، ہاں اللہ حسینی (دیداللہ) تو مرالالہ رے، ہاں عشقوں، بھیدیں، میرے (میرا) بالا رے بیرا ہے۔ برھ، دھ دَ و یہھ ومدہ، روشن، کار، (ف) مقصد یا کارن (ھ) راوی۔ رادھی (رادھیکا)، رادھا (کرشن جی کی معشوقہ) کرسی (ع) تخت شاہی اور کرسی دھ، یا چک دشتی۔ ایواللہ حسینی)

خواجہ بندہ نواز آج میرے تن بدن میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میرا مقصد برآیا ہے۔ رادھا (معشوق) کرسی لگائے بیٹھی ہے (یا رادھا (معشوق) نے یا چک دشتی کی سی آگ لگا رکھی ہے۔

اے یداللہ حسینی تو تو میرا لالہ ہے۔ میرے عشق کا بھید ہے، تو میرا لاڈلا ہے۔

راگ حقیقت:۔

اٹھنا سہاگن سیجا سے تیرا لالہ نہ جاگے

تس دین شو تیرا جاگا تھا، میرے اللہ: تس دین شو تیرا جاگا تھا

تجھ کو نید اڑی لائے تجھ کوان کاڑی لائے، تجھ کو نید اڑی لاگے

اٹھنا سہاگن سیجا سے تیرا لالہ نہ جاگے

شو بمعنے مبارک، شیوجی، مہادیو کا نام۔ شو (ف) شوہر کا نام۔ اگر شو کا ماخذ شوبھ ہی تو بمعنے حسن، تس دین۔ جس دن، تید اڑی (تنیدڑی) نیند، اَن کاڑی، انا کارن، (ھ) خوامخواہ۔ کارا (بمعنی دکھ)

اے سہاگن اپنی سیج اس طرح اٹھ کہ تیرا عاشق نہ جاگ اٹھے اوس کی نیند خراب نہ ہو

اے میرے اللہ جس دن تیرا حسن جلوہ گر ہوا تھا تو تجھ کو نیند لگ گئی؟ افسوس!

شاہ کی سیجا نادا کی جو کوئی جاگے سو پائے، جو کوئی جاگے سو پائے

آج ایک جاگو نہ عاشقوں کا میرے اللہ: آج ایک جاگو نہ عاشقوں کا کیا

پھر جاگا انوار: کیا؟ پھر جاگا انوار اے۔ اٹھنا سہاگن سیجا سے

حل لغات:۔

نادا کی (نیدا کی) نیند سے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ تک رسائی وہی حاصل کر سکتا ہے جو بیدار وسطلب (ھ) بقول جو جاگا سو پایا۔ اے مرے اللہ ایک بھی عاشقوں میں سے بیدار نہ ہوا۔ پھر جاگا انوار۔

ارے دیکھو تو سہی تجلیات الٰہی کے کیسے انوار روشن ہیں۔ بقول سعدیؒ

گر نہ بروز شپر چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

غفلت نیدان تجھے لاگی ہے   دیتار تھا کب؟   (تکرار)

درد یکھ دلوں کی سیجا ہے   (تکرار)

--------اٹھنا سہا گن سیجا سے تیرا لالہ نہ جاگے

مخفی جا گا تھا سیجا سے، ظاہر جا گا انوار، ظاہر جا گا انوار،

سوتی تھی میں بھر نیندوں میں، اللہ، سوتی تھی میں بھر نیندوں،

حسینی تو مان جگائے، شاہ باز تو مان جگائے، حسینی تو مان جگائے

--------اٹھنا سہا گن سیجا سے تیرا لالہ نہ جاگے

تُو م(ھ) تم۔تو مان۔تم (تمن؟) دکنی

بقول صوفیا:۔ میں مرتبہ غیب الغیب میں ایک گنج مخفی کی حثیت رکھتا تھا۔ جہاں امتیاز علمی وعینی بھی نہ تھا۔ اوس کے بعد امتیاز علمی عینی پیدا ہوا۔۔۔تو نے مجھے عالم شہود میں جلوہ گر کر دیا۔ ورنہ میں تو علم الٰہی میں محو خواب تھا، تیرے اشتیاق ظہور نے مجھے جگا دیا۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں۔

بود عیاں جہان بے چند رچوں   زا امتیاز علمی وحسینی مصئوں

نا گہاں در جنبش آمد بحر جود   خویشتن راخود بخود باخود نمود

میر دوست محمد برہان پوری۔

سوتی تھی سکھ چین سوں گھر اپنے پانو پسار

موہن موعو جگائے کے پھر یو دورائے دوار

حواشی وتعلیقات

(۱) سخاوت مرزا نے اپنے ایک دوسرے مقالے: حضرت خواجہ بندہ نوازؒ قدس سرہ: مشمولہ سب رس اکتوبر ۱۹۸۰ء، کراچی میں خواجہ گیسودرازؒ کی عمر ۱۰۴ سال تحریر کی ہے، اور سن پیدائش ۷۲۱ھ اور سن وفات ۸۲۵ھ کے حساب سے درست عمر ۱۰۴ سال ہی مانی جائے گی۔ سخاوت مرزا کو یہاں تسامح ہوا ہے۔

(۲) سن ۷۳۶ھ میں دہلی تشریف لائے۔

(۳) حضرت شیخ نصیر الدین لودہی المشہور بہ چراغ دہلی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قائم مقام اور سجادہ نشین تھے۔ آپ مکہ مکرمہ سے مراجعت کر کے دہلی تشریف لائے تھے۔

۷۵۷ھ میں رحمتِ خداوندی سے واصل ہوئے۔

(شیروانی، ہارون خان، مترجم رحم علی الہاشمی، ''دکن کے بہمنی سلاطین''، ۱۹۸۲ء، سلسلہ مطبوعات ترقی اردو بیورو، دہلی، ص ۱۲۱)

(۴) خواجہ گیسودرازؒ ۸۰۱ھ میں دکن میں تشریف لئے۔

(۵) خواجہ گیسودرازؒ ۸۰۵ میں گلبرگہ میں وارد ہوئے۔

(۶) معراج العاشقین کا انتساب خواجہ بندہ نواز سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ حفیظ قتیل نے ۱۹۶۸ء میں اپنی کتاب ''معراج العاشقین کا مصنف'' میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ تصنیف خواجہ بندہ نوازؒ کی نہیں بلکہ مخدوم شاہ حسینی بلکانوری کی ہے۔ جنکا زمانہ گیارہویں صدی ہجری کا ہے۔

(۷) ''شکارنامہ'' کا دوسرا نام ''برہان العاشقین'' ہے۔ جو کہ تصوف کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ خواجہ بندہ نواز کی تصنیف ''کتاب الاسرار'' کا ایک سمر ہے۔ جو کہ فارسی زبان میں ہے۔ بے شمار علماء نے اسکی شرحیں لکھیں ہیں، برہان العاشقین کے اردو ترجمے کو ''شکارنامہ'' کہا جاتا ہے۔

(امروہوی، افسر، ''مخطوطات انجمن ترقی اردو''، ج دوم، ۱۹۶۷ء، کراچی۔)

سب رس میراں جی شمس العشاق

یا

تاج الحقائق وجہی

سب رس زیر بحث کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ (۱) میں میری نظر سے گزرا تھا، متن میں مصنف کا نام و رسنہ کتابت درج نہیں ہے۔ ابتداء میں یہ نسخہ ناقص معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ایک دوسرا مخطوطہ پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی ثم حیدر آبادی کے پاس تھا، اور موصوف کا ایک مضمون بھی اس پر سالہا سال قبل رسالہ ''النور'' جلد ۲، شمارہ ۶، ۱۳۴۳ھ حیدر آباد دکن (۲) میں بعنوان ''سب رس میراں جی شمس العشاق'' شائع ہوا تھا جس کی ابتدائی عبارت یہ تھی: ''اللھم صلی علیٰ محمد، جن کی بات خدا کی بات میں سند، کتاب تاج الحقائق رواج الحقائق، سراج الحقائق، معراج الحقائق، جس کتاب کے مطالعہ کرنے سے خدا جلدی پایا جائے وہی کتاب سب کتابوں پر فایق''۔

ترقیمہ:

''کلام میراں جی شمس العشاق کے کلام شاہ وجیہہ الدین بزبان دکھنی ترجمہ نمودہ، سب رس نام کردہ اند،۔۔۔۔فرمودۂ عصمت مآب بلقیس زمان خدیجہ بیگم (۴) سلمہا اللہ تعالیٰ۔ فقیر ریاض اللہ حسینی تحریر نمودہ، ۱۵ صفر ۱۱۱۸ھ''۔ مخطوطات تاج الحقائق وجہی مخزونہ کتب خانہ جامعہ بمبئی (۳) و کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی، مرتبہ البصری شاہ، نیز مخطوطہ سب رس ادارۂ ادبیات اُردو و کتب خانہ سالار جنگ کی ابتدائی عبارت بھی وہی ہے، جو سطور بالا میں درج ہے، اس لئے ہماری رائے میں اس تصنیف کو جو دراصل تاج الحقائق وجہی ہے، حضرت میراں جی شمس العشاقؒ سے موسوم کیا گیا ہے، غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاج الحقائق کی اس عبارت سے کہ ''ہمیں ہاتف العشاق، ہمیں ہادی العشاق، ہمیں عشق العشاق، شمس العشاق'' سے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ تصنیف حضرت میراں جی شمس العشاق کی ہے، اور بجائے وجیہہ الدین وجہی

کے اس کو علامہ وجیہہ الدین گجراتیؒ کے کسی رسالے کا ترجمہ قرار دے دیا گیا(۵) میراں جی موصوف کے رسائل کی زبان اور اسلوب بیان سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی۔ کاتب نے اس کو خدیجہ بیگم (بلقیس زمان) کی فرمائش سے ۱۱۱۸ھ میں نقل کیا تھا، مگر یہ کہ جس کے نام سے کائنات کو کام، عابد کو نماز ہے، اور عاشق کو نیاز ہے، کہ اے نیاز کی قدر وہ جانے جو کہ محرم اسرار ہے"۔

خاتمہ:

"وں حکیم تیری حکمت توں جانے، لاک حکمت، تیری حکمت، ایک حکمت میاں تیری حکمت کون کون پچھانے، تیرے کان (کذا)، تجچہ پچھان، نہ زمین سمجھے نہ آسمان، ولیاں ہور نبیاں یہاں سرگرداں، حیراں، اللہ اللہ سبحان اللہ، قادر اللہ، اللہ، اللہ اللہ، سہروان اللہ ہے، نیاز تمام ہوئے اتال ایک تسبیح تمام ہوئی، لک سو بار بول۔۔۔ نیاز کرنہار توں، بے عیب پاکے (پاک) پروردگار۔ والسلام والاکرام، رہے خدا نام، تمت تمام، اتا شروع ہور ختم کام"۔

رسالہ تصوف دکنی آصفیہ (۱) مصنف نامعلوم مگر تاج الحقائق ہی کا آخری حصہ ہے، جس کا موضوع تصرفہ ہے، اگر چہ کہ اس میں کوئی عنوان یا ابواب قائم نہیں ہیں، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو حسب ذیل عنوانات قائم ہو سکے ہیں:

☆ نماز اور نیاز صوری و معنوی نقطہ نظر سے یعنی

☆ نماز اور نیاز از روئے شریعت

☆ نماز اور نیاز از روئے حقیقت وراہ عشق

نیاز، کے فصول:

دُعا کا وقت، نیاز کے وضو کی ترتیب، نیاز کی نیت، نیاز کی ترتیب، صبح کی نیاز، شام کی نیاز، سوتے وقت کی نیاز، کھانے کے بعد کی نیاز، استنجے کی نیاز، (طہارت)۔

☆ تعریف سخن دکھنی، التماس، تعرف خود، استمداد کی تمنا

☆ ضمناً آخر میں بعض پر لطف مضامین حسب ذیل

☆ چاندنی رات، خوش حالی، فکر وغم، خاتمہ

ہم یہاں تاج الحقائق مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد سے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں، جس سے وجہی کی زباں دانی اور اسلوب بیان کا اندازہ ہوگا، جس کو میراں جی شمس العشاقؒ سے منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائی عبارت یہ ہے، جس کی مطابقت ابصار علی شاہؒ کے مکتوبہ قلمی نسخوں یعنی تاج الحقائق سے ہوتی ہے۔

"کلام میراں جی شمس العشاق (۲) کہک کلام شاہ وجیہہ الدین بزبان دکھنی ترجمہ نمودہ اند وسب رس نام کردہ

اند"۔ تعجب ہے کہ مرتب فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ، نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے اس پر کوئی تنقیدی نظر نہیں ڈالی۔

آغاز:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللھم صلی علیٰ محمد، جنو کی بات خدا کی بات میں سند کتب؟؟؟؟؟ کتاب کو مطالعہ کرنے کے خدا بیگ پایا جائے، وہی کتاب سب کتابوں پر فائق۔۔۔۔عشق خلاصۂ موجودات ہے"۔

موضوع:

"اس رسالے میں ہمیں کنیں (کہیں) عشق کے عالم کی بات کہتے ہیں، کنیں عقل کے عالم کی بات کہتے ہیں، جس عالم کی بات کہتے ہیں، اس عالم سوں اس بات کون پانا، اگر سمجھے تو خوب واگر نیں سمجھے تو ٹک اندیشا، ٹک فکر کرنا، بعضے جاگا وقت درکار ہے، ولے کچھ خاطر میں نالیانا اس کلام کوں پڑنے، اس کلام کے مقصود کون اپڑنے، ہر بے فہم کوں کاں فہم ہے، جکوئی جانب اللہ ہے، وو سمجھے گا، تحقیق جانے گا کہ یو جانب اللہ کا کلام ہے، اس رسالے میں فصاحت بلاغت بات بات کا مانا (معنی) ناز نیاز، اسرار سب بھرپور ہے، اگر ہمارے کلام کوں کوئی نا سمجھے تو ہمارا تقصیر نہیں، اس کی وجھ میں قصور ہے، پاؤ آدھی کوں سمجھتا ہے، آدھا پونے کوں سمجھتا ہے۔

"اگر کافر ہے، اگر فرنگی ہے، اگر جھودی ہے، اگر ارسنی ہے، اگر مومن ہے، کوئی دل میں شک نالیاوے، حق شناسی قائمیت پر آئی،

خوش حالی:

"خوش حالی کرنے تے دل گیر اچھنا بہتر ہے کہ اس دل گیری میں تے بی (سے بھی) خوش حالی پیدا ہوتی ہے"۔

حقیقت عالم ظاہری:

"ارے طالب، ایتا جوں جس کوں جو دستا ہے سو اس ہیچوں بچگوں میں تھے پیدا ہوا ہے، یو تمام ہست اس نیست میں تھے ہویدا ہوا ہے، اگر یو ہور وہ کہیں گے تو بھی ہیچ (ہے) اگر یو وا ایکچ ہے کنیں (کہیں) گے تو بی ہیچ (وہی)، یاں جو دیکھیں گے تیوں ہیچ (ہے) یا نیچ (نہیں) بلکہ نیں بھی ہیچ؟ ہمیں کہنے کا تھا سو کہے"۔

عناصر خمسہ ظاہری و باطنی:

"چار عناصر سوں انسان کا وجود، وجود پکڑیا ہے، یو جیوں صفات ہور زات ہے، آگ غصا (غصہ) ہے، پانی حلم ہے، خاک عاجزی ہے، باؤ خیالات ہے"۔

''تج میں عشق ایک عالم ہے، عقل ایک عالم ہے، قیاس ایک عالم ہے، تصور ایک عالم ہے، تفکر ایک عالم ہے، گمان ایک عالم ہے، وہم ایک عالم ہے، خیال ایک عالم ہے، یو سب آپس میں کے عالم ہیں، ہر ایک عالم میں تو سیر کرتا جاتا، ہر ایک عالم میں ہزار ہزار تماشے ہیں، جو پائے گا تو محظوظ ہوئے گا''۔

تصور شیخ:

''دھیان پیر کا نکو (مت) ٹلنے دے، اسے حضوریت کہتے ہیں، اگر تو عاشق ہے تو حضور اچ (رہ) حضوریت کوں قام کر، غافل نکوا چہ، ہشیار ہو، آخر مرنا ہے، بارے جیوتا ہے تو لک کچ کام کر، رات کوں سوتے وخت (وقت) تو اس میں فکر کر، دیکھ کہ آج کا دیس (دن) کیتا وخت خدا کے یاد سوں گزریا''۔

ذکر اللہ:

''اے طالب جو لا الہ الا اللہ کا ذکر زبان، دل سوں کرے گا تو لا کہتے وخت، اپنے وجود کوں اور تمام عالم کوں تصور سوں فنا کر جان، اور جو الا اللہ کہے گا اوس وخت (وقت) سب فنا، اس پچھیں رہن ہارا ہے سو اللہ چہ (ہی) ہے''۔

موت:

''موت کوں بہوت یاد کرتا جا، اس پرتے دنیا (کا) رنگ سب بھنگ ہو جائے گا''۔

رویت حق:

''رایت ربی فی صورتہ (عائشہؓ) ایک جا گا کہتے ہیں، اریت ربی فی صورۃ امرد (حدیث)''۔

ریاضت:

''طالب کوں چالیس دیس (دن) ایک حجرے میں کھانا پانی دے کر وانچہ (وہیں) رکھے، وانچہ اچھے، وانچہ سووے تا اس کا ہواس (حواس) پریشان ہے سو جمعیت پڑتا، خلق کی آشنائی اس تیں (سے) ٹوٹے ہور آپس سوں اپی محظوظ ہو۔ (صفحہ ۱۵۹) ''ہمیں جو رسالہ کئے ہیں سو طالبان حق کوں، صادقاں حق کوں، اس سبق (سے) یے (یہ) کام ہے، عالم اس تیں (سے) فیض پائے گا''۔

عاشق معشوق میں یگانگت ہے:

''ہمیں سلطان العشاق ہیں، یوں ہمارا ارشاد ہے، جو نور سوں نور ملتا ہے تو یو سمجھتا ہے کہ عاشق ہور معشوق دو دستے تھے (دکھائی دیتے)، سو دو نہیں یو ایکچہ ہیں، جو دو ہوئے ہیں، یوں کھلنا النادر کالمعدوم پر کھیلا ہے، اس باتہ (بات) میں

یے(یہ)لوگ جیو(جوں) گمن گمن (گمل) سوئے ہیں"۔

مسئلہ تناسخ:

"خدا بے نہایت ہے کوں معتاد معین نا کیا جائے کہ انتجہ (اتنے ہی) جیو ہیں۔ ہور وو چہ جیو پھر پھر آتے ہیں، انسان اشرف الموجودات ہے، اس کے جیو(روح) کو پھرا کر اس دنیا میں لیا کر حیوان کے خالبوت (کالبد) میں تیوں بھاتے ہیں"۔

روپ بہروپ:

"ہمیں نرو بھی ہمارا جانا نرو بھی سب نر، اوبی اتال دیکھتے سو کیوں، کوئی تو بھی کچھ روپہ(روپ) پکڑے تو دیکھیا جائے، کوئی روپیچہ نہیں پکڑتا کیا کرنا" الخ (صفحہ ۲۳۲) "نور ہے تو آفتاب ہے اور آفتاب ہے تو نور"۔ الخ (صفحہ ۲۴۱) "ارے طالب سمان نہ قدیم ہے نہ جدید، آسمان کوں نہ قدیم کہا جائے نہ جدید کہا جائے"۔

عشق میں بوالہوسی:

"تو لوگاں کی دیکھا دیکھی عشق من ھوسنا کی سوں آتا ہے" "عشق نہ ہوا، بازی ہوئی، دغا بازی ہوئی، یو گوڑ ہوا یا شکر ہوا، نانی (کی) روٹیاں ہور چپاتی کی بہت، ہور خالا کا گھر ہوا۔

اناالعشق (سراپا عشق)

"منصور اناالحق کہتا ہے، ہمیں انا العشق کہتے ہیں، اگر ظاہر عشق کو دیکھنے منگتے کہ عشق کی صورت کیسی ہے تو ہماں کوں دیکھو کہ عشق کی صورت ہماری جیسی ہے" الخ (صفحہ ۳۱۳) "ہمیں دودھ تھے دھیں (دہی) ہوئے ہیں، دہی تھے مسکا ہوئے ہیں، مسکے تھے گھیو (گھی) ہوئے ہیں، تمام جے ہیں خدا کی محبت سوں"۔

"دنیا خاطر ایک جا گا جا کر ہونا ہے تو ہو، وو غصا کرتا تو صاحب صاحبہ کہتا ڈرتا ہے۔" جسے پیر کر مانی اچھینگے، جسے مرشد کو پچھانے اچھینگے، بھی اسچہ (اسی) سو بے ادبی کرتے ہیں، کھانا، پینا، ہنساں، کھیلنا، یوتو آدمی کوں ضرور ہے، جیوں خدا رسول فرمایا تیوں ہنسے کھیلے، یتے (اتنے) نھاتے تو کیا قصور ہے۔ چرغی کا ولی زہر کھا کر چرغنا بہوتہ مشکل ہے۔

شیخ شرف پانی پتی کہتے ہیں مجھے بہوتہ حیرانی لگتی ہے کہ چھوتے (چوتھے) اسمان پر فرشتے مجھے خدا کر پکارتے، ہور زمین پر چھورواراں (چھوکرے) کوچے کوچے باڑ (ی) باڑی کے دوانا ہے کر پتھرے مارتے، اول کے بعضے لوگاں بعضے کامیں (کام) دعوت کے زور سون، علم جفر کے زور سوں، علم تکسیر کے زور سوں کرتے اچھن (رہے) اس وقت پر تو روئے زمین پر ایسے بھی کہیں نہیں دستے (دکھائی دیتے) صاحب علم، صاحب عمل، جو ویسے کاماں دھرتے اچھیں"۔

''اتنا سعی کرو کہ کچھ علم عشق پاویں، اصل علم یو ہے، اس علم کے انگے (آگے) باقی علماں کا کیا کام آویں، جکوئی مرشدی چلاتے، سجادہ نشین ہیں، ہمیں بولتے ہیں سواول خوب خاطر لیاویں (لاویں) اگر خاطر آوے تو ہماری بات دل کوں بھاوے تو اپنے مریداں، اپنے طالباں کوں سمجھا کریوں روشن چلاویں، کیا واسطا (واسطے) کہ ہمیں ہاتف العشاق، ہمیں ہادی العشاق، ہمیں عشق العشاق، شمس العشاق، ہماری بات حق ہے، جکچھ ہمیں کہتے سوحق ہے، ہمارے حق کی باتہ (بات) سن، عارف کوں، عاشق کوں منکر ہوا نہ جائے، کم حوصلہ، کم ہمت، کم سعادت، کم بخت، اس بات کوں کان دھر سکتا، جکوئی بختاور ہے، جس میں عشق آیا ہے، جس میں عارفی کا مایا ہے، وہیچہ ہماری بات پر اعتقاد لیاوے، ہور ہمنا پانی کی افسردگی،

آگ کی حرارت کوں کیا پچھانے، اپی (آپ) نہیں جلیا سو دسرے کے جلنے کوں کیا جانے، جواہر کا قدر جوہری جانتا، نہ کہ پوت بیچتا سو منہار، (منہیار) واسلاں کوں، صاحب حاصلاں جانتے نہ کہ ناداں، ہور نا کردہ کار، روٹی کا حظ روٹی کھاتا سو جانتا نہ کہ تغاری ہور توا، پھول میں رس بھنور پیتا ہے نہ کل چڑی (چڑیا) ہور کوا''۔

سوتے وخت (وقت) کا نیاز:

''انہی (انہیں) بیداری کے عالم میں تھے خواب کے عالم میں لے جاتا، یہاں بھی ترا بھاتا، وہاں بی تیرا بھاتا، اس عالم میں تھے (سے) اس عالم میں لجاوے، توں وہ کرے جکچہ تجے بھاوے، تیری درگاہ کوں نہیں نراس، سب کوں تیری آس، بند احتاج، توں غنی، توں کل عالم کا دھنی، مج تے جو کچھ خطا ہوئی سو بخش، مج تے جو کچھ کام بے رضا ہوا ہے سو بخش، مجھے تقصیر جیتا ہوا ہے سو بخش، توں عیب پوش، ستار توں، خطا بخش غفار، تیری درگاہ، اے اللہ، اے عالم کے بادشاہ ہزار ہزار توبہ استغفار، بندہ گناہ گار، توں بخشنہار۔

کھانا کھائے پچیں (پیچھے) کی نیاز کا بیان:

کھانا کھانا ہے سو حیات پانا ہے، صحت پانا ہے، تندرستی پانا ہے، اس کھانے خاطر جیا جاتا ہے، ایمان جاتا ہے، بلکہ جیو بھی جاتا ہے، اس کھانے کی خاطر عالم سرگردان ہے، اس کھانے عالم حیران ہے، اس کھانے خاطر تک نٹیں تو تلملائے، روئے، اس کھانے خاطر اپنے جیسے کا بندہ ہوتا، کھانا نٹیں تو لوگاں پونگریاں (بچوں) کوں، کال میں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں، جکچہ ہے، سو یو کھانا ہے، سب مل اس کھانچہ پر مدار لیائے ہیں: کھانے کی خاطر جیو پر لیائے ہیں، سر دیے ہیں، توں تو بڑا تھا و لے (نہ) کھانے نے تجے نھناں کیا ہے، ڈونگر تھا سو داناں (دانہ) ہوا ہے، آسمان تھا سو بٹانا ہوا ہے، شررا تھا سو کولا ہوا ہے، انگار تھا سو ہولا (اولا) ہوا ہے، توں جکچہ پیدا کرتا ہے سو کس محنت سوں پیدا کرتا ہے، وہ تیرا جیو جانتا ہے، پس یو کھانا کیا ہے اس کھانے کوں توں کیا سمجیا ہے، کھانا فہم، کھانا عقل، کھانا عشق، کھانا گون گیان، جکچہ ہے سو یو کھانا ہے، اس

کھانے خاطر غنی تھا سو محتاج ہوا، صاحب تھا (سو) بند ہوا، کام پراگندہ ہوا، اس کھانے میں بھوت مانا (معنی) ہے، اس کھانیں کوں توں خوب پچھان، توں اپنی ریاضت کھینچ کر ایک پارچہ نان پیدا کرتا ہے، توں اسے سمجھ کر کھاوے تو خوب، تیئں تو؟ اس کھاتے وخت، اس کی لذت پاتے وخت، تجے تیرا خدا یاد آوے تو خوب، تیئں (تو) جو کھانا کھا کر اٹھے گا تو نیاز کا ایک سجدہ کر، تا معلوم ہوئے توں آدمی تھا، ہور سمجھ کر کھانا کھایا، نمیں تو آدمی نتھا کھانا نمیں کھایا، حیوان تھا، آلا پالا ملیا سو موں میں بھایا، کھانا کھائے پچھیں یو نیاز کر، اس نیاز بعد از یو تسبیح کر، سو بار بول، اے فہیم! توں رازق، توں رحیم۔

کھانا کھائے پچھین کا نیاز:

توں کارساز توں بندے نواز، توں خالق، توں رازق، توں کھلاوے، توں پلاوے، توں مارے، توں جلاوے، توں جکچہ توں کرے سو تجھے سہاوے، اگر ہر بال کوں لاکھ جیب آوے تو بی (بھی) کون تیرے نعمت کا شکرانا بجالیاوے، جکچہ توں کریا سو سوادھریا، توں رزق دیا، توں پالے، توں سنبھالے، توں سب کے حال پچھانے، توں سب کے دل کی جانے، توں خالی جھاڑاں کوں پاتاں سو بھرے، توں ایک ڈال تھے لاک ڈالے پیدا کرے، توں جھاڑ میں تھے پھل بھار کاڑے، توں سکتا، توں سب قدرت دھرتا، توں سلطان تو سبحان، تو ماں باپ تھے (سے) سہروان، تو رحیم، توں رحمان، تیری پرستش کیسے تو دین، تیری پرستش کیسے تو ایمان، تیری پرستش کیسے تو سب مشکل آسان، تیری پرستش کیے تو ہر دو جہان۔

استنجے کی نیاز کا بیان:

تیرے تن میں توں دیکھ کہ کیا صفت ہے، ٹھاریں ٹھار، یہاں کس کی فکر کام کرے گی یہاں کس کا اندیشا رہے گا قرار، پانی بی (بھی) حلق کے باٹ اترتا ہے، اس دونوں کوں اکچہ باٹ اتارتا ہے، ہور دو جاگاتے (سے) بھار کاڑتا ہے، وو صانع عجب صنعتاں کرتا ہے، کھانے کی خاطر پیٹ میں جاگا جدا ہے، سبحان اللہ یو کام وہچہ کر سکے کہ وہ خدا ہے، پیٹ میں نے کھائے سو کھانا ہور باٹ نکلتا ہے، ہور پیتے سو پانی ہور باٹ نکلتا ہے، یو قدرت اسیچہ (اسی کو) ہے، وہچہ سکتا ہے، وو حاکم ہے، اس کے حکم باج ایک پات نمیں ہلتا ہے، ایک تن، اس تن میں دل کوں رکھیا ہے، اس دل میں جیوں کوں رکھیا ہے، کچھ خبر ہے توں کتا (کہتا) ہے تجھ کس ٹھار رکھیا ہے، وہ اپنی قدرت دکھلاتا ہے، عدم میں تے وجود میں لیاتا ہے، جاگا جاگا بندوبست کر کر قرار رکھیا ہے، اگر کھانا نچہ (کھانا ہی) حلق میں نا اترے تو تیرا کیا حال، اگر پانچہ (پانی ہی) حلق میں نا اترے تو تیرا کیا حال، اگر طھار ہچہ (طہارت ہی) بند ہوئے تو توں کیا کرتا، اگر اراخط ہچہ (پیشاب) بند ہوئے تو توں کیا کرتا، قادریت سمجھ، ہوش سنبھال، اگر استنجے کو جاوے ہور سلامتی آوے تو یہاں بھی اس کا شکرانا بجالیاناں سجدا کرنا لازم ہوتا ہے، جاگا جاگا اسے یاد کرنا ہے، غفلت سوں نا اچھنا، جنم اکے (آگے؟) ناچیز کر کر جنم جنم کے (کو) کھوتا ہے، اس ٹھار بھی جیوں ہمیں بولے ہیں وہ نیاز پڑھو، ہور یاں تھے ایک سجدا کر، جو خدا کی درگاہ (میں) توں قبول پڑے، بڑے ہوئے ہیں سو مشقت سوں ہوئے

ہیں، ریاضت سوں ہوئے ہیں، مفت نہیں ہوئے ہیں۔

بڑے استنجے کا نیاز یعنی استنجا کیا پچھیں یوں بول: الٰہی تو سہرواں تو سبحان، اس تن کے رنگ سوں رچیا، جو رزق دیا سو پچیا (بچ گیا) جیو نے آرام پایا، تن کوں راحت آیا، توں پچھانے، تیرے کاماں تجیچ پچھان، نہ زمین سمجھے نہ آسمان، ولیاں ہور نبیاں، یہاں سرگردان، حیران، اللہ اللہ سبحان اللہ، قادر اللہ، سہرواں اللہ ہے، نیاز تمام ہوی اتال ایک تسبیح تمام ہوی، لک سو بار بول، ھی (ہے) نیاز کرٹھارتوں، بے عیب پاکے (پاک) پروردگار۔۔۔والسلام والاکرام، رہے خدا نام تمت تمام اتا شروع ہور ختم کام۔

چاندنی رات:

اگر تمنا خدا فرصت دے تو ہر مہینے کوں چودھویں رات کی چندنی میں ہماری دوستی (خاطر) یک مجلس کرو، چاند کی رات چودھویں رات ہے، کہ اس رات کا چاند شبکوں انبڑتا ہے، چاند کی مبارکبادی اس رات کرنا کہ بھوتیچ روشن ہوکر، چودہ کلا (چودہ گنا روشن) چڑتا ہے، انند کی رات ہے، چودویں رات بھوت بڑی رات ہے، بھوت فیض کی رات ہے، اس رات جاگنا بی کام ہے۔۔۔۔کی یادسوں گذرنا خوشی سوں گزراننا۔

حکوئی اب رات کوں نہ انیڑے بسر اس کا سہل فاد (سادہ لوح) ہے۔عام لوگاں کوں؟؟ چاند چاند کی رات ہے۔ ہور عاشق لوکان دوں چودویں چاند، چاند کی رات ہے، چاند وہیچ ہے کہ جس رات سب راتاں تے چندنا رہاست نیری (نہایت روشن)؟ چندنا ئیں، (چاندنیاں) لوگاں کی چاندرات چاند کی رات؟ یو کیا بات ہے، چاند آیا سوں دکھلاؤ، یے چاند کی رات نہیں، اے چاند کی رات ہور عالم میں اندھارا، یو کیسی چاندرات، اے بھائی جو کیف خوش لگے سو کیف کھاؤ، پھول، بھوت خوشبوئی لگاؤ تب؟ سنو خرچ کوں خدا دینھارا ہے، اعتقاد درست رکھو، نکوڈرو، اور اگر ہر مہینے میں میسر نہ ہوئے تو سال کوں ربیع الاول کے مہینے میں یکبار تو ہمیں جیوں فرمائے تیوں سب مل کر خوش حال کرو، کیتا جفا ہور محنت سوں عمر گزرائینگے۔الخ

خوش حالی:

اے ساعت بفراغ دل خدا کوں یاد کرنا تمام عمر کا حاصل ہے، دل کوں ہلاک نکو کرو کہک پژمردہ دل ہوں گے، جو کچھ ہے یو دل ہے، جس وقت اس خوش حالی میں بیٹھیں گے تو جل نا سکیں گے، اتا غم کوں دل پر نکو آنے دیئو، خدا کی محبت سوں مشغول اچھو، عیش عشرت کی چھیر (رس؟) لاؤ، غم کا کالا موں کرو، جانے دیو، خوش حالی کرنا بھی یوں کرنا جو غم کا واں گذرنا ہوئے، بلکہ اتنا خوش اچھنا ہور اتنا محظوظ اچھنا، جو اپنی آپس گھوڑے گھر ٹھاویں ٹھانوں ہے۔ جکوئی خدا کا یار ہے اسے خدا کی یاری واجب ہے۔بارے مہینے کوں کت (کئی) بارتبی (تو بھی) بیداری واجب ہے، ارے دیوانہ یو خوشالی (خوش

حالی) کاں ہور خدا کا یاد کاں جو لگن فرصت ہے تو لگن غنیمت جانو، دیکھو تمنا جیسے لوگاں تمہارے حضور کیوں جاتے ہیں، دسریاں کے حال تھے(سے)، اپس کا حال پچھانو، جیوں دنیائے لوگ دایم غم میں، جھکہ جھکہ مرتے ہیں، تیوں جھک جھک مرنا، جکوئی خدا کے عاشق ہیں انو مینے کوں نہیں؟ یوں ہور دو برابر ہوئے، بلکہ دنیا کے لوگ تبی(تو بھی) کدھیں، خوشالی(خوش حالی) کرتے ہیں، اگر انوں یوں نمیں کیئے تو اس تے بتر ہوئے دو۔۔۔ میں گذرنا ہے، جو لگن دو جلا دے گا تو لگن (تب تک) یک ٹکڑا انپڑائے گا، تیری فکر ایسی ہے۔

آخری ورق اور دعوئے زباندانی:

دکھنی بات کوں نشر کر اس قایدہ، اس قانون سوں آج لک کوئی نمیں بولیا اس بات کے بانی ہمیں ہیں، یو بات ہمیں کاڑے ہیں، یو رسم ہمیں پار دے ہیں اس علم میں افلاطون ثانی ہیں، ہمیں بھی قائدے قانون سوں ظہور پکڑے لگ علم نیں ہوئے۔ اس زبان کوں آراستا کر ہمیں علم کے ہیں، اس زبان کوں میدان میں لیائے، ہور اس زبان کی خوبی دکھلائے تمام دکھن کوں رونق دیھ (دے) ہیں، جیوں عربی زبان، جیوں فارسی زبان، تیوں اس زبان کوں کمال کوں انپڑا کر عالم کوں رجھائے، ہر بات میں فصاحت، ہر تان میں نزاکت، ہر بات میں ثلاثت (سلاست) ہر بات میں ہزار ہزار لطافت دکھلاء، ہمارا دل، ایک جہاں ہے، ابر نیساں ہے، دایم برستا، تلتل نوی رات ہوتی، یو رسالہ یک دریا ہے، ہر ورق یک بوج ہے، ہر بات جیوں سانک موتی، انصاف کی چوکھال سوں دیکھ، نوا کام، جونا کام، سمجھ، حق تے نکو گذر، معراج ہے، تبی (تو بھی) کلام، ہمیں اس کے پیغمبر ہیں، ہمارا دل جبرئیل ہے، عشق کی ہمنان کے دل میں بی وحی آتی ہے، ہم الہام، یو رسالا ہمیں دنیا میں ایک یادگار رکھے ہیں، طالبات حق کوں اس رسالے میں بی خاص لے (یے) سیر طیر ہے، یاراں جو لگن ہمیں جیوتے ہیں تو لگن ہمناں یاد کرو، سوئے پچھیں جو یو رسالا پڑیں گے تو ہماری نیت فاتیاں (فاتحہ) پڑتے جاؤ کہ اس میں تمہاری عاقبت خیر ہے، ہمیں جاگنے جوت ہیں، روشن دل، واصل، صاحب حاصل، جیوتے پیر ہیں۔ صاحب حال، صاحب قال صاحب وصال، افسوده دلان کی لے کر ہیں؟ ہمیں سوں اعتقاد درست رکھو، ہمارے کلا تے ہمنان پچھانو، ہمیں کیا ہیں، کس مقام پر اچھتے ہیں۔ اس مقام تھے(سے) ہمنا پچھانو، تو جس فیض وارد ہوئے گا، دل میں تھے(سے) ہنر کی پیدائش ہوں گی، ہمیں یک بات کتے ہیں دو بات سنو کہ اس بات میں تمنا بھوت فائدہ ہے، بنوگان کی بات سینا (سو؟) بزرگان سوں ثابت رکھنا، بزرگان کوں ماں نا (مانا) نیک بختی کا قایدہ ہے، اگر تمنا خدا فرصت دے تو ہر مینے کوں چودویں رات کی چندنی میں ہماری دوستی یک مجلس کرو۔

بعض محاورے اور ضرب الامثال:

(۱) پاؤ آدمی کوں سمجھتا ہے، آدھا پونے کوں سمجھتا ہے۔

(۲)ٔ دکنی مثل۔جیوتے کے موں میں روٹی اور موئے کے موں میں ماٹی۔

(۳) داواں دول ہونا (ڈاواں ڈول ہونا)۔داواں دول ہو کر نکو پھر۔

(۴) شربت کا سواد دیکھیا سو زہر کا سواد کیا جانے۔

(۵)ٔ آخر مرنا ہے، غافل نکوا چھ، ہشیار ہو آخر مرنا ہے، بارے جیوتا ہے تو لک کچ کام کر۔

(٦) رنگ بھنگ ہونا: دنیا رنگ سب بھنگ ہو جائے گا۔

(۷) عالم عالم: عالم علم اس تئیں فیض پائے گا۔

(۸) گھن گھن مرنا: گھل گھل کے مرنا، اس بات میں یے لوگ جیو گھن گھن سوئے ہیں۔

(۹) کوے کا مینڈک: کوئے کے مینڈک میانے اتنی وسعت کاں ہے کہ دریا کی بات اس کے کیان (گیان) میں گنجائش کرے۔

(۱۰)ٔ جھک مارنا: جھوٹہ بولنا ہور جھک مارناں برابر ہے۔

(۱۱) دیکھادیکھی: توں لوگاں کی دیکھادیکھی عشق میں پرستاگی (پرستادگی؟) سوں آتا ہے۔

(۱۲)ٔ ہنسنا کھیلنا، پینا کھانا، جیوں خدا رسول فرمایا تیوں ہنسے کھیلے، پئے کھائے تو کیا قصور ہے۔

(۱۳) چرغی؟ کاولی زہر کھا کر چرغنا بہوتہ مشکل ہے۔

(۱۴) حیرانی لگنا۔شیخ شرف پانی پنتھی (پتی) کہتے ہیں مجھے بھوتہ حیرانی لگتی ہے۔

(۱۵) روئے زمین پر۔اس وقت پر تو روئے زمین پر ایسے بھی کہیں نہیں دستے صاحب علم صاحب عمل۔

(۱٦) جواہر کا قدر جوہری جانتا نہ کہ پوت بیچتا سو منہار (مہیار، جنرل مرچنٹ)

(بقول قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری)

(۱۷) بازی ہونا، دغابازی ہونا، عشق نہ ہوا، بازی ہوئی دغابازی ہوئی۔

(۱۸) خالا کا گھر۔پچانی کی بھت ہور خالا کا گھر ہوا۔

(۱۹) لہوے کے چنے چابنا۔الماس کے دانت کر کے لہوے (لوھے) کے چنے چابنا ہے۔

(۲۰) ھٹیر اشٹیر ے کو کھاتا ہے ڈر نکوا چہ یو کیا اغل (عقل) ہے۔

(۲۱) پیچ رہی بات: (پیچدار) دو پنجرہی بات ہے، یا دھتورا کھایا ہے۔

(۲۲) دھتورا کھانا: دو بول بولنا: شکر کی چھری، میٹھی چھری۔

(۲۳) صاحب صاحبہ۔دنیا خاطر۔دنیا خاطر ایک جا گا ہونا ہے تو ہو، وو غصا کرتا تو صاحب صاحبہ کہتا ڈرتا ہے۔

(۲۴) مثلاً چلنا۔(مثل مشہور ہونا) یو مثلاً چلا، دنیا میں ہم گدا تھے ہم شاہ۔

(۲۵) خدا خراب کرے تو داول ملک کا کیا گناہ۔

تشکیل الفاظ:

حضوریت (حضوری) قائمیت (صفت) بمعنی استقامت۔ صفت لاحقہ "گی" فرخندگی شیطانگ، پرستاگی، پرستگارگی (پرستاری)، دوستی (خاطر)

عاقبت خیر (عاقبت بخیر)، خویشی، (قرابت داری) عاقبت خوب ہونا۔

اسم فاعل: خبرانپڑان ہارا۔ (مخبر) سوالی۔ (سائل)۔ لکھن وتی۔ قسمت والا، آپ بھاوتا۔ (جو خود کو بھاوے)

مصادر: اندیشنا: اندیشہ کرنا، (ڈرنا) مرغولنا (خوش الحانی) پیچ وتاب کھانا، صفا پکڑنا (صاف ہونا)

اسم ظرف: ٹھاویں ٹھاوں، ٹھاریں ٹھار، چمنے چمن (چمن چمن) جمع بالحاق انف ونوں، اور "ی" الف نون۔ مثلاً صورتاں، سورتاں، عشویاں، غمزیاں، (عشوے، غمزے)

تذکیر: "شراب، جان، روح۔ کلفت۔ نیاز"

حواشی وتعلیقات

(۱) دکنی نثر کا یہ شاہکار عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھا گیا تاریخ تصنیف ۱۰۴۵ء ہے۔ جبکہ اس کا ماٰخذ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری مطابق ۸۵۲ء کی فارسی تصنیف ''دستور العشاق'' ہے جو کہ تقریباً پانچ ہزار اشعار پر مبنی ہے۔

(''گیان چند، سعیدہ جعفر، ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک''، ۱۹۹۸، ج چہارم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص۔۳۱۹)

(۲) تاج الحقائق قلمی کتب خانہ آصفیہ، مخطوط نمبر ۷۷، حیدر آباد

(۳) خدیجہ بیگم نام کی دو خواتین تاریخ میں قریب کے زمانے میں گذری ہیں۔

ایک تو ابراہیم عادل شاہ کی بہن اور میراں نظام الدین شاہ کی بیوی تھیں۔ ابراہیم عادل شاہ کا زمانہ ۹۴۱ھ۔۔۔تا۔۔۔۹۶۵ھ تھا۔

دوسری خاتون خدیجہ بیگم محمد قطب شاہ کی بیوی اور عبداللہ قطب شاہ کی ماں تھیں۔ انکا لقب حیات بخشی بیگم تھا۔ اور یہ اس دور کی مشہور شاعرہ تھیں۔

ڈاکٹر رفیعہ کی رائے میں تاج الحقائق اول الذکر کی فرمائش پر لکھی گئی۔ جبکہ ڈاکٹر نور السعید اختر کے خیال میں آخر الذکر خدیجہ سلطان حیات بخشی بیگم کی فرمائش پر تاج الحقائق لکھی گئی۔

(سعیدہ جعفر، گیان چند'' تاریخ اردو ادب ۱۷۰۰ تک'' ۱۹۹۸، ص ۳۱۰)

(۴) تاج الحقائق مصنفۂ وجہی، فہرست کتب خانہ جامعہ بمبئی، عبدالقادر سرفراز، مطبوعہ

(۵) ۱۱۱۸ھ میں کاتب نے خدیجہ بیگم (بقیس زمان ا/ کی فرمائش پر اُسے نقل کیا اور سن کتابت ۱۱۱۸ھ درج کر دیا۔

جبکہ نور السعید اختر کا خیال ہے کہ یہ دوسری خدیجہ حیات بخشی بیگم سے متعلق ہے۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے بمبئی یونیورسٹی کے نسخے کو بنیاد بنایا ہے۔ جس کے کاتب جان محمد محرّی ہیں۔ اکبر الدین صدیقی نے جان محمد محرّی پر اپنے ایک مضمون میں بتایا ہے کہ گگی محل بیجاپور کے کتب خانے کی ایک بیاض میں ایک تاریخ ملی ہے۔

''وصال خواجہ جان محمد محری چشتی قطب المشائخ ۱۰۹۳ھ''

(اکبر الدین صدیقی، ''جان محمد محری مشمولہ رسالہ اردو جنوری ۱۹۶۸، ص ۵۸)

لہذا جان محمد محرّی کا کتابت کیا نسخہ درست ترین ہونا چاہیے۔

(۶) ''سب رس'' مصنفہ وجہی، مطبوعہ، انجمن ترقی اردو، کراچی

(۷) دیوان فارسی، وجہی، قلمی کتب خانہ اور جنگ، حیدر آباد، دکن۔

(۸) تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو، ج ۳، ص ۶۹۴۔

(۹) عبدالجبار خان ملکاپوری، ''تذکرہ اولیائے دکن'' ج ۱، ص ۸۰۳۔

(۱۰) ڈاکٹر نورالسعید اختر کے مطابق ''تاج الحقائق'' میں چشتیہ مسلک کی عکاسی ہے۔

(۱۱) امید ہے کہ ''سب رس'' تاج الحقائق سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر زینت ساجدہ ''تاج الحقائق'' کو وجہی کی آخری تصنیف قرار دیتی ہیں۔ جبکہ اکبرالدین صدیقی کی رائے میں یہ سب رس کے بعد کی تصنیف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''۱۰۴۵ء میں وجہی نے سب رس لکھی اور آخری زمانے میں تاج الحقائق کی تصنیف عمل میں آتی ہے۔ (اپنے اس دعوی کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں دیتے)

گمان غالب ہے کہ یہ کتاب وجہی نے اپنے مرشد شاہ علی متقی قدس سرہٗ کے تعلق سے لکھی ہو، مگر یہ بات طے ہے کہ اس کی زبان باقی تمام کتابوں سے زیادہ سلیس اور رواں ہے۔ سید العباد علی شاہ حسینی قادری نے تاج الحقائق کی قبولیت دیکھ کر اس زبان کو دکنی سے بدل کر جدید اردو میں کر دیا۔

اسکے دو نسخے موجود ہیں ایک انجمن ترقی اردو، پاکستان میں، اور دوسرا ادبیات اردو حیدر آباد دکن میں۔

(۱۲) تاج الحقائق مرتبہ العباد علی شاہ نمبر ۶، ۱، ۲۴۹، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی

(۱۳) ''رسالہ تصوف دکنی آصفیہ'' کے نام سے ایک قلمی نسخہ ہے جو کہ دراصل تاج الحقائق کا آخری حصہ ہے۔ کوئی الگ رسالہ نہیں ہے۔

(رسالہ تصوف مجموعہ ۸۳۹ قلمی، کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن)

(۱۴) آخر میں تاج الحقائق کے کچھ نمونے دیئے گئے ہیں جو کہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ''سب رس'' اور ''تاج الحقائق'' کا اسلوب ایک جیسا ہے یعنی ادبی، ترقی یافتہ، رواں اور سلیس۔ لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ ملا وجہی کی تصنیف ہے۔

☆☆☆☆☆☆

سید شاہ عبدالقادر فی الحال قادری کرنولیؒ (۱)

(کرنول (آندھرا) کے ایک دکھنی شاعر)

جس طرح دکن کے دوسرے صوبوں مثلاً بیجاپور، گولکنڈہ، آرکاٹ میں قدیم اردو متداول تھی۔ اسی طرح مدراس کے دور دراز ضلعوں یعنی کڑپہ اور کرنولادھونی میں بھی اچھے اچھے شاعر پیدا ہوئے۔ قبل ازیں کڑپہ اور ادھونی کے بعض شعراء ولی ویلوری (۲) شاہ طاہر کرنولی ثم ادھونی (۳) سیّد محمد شاہ میر (۴) اور شاہ کمالؒ (۵) کی اردو تصانیف سے رسالہ تاج حیدرآباد، رسالہ اردو کراچی، اور نوائے ادب بمبئی میں روشناس کرایا گیا ہے۔ ضلع کرنول کے بزرگوں کی تصانیف سوائے وجدی کرنولی (۶) ملک محمد جوہر (۷) کے ابھی تاریکی میں ہیں، ان صوفیائے کرام نے فی الوقتی تبلیغ وتصوف کے سلسلے میں اردو زبان کی خوب آبیاری کی ہے۔ اور توحید کے نغموں سے عوام کے دلوں کو موہ لیا ہے۔ ان میں ایک ''شاہ فی الحال قادری کرنولی'' بھی تھے۔ اور صوفیائے کرنول میں ہر دلعزیز تھے۔ کسی تذکرہ نویس نے آپ کا ذکر نہیں کیا (۸) البتہ آپ کے ایک معاصر مورخ فیض اللہ منشی المخاطب بہ فضل علی خان صدیقی آصف جاہی مولف خزانہ رسول خانی (۹) نے اپنی تصنیف موسوم بہ خزانہ فیض (۱۰) میں صرف یہ لکھا ہے کہ میں فی الحال شاہ قادری سے کرنول میں ملا تھا۔ ان کے الفاظ میں:۔

''روزے ایں فقیر برائے ملاقات کثیر البراکات فی الحال شاہ صاحب در کرنول رفتہ، در ملاقات می فرمود کہ ھمت مرتبہ ایست اگر رفیق شود'' (۱۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ فیض اللہ حیدرآباد سے خاص طور پر فی الحال شاہ کی ملاقات کے لیے کرنول گئے تھے۔ شاہ فیض اللہ کا تعلق حیدرآباد سے بھی تھا۔ اور کرنول کے نواب الف خان (۱۲) امین الملک التوفی سنہ ۱۲۳۰ء (1230ھ) کے دربار سے بھی، جہاں انکی کرنول کے دوسرے مشہور اولیاء اللہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ جو نواب صاحب موصوف کے یہاں ایک مجلس میں جمع تھے۔ مگر اس محفل میں معلوم ہوتا ہے کہ شاہ فی الحال موجود نہ تھے۔

ایک قدیم بیاض (۱۳) میں بضمن شجرہ خلافت شاہ فی الحال کا اصلی نام سیّد شیخ عبدالقادر عرف شاہ فی الحال درج ہے۔ مگر خود شاہ صاحب نے اپنا نام اپنی غزل کے ایک مقطعے میں اس طرح فرمایا ہے:

''میرا نام سید عبدالقادر اے دوست　　تخلص میں ھوں ''فی الحال'' اے غضنفر (۱۴)''

اس طرح آپ کا صحیح نام سیّد عبدالقادر اور تخلص فی الحال تھا، اور عوام وخواص دونوں میں فی الحال شاہ کے نام سے مشہور تھے۔
آپ کا اصل وطن کون سا تھا صحیح طور پر پتہ نہیں چلتا مگر اسکا بھی شاید آپ نے ایک شعر میں اشاہ کیا ہے، یعنی غالباً آپ احمد نگر کے کسی آسودہ حال خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وہ شعر یہ ہے:

کوئی غوث کا مجھ وزیر کہتے　　　کوئی احمد نگر کا میر کہتے
کوئی قدرت اللہ پیر کہتے　　　فی الحال کا او غمخوار رہوا

اب اس شعر میں یا تو آپ احمد نگر سے استعارہ کا کام لیا ہے جیسے بعض شعراء نے بادِ صبا سے مخاطب ہے کر یہ تمنا کی ہے کہ "احمد نگری" پہنچا دینا۔ یعنی کوئی تو مجھ کو نائب غوث اور وزیرِ غوثِ اعظم کہتا ہے اور کوئی احمد نگر یعنی حضرت محمد ﷺ کے شہر کا سردار مانتا ہے، گویا اپنی حقیقت اور کمال کا اشارہ کیا ہے۔ جو عام وخاص پر اثر پذیر تھی۔ یا ممکن ہے کہ دراصل کہ آپ کے آباؤ اجداد مدینہ منورہ یا شاید احمد نگر پائے تخت سلاطین نظام شاہیہ کے زوال کے بعد کرنول آ کر آباد ہو گئے ہوں (۱۵)۔ بحر حال کرنولی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حضرت شاہ فی الحالؒ قبول خود سادات صحیح النسب تھے۔ مگر مولانا سیّد غوث محی الدین رضوی، قادری مشائخ سمستان گدوال (ضلع محبوب نگر حیدر آباد) مولف شرف الانساب نے آپ کو فاروقی از اولاد بابا شیخ فرید الدین گنج شکر قدس قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس میں حضرت موصوف کا شجرہ نسب درج نہیں ہے۔ صرف ضمناً سلسہ خلافت درج ہے۔ آپ کی ولایت بھی معلوم نہ ہو سکی۔ (۱۶)

مبلغ علم:۔
شاہ فی الحال کے دیوان سے واضح ہے کہ آپ کو علوم متداولہ عربی، فارسی پر کامل عبور تھا۔ اور فارسی و اردو کے تو شاعر بھی تھے۔

بیعت وخلافت:۔
شاہ فی الحالؒ کو شاہ قدرت اللہ قادری سے بیعت وخلافت حاصل تھی اور ایک شجرۂ خلافت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو متعدد سلاسل میں اجازت حاصل تھی چنانچہ ان کے مرشد کے نام کے ساتھ "قادری الحیدری الحمدی" لکھا ہے۔
قادریہ طریقہ میں آپ کا سلسلہ بواسطہ شاہ قدرت اللہ خلیفہ شاہ ظہیر الدین عرف کنگال شاہ قادری حضرت سیّد عبالعلیم عرف عبدالرحیم رضوی قادری یمنی ابنِ سیّد رضوی قادری البغدادی از اولد سیّد احمد رضوی ابنِ حضرت موسیٰ سے ملتا ہے۔ کرنول میں دوسرے سلاسل قادریہ کرنول کے مشہور صوفیاء سیّد شاہ عبداللطیف حموی اور شاہ حیدر ولی اللہ از اولا

دحضرت پیرانِ پیرؒ کے جاری تھے۔جن سے شاہ فی الحال واسطہ تھے ۔اور شاہ صاحب کے سلسلے کے خلفاء حیدر آباد میں بھی موجود تھے۔

ایک اور شجرہ خلافت یہ ہے:۔

''شاہ مسکین ثانی کریم اللہ شاہ قادری الرفاعی ان کے شاہ علی بادشاہ قادری الحیدری الحموی ان کے شاہ قدرت اللہ عرف شاہ فی الفور قادری فرزند و خلیفہ سیّد شاہ عبدالقادر فیالحال قادریؒ۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کو افاعیہ نسبت بھی حاصل تھی۔

شاہ فی الحال جامع علوم ظاہری و باطنی تھے فارسی زبان میں بھی آپ کی ایک مختصر مثنوی ہماری نظر سے گزری ہے(۱۷)۔ جس کے ٦٧ (67) اشعار ہیں۔اور جس کے مقطعے میں آپ کا تخلص موجود ہے۔

؎ ز نفس و دل بروں شو حال فی الحال   خدا را از خدا بنگر ہمہ حال

معاصرین امراء و صوفیاء و شعراء:۔

شاہ فی الحالؒ نے آصف جاہ اول المتوفی ۱۱۶۱ھ آصف جاہ ثانی (میر نظام علی خان) ۱۱۷۵ھ اور امین الملک نواب الف خان والی کرنول المتوفی ۱۲۳۰ھ کا زمانہ پایا۔اس زمانے کے مشہور صوفیاء شعراء کرنول جنکا ذکر منشی فیض اللہ آصف جاہی نے کیا وہ یہ ہیں۔

سیّد شاہ محی الدین حکیم اللٰہی خلیفہ شاہ عبدالقادر مہربان اورنگ آبادی ثم میلا پوری (مدارس)۔شاہ چراغ الدین حسن، شاہ اعظمؒ، شاہ سیّد محمد موسوی عرف شاہ سیّدن، مولوی امین الدین حسن خلیفہ شاہ طاہر، حبیب عبدالقادرؒ، سیّد دادا میاں، سیّد حسن قادری فرزند سیّد رزّاق قادری، مولانا عظیم الدینؒ، مولوی حسام الدین، شاہ اشرف شاہ، پیراں صاحب اور شاہ کمال فقیر۔

شاہ فی الحالؒ نے شاہ محیالدین کلیم اللٰہی (۱۸) سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔چناچہ فرماتے ہیں:۔

''فیض۔۔۔محی الدین کے باتوں سے بھی فی الحال کے   بیٹا کھڑا میدان میں کچھ یوں جھکہ کچھ دون سے جھکہ''

اور مولانا محی الدین کی شخصیت کے متعلق منشی فیض اللہ فرماتے ہیں:۔

''ایں فقیر روزے در کرنول متوجہ کلمات بابرکات حضرت محی الدین شاہ صاحب کہ مجتہد عصر متکلمین و محققین خلیفہ حضرت عبدالقادر میلا پوری کلیم اللٰہی بود۔۔۔''

دوسرے بزرگ اور شعراء غالباً وہی شاہ چراغ ہیں جنکا ذکر شاہ کمال نے اپنے تذکرہ ''مجمع الانتخاب'' میں کیا ہے۔تیسرے

حیدر آباد کے مشہور و معروف بزرگ شاہ اعظم موسوی از اولاد قطب الدین نعت اللہد شکی ، ماثر ندرانی (استاد و سلطان عبداللہ قطب شاہ) اور اونکی فرزند سیّد محمد موسوی عرف علامہ شا سیدن ہیں جنکا مدرسہ علوم شرقیہ حیدر آباد میں مشہور تھا۔ زاد اعظم ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اور چوتھے شاہ کمال فقیر کڑا مانک پوری مولف ''تذکرہ مجمع الانتخاب'' ہیں جنکو نورالامراء بہادر نے کرنول میں جاگیر عطا کی تھی۔ دوسرے معاصرین کے حالات فی مل سکے۔ شاہ کمال کے طرزِ شاعری کا یہاں کے لوگوں پر اثر ہوا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ملک محمود جوہر کرنولی قلعہ دار کرنول قلمبند حافظ مشتاق میرٹھی نے کرنول کے شعراء کا ایک تذکرہ تالیف کیا تھا جو نادر الوجود ہے۔ جس سے کچھ روشنی پڑ سکتی تھی۔

شاہ فی الحال کرنول ایک صوفی مشرب بزرگ تھے۔ اور معرفت الٰہی کے ذوق و شوق اور تبلیغ تصوف کے سلسلے میں جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔ وہ اسرار و معارف کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان کا شمار احمد جام زندہ پیل عراقی ، مغربی اور عطار جیسے بزرگوں میں ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے جو کشھ کہا اپنے رنگ اور مذاق کے لحاظ سے کیا اور اردو شاعری میں شاہ صاحب کا شمار ان کے معاصرین شاہ کمال بخاری کڑپوی صاحب ، مخزن العرفان المتوفی ۱۲۲۴ھ شاہ صادق اورنگ آبادی ، مولانا قربی وویلوری المتوفی (۱۱۸۶ھ) ، الا اللہ شاہ اور شاہ فی الحال نے اپنی غزلوں میں ایک دوسرے کی زمینوں میں ملتی ہیں ۔ مگر بعض بحریں دلکش استعمال کی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف قدیمی دکنی بلکہ عربی و فارسی کے ثقیل الفاظ سے بھی احتراز کیا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید کمال فقیر مانک پوری کا اثر ہو۔

وصال:۔ منشی فیض اللہ المخاطب بہ خان آصف جاہی کی تصنیف ''خزانہ فیض'' کے قلمی نسخہ کے حاشیہ پر کرنول کے بعض صوفیاء کے قطعات تاریخ وفات بھی کسی عقیدت مند نے لکھ دیئے ہیں۔ ان میں شاہ فی الحال کا قطعہ وصال بھی درج ہے۔ جو آپ کے ایک معاصر مولانا درویش قادری کا نتیجہ فکر ہے۔

بود فی الحال شاہ در کرنول	رفتہ بیخویش کرد خویش۔۔۔۔(قبول؟)
سال درویش قادری جستہ	گفتہ ہاتف کہ ''بافت کائے بہشت''

۱۲۱۲ھ

گویا شاہ صاحبؒ نے سلطان ٹیپو ، والئی میسور کی شہادت سے ایک سال قبل اور نواب الف خان والئی کرنول کی حکومت کے نوں سال واصل بحق ہوئے۔ اور کرنول ہی میں آسودہ ہیں۔

اولاد:۔

آپ کے ایک صاحب زادے کا حال ملتا ہے۔ جن کا نام سیّد قدرت اللہ عرف شاہ فی الفور قادری تھا وہ آپ کے خلیفہ اور جانشین اور صاحب تصنیف تھے۔ ایک فارسی تصنیف

"چار چمن وحدت" کا ایک اچھا رسالہ ہے۔ جسکا مقطع یہ ہے۔

رہنما فی الحال شد درراہِ حق فی الفور را ازرہ صدق وصفا قربان خودرا کردہ

وہ سن ۱۲۳۵ھ تک بقیدِ حیات تھے۔ سنا ہے کہ شاہ فی الحال کی اولاد اب بھی موجود ہے۔

خلفاء:۔

شاہ فی الفور یعنی آپ کے فرزند آپ کے علاوہ "شرف الانساب" میں ایک اور خلیفہ شاہ شرف الدین قادری المقلب بہ کملی پوش بنگلوری بھی تھے۔

تصانیف:۔

ا۔ مثنوی فارسی:۔ فارسی میں ایک مختصر مثنوی عارفانہ طرز کی ہے جسکے صرف ۶۷ ابیات ہیں۔ (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن)

۲۔ دیوان اور شاہ الحال :۔ ۲ (۳۹ صفحات)(۱۹) مخطوطہ مولوی محمد غوث مرحوم منتظم جامعہ عثمانیہ ۔ مکتوبی سن ۱۲۴۸ھ

دیوانِ اردو شاہ فی الحال:(۲۰) کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ۔

کتب خانہ ادبیات اردو حیدرآباد۔

کتب خانہ انجمن ترقیٔ اردو ہند علی گڑھ (دو نسخے)۔

۳۔ مثنوی تپ نامہ:(۱۲) ۲۳ بیت۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ سینٹرل لائبریری۔

۴۔ چکی نامہ: (۲۲) ۴۶ بیت۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ سینٹرل لائبریری۔

مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ بہادر۔

۵۔ دوئی نامہ: (برحاشیہ دیوانی شاہ فی الحال) مخطوطہ محمد غوث مرحوم منتظم جامعہ عثمانیہ۔

۶۔ ارشاد نامہ:(۲۳) شاہ فی الحال، مخطوطہ انجمن ترقی اردو ہند۔

۷۔ نکاتُ العارفین: مصنفہ شاہ فی الحال۔ پٹنہ لائبریری (رسالہ معاصر جلد ۲ پٹنہ ۱۹۴۵ء)۔

۸۔ کلامِ فی الحال شاہ قادری: (غالباً انتخابِ کلام)۔ پٹنہ لائبریری (رسالہ معصر جلد ۶، پٹنہ ۱۹۵۴ء)۔

۹۔ چونسٹھ گھر: (نثر دکنی) ، (غالباً شاہ فی الحال)۔ سینٹرل لائبریری حیدرآباد دکن۔

۱۰۔ شادی نامہ: (۷۷ بیت) کتب خانہ سالار جنگ بہادر نمبر ۳۲۵ مصنیف غوثی؟ (۲۴)

مولوی ہاشمی صاحب مرتبہ فہرست سالار جنگ کو مغالطہ ہوا کہ یہ کسی شاعر غوثی کا ہے۔ آخر اشعار میں صاف طور پر مصیف فی

الحال قادری درج ہے۔اسکا ایک نسخہ عجائب خانہ روضتین" گلبرگہ "شریف میں محفوظ ہے۔
شاہ فی الحال قادری کی زبان، اس دور کے دکھنی مصنفین خصوصاً کڑپہ کرنول کے مدنظر صاف، سلیس، رواں ہے۔ مغلق الفاظ سے شاہ صاحب نے احتراز کیا ہے۔(۲۵) عورتوں کی زبان (ریختی) میں چکی نامہ، تپ نامہ خوب لکھا ہے۔ جو اسرار و معارف کا گنجینہ ہے۔ اور عام فہم ہے جسکو دکھنی عورتیں سمجھ مگر خصوصاً وہ جنکو تصوف کا چسکہ اور ذوق ہے اور کچھ بصیرت حاصل ہے۔
ریختی کا موجد دکنی میں عام طور پر ہاشمی بیجاپوری المتوفی ۱۰۶۱ھ کو سمجھا جاتا ہے۔ جسکا ردیف وار مکمل دیوان موجود ہے۔ مگر ہاشمی سے صدیوں پہلے خواجہ سیّد محمد گیسو دراز قدس سرہٗ (۲۶) المتوفی ۸۲۵ھ کے چکی ناموں کے نسخے ملتے ہیں جن میں تخلص اور ان کے پیر طریقت خواجہ نصیرالدین چشتی دہلوی کا نام آیا ہے۔ مگر ابھی کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ البتہ خواجہ صاحب کے زمانے میں چکی پر گیت گائے جاتے تھے۔ جسکا اشارہ آپ کی ایک تصنیف میں میری نظر سے گذرا تھا۔ بیجاپوری صوفیاء میں شاہ امین الدین اعلیٰ (۲۷) المتوفی ۱۰۸۳ھ کے بعض اشعار ایک مختصر رسالہ جمع الحقائق میں سخاوت مرزا کی نظر سے گذرے تھے، جن کو مصنف نے آپکی (۲۸) طرف منسوب کیا ہے۔ اسکے دو شعر یہ ہیں:

علوی بی بی بولی بات — سفلی باندی کھیلی رات
توتو باندی بےفکر ہوئی — دکھ سکھ میرے سیس دئی

آپ کے خلفاء میراجی خداوند خدانما (سیّد ہاشم خداوند ہادی) چچولی (گلبرگہ شریف) چکی نامہ اور ان کے ایک خلیفہ فاروق کا چکی نامہ ادارہ ادبیات (۲۹) میں محفوظ ہے۔
بعض مشہور ادیبوں کی رائے ہے کہ یہ ریختی نہیں بلکہ ہندی ہے جس میں مرد کو عورت سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہاں وہ صورت نہیں ہے۔ شاہ فی الحال وغیرہ کے چکی ناموں میں عورت کو عورت ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ عورت ہی کی زبان سے اسرار و معارف کہلوائے گئے ہیں۔
دکن کے ان بزرگوں کے پیشِ نظر غالباً یہ غرض تو نہیں ہوگی کہ عورت کی زبان سے مروجہ کو محفوظ کرنے کے لیے اسطرح مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کریں۔ بلکہ اپنے مرید عورتوں کی سہولت، انکی طبیعت اور انکے رسم و رواج، ان کے زبان اور انکے روزمرہ میں دقیق سے دقیق اسرار و معارف بیان کریں۔ تاکہ مسائل تصوف ان کے ذہن نشین ہوجائیں۔ غرض کڑپہ کرنول کے دکن شعراء کی بھی اس قسم کی نظمیں مثلاً چکی نامہ، لوری نامہ، دلہن نامہ، شادی نامہ وغیرہ موجود ہیں۔ جس طرح ہندوستانی شعرائے نے لاٹھی نامہ (ممتاز قلمبند سودا) حقہ نامہ (شاہ حاتم) ہولی نامہ (نظیر) وغیرہ مختلف موضوع پر لکھا ہے۔ دکن کی ریختی اور شمالی ہند کی ریختی میں زمیں آسمان کا فرق ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ بقول مسٹر گریرسن "دکھنی اردو زبان ایک مسلمہ صورت ہے ریختہ اور ہندی کیطرح اسکا بھی ایک وجود ہے" اور

اسکے تمام ادب کو خواہ وہ نظم ہو یا نثر جو جو مختلف ادبی وغیرہ ادبی موضوع پر دکھنی زبان میں موجود تسلیم کرنا پڑیگا اس لئے کہ اردو جسکو اہلِ زبان بولی کا نہیں بلکہ زبان کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی ایک صورت ہے۔ جس میں فارسی اور عربی الفاظ اور محاورات کا کافی ذخیرہ موجود ہے، مگر نسبتاً کم ہے۔ البتہ زبان اردو کے محاورے اور صرف ونحو میں مختلف ہے۔ اس لیے بعض کا خیال ہے کہ اس کو زبان کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ اس کو صرف ایک بولی کہہ سکتے ہیں۔

حواشی وتعلیقات

(۱) فی الحال قادری ان صوفیائے کرام میں شامل ہیں جنھوں نے تبلیغ وتصوف کے سلسلے میں اردو زبان کی آبیاری کی۔ وہ اٹھاروں صدی کے ایک باکمال اور صاحبِ طرز شاعر گذرے ہیں۔

(۲) ولی ویلوری مصنیف روضۃ الشہداُ اور مثنوی تن پدم۔ مطبوعہ، اسپرنگر کٹلاگ کتب خانہ شایاں اودھ۔

(۳) شاہ طاہر رسالہ اردو کراچی۔

(۴) سیّد محمد شاہ میر راچوٹی رسالہ نوائے ادب بمبئی۔

(۵) شاہ کمال، رسالہ اردو دہلی، اپریل ۱۹۳۹ء

(۶) وجدی کرنولی، رسالہ اردو جولائی۔ ۱۹۳۹ء

(۷) ملک محمود جوہر قلعدار کرنول قلمبند حافظ مشتاق میرٹھی رسالہ ہندوستانی ادب، حیدرآباد (رسالہ اردو جولاء ۱۹۵۹)

(۸) حیدرآباد دکن کی ایک اسکالر نے اپنی کتاب جو کہ ان کا ایم فل کا مقالہ ہے میں ''سیّد شاہ عبدالقادر فی الحال کرنولی'' کا ذکر مختصراً کیا ہے۔

رئیس فاطمہ، حکیم، ڈاکٹر، ۲۰۰۶ ''محمد سخاوت مرزا'' حیدرآباد دکن عائش آفسیٹ، پرنٹرس، حیدرآباد۔

(۹) خزانہ رسول خانی (تاریخ) محفوظہ کتب خانہ صفیہ۔

(۱۰) خزانہ فیض مخطوطہ کتب خانہ، ابو محمد عمر یافعی حیدرآبادی۔

(۱۱) دوران ملاقات فرمایا ''عصمت بجائے خود ایک مرتبہ ہے اگر حاصل ہو''

(۱۲) نواب الف خان۔ خزانہ رسول خانی مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔

(۱۳) قلمی بیاض کتب خانہ مولوی عمر یافعی حیدرآبادی۔

(۱۴) اس شعر کو ''علی گڑھ تاریخ ادبِ اردو'' میں اس طرح لکھا ہے کہ:

میرا ہے نام عبدالقادر اے دوست۔۔۔۔۔ تخلص میں ہوا فی الحال غضنفر

(۱۵) ڈاکٹر ابو الفضل سیّد محمود لکھتے ہیں:

'' خارجی شواہد کی بنا پر ڈاکٹر زورؔ نے فی الحال کو میسور کے علاقے کا شاعر قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر زورؔ کے کی ایک وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت فی الحال کا دیوان انہیں ایک ایسے صاحب سے ہم دست ہوا جن کا تعلق میسور سے تھا۔''

(۱۶) ڈاکٹر رئیس فاطمہ روشن اپنی کتاب ''محمد ساخاوت مرزا'' میں صفحہ نمبر ۶۶ پر لکھتی ہیں کہ

''فی الحال کے والد کا نام سیّد قدرت اللہ معلوم ہوتا ہے''

جبکہ ''علی گڑھ تاریخ اردو ادب'' میں صفحہ نمبر ۱۳ پر سیّد شاہ قدرت اللہ قادری کو ان کا پیر تسلیم کیا گیا ہے۔ انکا دیوان انہی پیر کی مداح میں وقف ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

او سیّد قدرت اللہ پیر کامل رہنمار ستا	قدرت اللہ ہے مرشدِ کامل
قدرت اللہ کا کن فی ال حال دیکھ	فی الحال قدرت اللہ بولے ہیں تینو نچہ کرنا

اس ضمن میں ڈاکٹر ابوالفضل سیّد محمود قادری لکھتے ہیں، ''سیّد عبدالقادرر قادری فی الحال بھی کنگال، بیجاپوری میں پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطان سکندر عادل شاہ بیجاپور پر حکمران تھا اور یہ کم وبیش وہی دور ہے جب کہ گولکنڈہ میں سلطان وعبداللہ قطب شاہ مسند آرائے سریر حکومت تھا جب اُن کے والدِ بزرگوار نے اشاعت وتبلیغ دین مبین کی خاطر ترک وطن فرمایا تو یہ اپنے چشتیہ پیر طریقت حضرت نورالدین چشتی کے ہاں کچھ عرصہ ٹھہر گئے۔ اور بعد کو اپنے والد کی ایما پر کرنول چلے آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ اپنے خاندانی سلسلہ رشد وہدایت اور تعلیم وتعلم کو باقی رکھا اپنے والدِ بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے سلسلہ بیعت کے فیضان کو جاری رہنے دیا۔ حضرت فی الحال کا انتقال ۱۲۱۲ھ میں، کرنول میں ہوا۔ ان کا مزار اپنے والد کے مزار سے پانچ میل کے فاصلے پر کرنول کے شمال مغرب میں دریائے تنگھدار کے کنارے زماں صاحبہ مسجد کے قریب واقع ہے ان کا سالانہ عرس ۱۰ شوال کو ہوتا ہے۔''

(مشمولہ ''سب رس'' حیدرآباد، اکتوبر تا دسمبر، 1979 ، ص ۱۶)

شاہ فی الحال کے زمانے کے ایک جید عالم وصوفی۔

(۱۷) خزانہ رسول خانی (تاریخ) مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔

(۱۸) ''علی گڑھ تاریخ ادب اردو'' ستمبر ۱۱۵۸ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ ص ۳۰ دیوان کا نسخہ نمبر ۶۷ اوراق ۳۸۔ اور سطور ۱۳ ہیں۔

(۱۹) تاریخ علی گڑھ میں ۳۸ صفحات کا ذکر ہے۔ ص ۳۰۔

(۲۰) دیوان نسخہ نمبر ۶۸ اوراق ۲۴، شروع کے چھ ورق دوسرے شعرأ کے کلام پر مشتمل ہیں ان میں دو ورق چھوٹے ہیں۔ بقیہ اوراق میں ہندی اور فارسی کے اشعار ہیں۔ چھٹے ورق پر ''پنچھی نامہ'' ہے۔

جس کا مصنیف ''امام الدین'' ہے۔ ساتواں ورق گیرھوں کے بعد کا ہے، آٹھویں اور نویں ورق پر ایک نا تمام مثنوی ہے۔ پھر دسویں پر بسمہ اللہ کے بعد یہ الفاظ درج ہیں:

''حضرت فی الحال شاہ قادری''

اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاہ فی الحال کا دیوان یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ابھی الف کی غزلیں مکمل نہیں تھیں کہ ردیف ج شروع ہوگئی یہاں چند اوراق غائب ہیں۔پھر اسکے بعد سے آخر تک تسلسل ہے۔آخر میں پہلے دیوان کی نظم تو نہیں ہے۔البتہ سوال وجواب نامہ موجود ہے۔اس دیوان کے مطالب پہلے سے کافی کم ہیں۔مگر اسکی چند غزلیں (ردیف الف ۴۔ردیف د۔ردیف ۱) پہلے دیوان میں موجود نہیں۔جبکہ مخمس اور مربع کے علاوہ کل غزلیں ۳۹ (39) انتالیس ہیں (تاریخ علی گڑھ)

(۲۱) حکیم رئیس فاطمہ کے بقول اس مثنوی کا اصل نام "پیت نامہ" ہے جو کہ کتابت کی غلطی سے "تپ نامہ" ہوگیا ہے۔

(۲۲) چکی نامہ لکھنے کا رواج قدیم دور میں تھا۔یہ چکی نامے دکنی زبان میں ہوا کرتے تھے ان میں عام طور پر شادی کی رسومات کو تصوف کے انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔

رئیس فاطمہ، حکیم "محمد سخاوت مرزا" ۲۰۰۶، حیدرآباد دکن۔

ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری راقم طراز ہیں کہ:

"جناب نصیر الدین ہاشمی نے اس مثنوی کی داخلی شہادتوں کے باوجود بھی شاید سہو نظری کی وجہ سے اس کے مصنف کا نام حوثی قرار دیا ہے۔اور انھوں نے "چکی نامہ" اور "غوثی نامہ" کو دو الگ الگ تصانیف سمجھ لیا ہے۔جب کہ خود حضرت فی الحال نے اس مثنوی "چکی نامہ" کا ایک اور نام "غوثی نامہ" تحریر کیا ہے۔اور خود مصنف نے اس بات کی وضاحت بھی کردی ہے کہ یہ دونوں

الگ الگ پیش بلکہ ایک ہی مثنوی کے دو نام ہیں۔م (محمد سخاوت مرزا، رئیس فاطمہ، حیدرآباد، ۲۰۰۶)

(۲۳) مثنوی ارشاد نامہ:۔ا؎ مخطوطہ نمبر ۱۶۸، ورق گیارہ، سطری اشعار ۴۰۔اس میں بایذید کے الفاظ میں چند عارفانہ باتیں درج ہوئی ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

چتکی دین کی نپٹ کھال کھول سو یانی پوت ظلمت کی لیتی بٹول
اندھیرا تھا سو اجالا ہوا اسی پوت کا جوت بالا ہوا
فلک پر چڑیا جب علم عین کا کیا راج یاراں چندر سین کا
ہوئی حاملہ جب رین جشنی بوقت صبح طفل روحی جنی
جو کوئی قدرت اللہ ہے گا مرید وہی اس زمانے کا ہے گا مرید
جو ارشاد نامہ کیا سو تمام ہوا حال فی الحال بس والسلام

(۲۴) حواشی نمبر ۲۵ میں وضاحت کی جاچکی ہے۔

(۲۵) وہ ٹھیٹ دکنی تھے ان کے کلام میں زبان سیدھی سادی عربی فارسی کے الفاظ کم اور قدیم محاورات علاوہ کے علاوہ

بہت سے ٹھیٹ ہندوستانی محاورں کا استعمال ملتا ہے۔کہیں کہیں جدید محاورے بھی
استعمال کئے گئے ہیں۔اور فارسی تراکیب بھی باندھی ہیں۔
(رئیس فاطمہ،حکیم ۲۰۰۶،''سخاوت مرزا'' حیدرآباد دکن،ص ۶۸)

(۲۶) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز ۷۳۰ھ بمطابق ۱۳۲۰ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے فیض باطن پایا۔فیروز شاہ بہمنی کے عہد حکومت (۱۴۱۲ء بمطابق ۸۱۵ھ) میں
حسن آباد (گلبرگہ) آئے اور شاہ اول بہمنی کے زمانے میں ۱۴۲۲ء بمطابق ۸۲۵ھ میں وصال فرمایا۔

☆ مولوی عبدالحق نے شاہ امین الدین اعلیٰ کی تاریخِ وفات ۱۰۸۶ھ بمطابق ۱۶۷۵ء لکھی ہے۔(مولوی عبدالحق ڈاکٹر،''اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام''، ۱۹۵۳ء ،کراچی،انجمن
ترقی اردو)۔ص ۶۱۔
قادری محی الدین ڈاکٹر ،''اردو کے نثر پارے''۱۹۲۹ء۔

(۲۷) شاہ امین الدین اعلیٰ،مشہور ومعروف شاہ برہان الدین کے فرزند ہیں۔بھادر زاد ولی تھے۔زورؔ نے اردو نثر پارے میں سن وفات ۱۰۸۷ء درج کی ہے۔
قادری،حامد،''داستان تاریخ اردو''۱۹۶۶ء،ایجوکیشنل پریس کراچی۔

(۲۸) جمیل جالبی،ڈاکٹر''تاریخ ادب اردو''ج اول،جولائی ۱۹۷۵ء،لاہور میں جالبی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔
'' قدیم بیاضوں میں ایک ایسے شاعر کا کام ملتا ہے۔جسکا تخلص شہباز ہے۔چونکہ حضرت گیسودراز بھی عاشق شہباز کہلاتے ہیں اس لیے بعض اہل تحقیق کو گمان گذرا کہ یہ کلام بھی خواجہ بندہ نواز
گیسودراز کا ہے مثلاً ''کتاب نورس'' میں گیسودراز کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

مخدوم سیّد محمد حسینی گیسودراز عاشق شہباز سرفراز
تمھاری قبر سینچی سیّد محمد اچھے موتی

علی عادل شاہ ثانی نے''مثنٰی در مدح سیّد محمد حسینی خواجہ گیسودراز بندہ نواز'' میں بھی انھیں''عاشق شہباز'' ہی کہا ہے۔

رک قدم اس باٹ میں توں سب عمل زیبا کیا
نو ندا ہاتف تے تج آیا کہ عاشق شہباز

کیا صرف اس بنا پر کہ شہباز کا لفظ ان اشعار میں آیا ہے ہم اس کلام کو خواجہ بندہ نواز سے منسوب کرسکتے ہیں؟ (ظاہر ہے نہیں)۔اکثر شعرا نے اپنے بزرگوں کے نام بار بار اشعار میں لیے ہیں۔

(۲۹) ادارۂ ادبیاتِ اردو،حیدرآباد دکن۔

صراط المستقیم: کیا وجہی کی تصنیف ہے؟

وجہی تخلص، ایران و ہندوستان میں کئی شاعر گزرے ہیں، ایک تو وجہی تفرشی ملازم اکبر بادشاہ تھا، جس کو تقی اوحدی نے ۱۰۱۹ھ میں گجرات میں دیکھا تھا۔ دوسرا وجہی (علی اکبر بیگ) کرد، معاصر شاہ عباس ثانی، مشہور مزاح گو شاعر تھا۔ تیسرے علامہ سید وجیہ الدین علوی گجراتی (۹۱۰/۹۹۸ھ) بھی فارسی میں کہا کرتے تھے اور تخلص وجہی تھا۔ چوتھا ملا وجہی گولکنڈوی، دکھنی زبان کا ایک باکمال شاعر اور نثر نگار مشہور ہے۔ جس نے چار سلاطین قطب شاہی، یعنی سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۰۷/۹۸۸ھ) و محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸/۱۰۲۰ھ) محمد قطب شاہ (۱۰۳۵/۱۰۲۰ھ) اور سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۸۳) کا زمانہ دیکھا ہے۔ مگر اس کے حالات تاریکی میں ہیں۔ یہ تو یقینی ہے کہ یہ آخر الذکر تین سلاطین کا درباری شاعر تھا۔ اس نے ۱۰۱۸ھ میں محمد قلی قطب شاہ کا افسانہ عشق، لکھا تھا جو مثنوی قطب مشتری کے نام سے مشہور ہے۔

وجہی کی تاریخ ولادت اور وفات کا کچھ پتا نہیں چلتا، اور نہ اس کا نام ہی صحیح طور پر معلوم ہو سکا ہے(۱)، البتہ یہ اپنے تخلص وجہی سے معروف ہے۔ چنانچہ مثنوی قطب مشتری میں، تخلص وجیہی اور سب رس (نثر) میں وجہی آیا ہے۔ حدیقہ السلاطین مولفہ نظام الدین احمد میں، بضمن تولد فرزند سلطان عبداللہ قطب شاہ، ''وجہی'' کو شاعر دکنی لکھا ہے۔ ان شواہد سے مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ وجہی اور وجہی دونوں تخلص کیا کرتا تھا۔ ہمارے پاس بھی دو قوی دلائل ہیں۔ وہ یہ کہ اس کے معاصر خواصی نے اس کو وجہی سے مخاطب کیا ہے مثلاً کہتا ہے:

اس دکن کے شاعراں میں تج شہنشاہ کے نزدیک
ہے خواصی ہور وجہی شاعر حاضر جواب

مگر اس کا دوسرا معاصر افضل گولکنڈی اس کو وجہی سے مخاطب کرتا ہے:

تجھ ایسے شاہ کو ہونا سو وجہی سا شاعر

اب سوال یہ ہے کہ اس کا نام کیا تھا(۲)؟ بعض کاتبوں نے اس کا نام 'وجیہ الدین' اور 'گجراتی الاصل' لکھا ہے۔ چنانچہ کتب خانہ آصفیہ کے ایک قلمی نسخہ سب رس مکتوبہ (۱۲۹۵ھ) میں ہے:

''تمام شد کتاب گنج الاسرار الحمدللہ والمنۃ بحق حبیبہ، سب رس مصنف حضرت وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ، بتاریخ روز سہ شنبہ صفر المظفر ۱۲۹۵ھ باختتام رسید،، اور آخری اوراق میں حاشیہ پر مکرر کاتب نے یہ لکھا ہے:

''در تعریف مولانا وجیہ الدین قدس سرہ''

وجہی اپنی تصنیف ''سب رس کو(۳) اولاد معنوی کہتا ہے۔ مثلاً ''اس کو خردمندان ہوئے فرزنداں خرمنداں ہوے اس فرزنداں میں ظاہراً فرزند سو یو کتاب لایق مستعید ہر بات اپنے وقت کا لقمان، افلاطون اپنے وقت کا خسرو، فرہاد، مجنون، اپنے وقت کا خاقانی، انوری، سعدی، اپنے وقت کا ظہیر، کمال، سلمان۔ اپنے وقت کا ہر یک بات کا ہادی۔ کلام کا صاحب، نام کا صاحب، الہام کا صاحب، ہر یک کام کا صاحب، روشن ضمیر الخ۔۔۔''

نسخہ تاج الحایق (۴) (جامعہ بمبئی) میں اس کے کاتب نے وجہی کا نام ''وجیہ الدین محمد'' لکھا اور پروفیسر عبدالقادر۔ سرفراز مرحوم مرتب فہرست کتب خانہ جامعہ بمبئی نے ''وجیہہ الدین وجہی'' بیان کیا ہے۔ مگر اس کے متعلق کسی سند کا حوالہ درج نہیں، بہرحال وجہی نے اپنا تخلص اپنے نام ''وجیہہ الدین'' کی مناسبت سے رکھا ہوگا۔

گجراتی الاصل ہونے کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے البتہ مولوی عبدالحق مدظلہ نے لکھا ہے:

''گرچہ وجہی گولکنڈہ کا ہے اور گولکنڈہ اور حیدرآباد تلنگانے میں ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ مرہٹی مثل تو ایک جگہ لکھتا ہے۔ ایک گجراتی لفظ اور شعر بھی استعمال کرتا ہے۔ مگر کہیں تلنگی مثل یا فقرہ یا لفظ سوائے ''درا'' یا ''درائی (۱)'' کے، جس کے متعلق ابھی مجھے شبہ ہے اس کتاب میں نہیں آیا، (سب رس مطبوعہ)''۔

رسالہ نوائے ادب بمبئی اپریل ۱۹۵۲ میں ایک مضمون گرناتھ راج دیو بکر کا بعنوان، ''قطب مشتری میں گجراتی کنٹری اور مرہٹی الفاظ، شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار نے گجراتی، مرہٹی، کنڑی الفاظ کی ایک فہرست دیدی ہے جس میں گجراتی الفاظ سے متعلق یہی دس مصرعے درج کیے ہیں۔ اس میں الفاظ، گے، پچھیں، آمنا، جوتا، ہے، نھاٹ کر، ماندگی، نھاس، اوتاول، ڈوسا، کو گجراتی الفاظ بیان کیا ہے۔ مگر یہ الفاظ تو ایسے ہیں جن کو دکھنی شعراء، عام طور پر استعمال کرتے ہیں۔ البتہ الفاظ ''جوتا'' آمنا، اور ڈوسا خاص معلوم ہوتے ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے بعض نامور ادیبوں کو مہاجرین گجرات قرار دیا ہے۔ ۹۸۰ھ میں زوال گجرات کے بعد نواب دلاور خان وزیر بیجاپور نے بعض علماء احناف متوطن گجرات کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا۔ وجہی اگر گجراتی الاصل ہے تو ممکن ہے کہ اس نے بجائے بیجاپور کے گولکنڈہ کو ترجیح دی ہو (۵)۔

بعض کاتبوں نے وجہی کو گجرات کے مشہور و معروف علامہ وجیہہ الدین گجراتی (۹۹۸/۹۱۰ھ) سے گڈمڈ کردیا ہے۔ جو سلطان محمود بیگڑھ اور سلطان مظفر سوم گجراتی کے معاصر تھے، اور یہی زمانہ سلطان ابراہیم قطب شاہ کا ہے(۶)۔

علامہ وجیہہ الدین علوی (۹۹۸/۹۱۰ھ) گجرات (۷) کے ایک بڑے محقق عالم، محدث اور صوفی تھے، مگر وجہی زیر بحث نے اپنی تصانیف میں علامہ مذکور کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ سب رس میران جی، المعروف تاج الحقائق میں داور الملک ''شاہ داول گجراتی'' سے متعلق ایک ضرب المثل درج ہے اور خود سب رس مؤلفہ وجہی میں ایک اشارہ شاید حضرت محمد

غوث گوالیاری کی طرف ہے جو علامہ علوی گجراتی کے پیر تھے، مثلاً وہاں ''گوالیار کے چاتراں'' لکھا ہوا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دکن میں شاید وجہی نامی ایک اور شخص بھی گزرا ہے جس کا مذہب اثنا عشری تھا اور علوم عقلی و نقلی کا زبردست عالم تھا۔ اس کی ایک تصنیف علم عقاید و کلام میں ''صراط المستقیم فی دین قدیم'' بزبان فارسی، کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷-۹۸۸ھ) سے معنون کیا ہے۔

اب غور طلب یہ ہے کہ آیا یہ وجہی وہی مشہور شاعر و نثر نگار ہے جس کی مثنوی قطب مشتری، تالیف ۱۰۱۸ھ اور ''سب رس'' نثر دکنی تصنیف ۱۰۴۵ھ ہے؟ اس کا صحیح پتا چلانے کیلئے وجہی کے زمانہ پیدائش و وفات اور عقائد پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے (۸)۔

وجہی کے زمانہ ولادت کے متعلق مولوی عبدالحق مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بچپن محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں بسر ہوا۔ ''سب رس'' جب لکھی تو اس وقت ابراہیم قطب شاہ کو مرے ہوئے اٹھاون برس ہوئے تھے۔ اس حساب سے یہ امر مشتبہ ہے کہ وجہی نے ابراہیم قطب شاہ کا زمانہ دیکھا تھا۔۔۔الخ''۔

ڈاکٹر زور حیدر آبادی فرماتے ہیں کہ:

''غالباً یہ ابراہیم قطب شاہ (۹۸۸/۹۵۷ھ) کے عہد میں پیدا ہوا''

اور یہ شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ:

''اتنے قریب کے زمانہ میں ایک ہی دربار کے دو شاعر یعنی مصنف قطب مشتری اور سب رس ایسے گزر سکتے ہیں جن کا تخلص ایک ہی ہو''۔

مگر یہ کوئی قوی استدلال نہیں معلوم ہوتا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں ایک وجہی تھا جو محض ایک فاضل تھا اور صرف فارسی کا شعر تھا، اور دکھنی زبان سے اس کو تعلق نہ تھا۔ اور محمد قلی قطب شاہ کا درباری شاعر وجہی مصنف قطب مشتری تھا اور اس مثنوی کی تصنیف کے وقت وہ ایک مشاق اور مشہور شاعر تھا، جس کو مولوی عبدالحق قبلہ بھی مانتے ہیں۔

ڈاکٹر زور صاحب یہ بھی خیال ہے کہ سب رس کی تصنیف (۱۰۴۵) کے وقت وجہی ۷۲ سال کا تھا (۹)۔ مگر کوئی سند پیش نہیں فرمائی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو وجہی کی عمر ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں پندرہ سولہ سال کی تھی۔

ہمارا استدلال یہ ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ وجہی نے اپنی مثنوی قطب مشتری ۱۰۱۸ھ میں ایک شاعر فیروز (۱۰) کی بڑی تعریف کی ہے، جو، حضرت شیخ ابراہیم ملتانی (المعروف بہ مخدوم جی قادری بیدری المتوفی ۹۷۲ھ) کا دیکھنے والا ہے۔ نیز دوسرے شاعر محمود (۱۱) کی بھی تعریف کی ہے جو مثنوی مذکور کی تالیف سے بہت عرصہ قبل فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے قرین

قیاس ہے کہ وجہی نے فیروز کو دیکھا ہے۔ اور ابراہیم قطب شاہ کے زمانے (۹۵۷۔۹۸۸ھ) میں اس کا عالم شباب تھا، اور اس وقت اس کی شاعری کی ابتداء تھی۔ جب ہی تو وہ قطب مشتری جیسی مثنوی کے متعلق فیروز و محمود سے اپنی داد کا طالب ہے، جو اس نے ۱۰۱۸ھ میں لکھی۔

ایک تصنیف "صراط مستقیم فی دین قدیم" کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر مرحوم حیدر آباد میں ہے۔ جس کے متعلق فاضل مرتبین فہرست مخطوطات عربی وفارسی نے لکھا ہے کہ یہ "وجہی" کی ہے۔ جس کو وجہی نے سلطان ابراہیم قطب شاہ ۹۸۸/۹۵۷ھ سے معنون کی ہے۔ اور ایک جگہ اسی کتاب میں اشارہ کیا ہے کہ میری اور بھی مبسوط تصانیف علم کلام و عقاید میں ہیں "فارجع الیہا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مذکور کے ابتدائی زمانہ میں اس کی کافی عمر تھی، کم از کم تیس بتیس سال کی تو ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے اگر یہ وجہی وہی ہمارا دکھنی شاعر ہے تو اس کی ولادت کا زمانہ، ابراہیم قطب شاہ کا آخری زمانہ نہیں بلکہ ابتدائی عہد (۹۵۷ھ) ہے۔

وفات کے متعلق، طبعی گولکنڈوی نے اپنی مثنوی بہرام وگل اندام (تصنیف ۱۰۸۱ھ) میں اس کی دنیا میں عدم موجودگی کا اشارہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے وجہی مثنوی، مذکور کی تالیف سے بہت عرصہ قبل فوت ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر زور صاحب ۱۰۸۱ سے پچیس سال قبل وفات کا زمانہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح گویا وفات تقریباً ۱۰۵۶ھ لکھی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی عمر ۷۲ سال سے زائد تھی، اور اس کی آخری تصنیف "سب رس" (۱۰۴۵ھ) ہے۔ اس کے معاصر غواصی نے ایک قصیدہ عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں اپنی ضعیف العمری کے زمانے میں کہا ہے، جس میں وجہی کا ذکر ہے، اور وجہی کے ساتھ خود کو "شیر نیستان شاعری" کہتا ہے۔

عارفان میں سوکتے ہیں یوں کہ آج اس دور میں
شیر ہیں یو شعر کے فن میں بحق بوترابؓ

اس لئے غواصی کو وجہی سے عمر میں چھوٹا ہو مگر دونوں نے طویل عمر پائی ہے۔ غواصی کے متعلق تو ۱۰۷۷ھ و ۱۰۸۹ھ تک بقید حیات ہونے کے اشارے ملتے ہیں، مگر وجہی کے متعلق، تصنیف سب رس ۱۰۴۵ھ کے بعد، تواریخ میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اس لئے ڈاکٹر زور کا قول، جس کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے، زمانہ وفات ۱۰۵۶ھ مشتبہ ہو جاتا ہے (۱۲)۔

ان حالات کے تحت اگر "صراط مستقیم" کا مصنف وہی دکھنی شاعر وجہی ہے تو اس نے کتاب مذکور قبل ۹۸۸ء لکھی اور ابراہیم قطب شاہ سے معنون کی، اور مثنوی قطب مشتری ۱۰۱۸ھ میں، یعنی ابراہیم قطب شاہ کی وفات کے تیس بتیس سال بعد لکھی جس میں محمد قلی قطب شاہ کا افسانہ عشق لکھا، اور سب رس، ۵۸ سال بعد ۱۰۴۵ھ میں لکھی، اور اس وقت اس کی عمر ۸۵/۸۰ سال سے کم نہ تھی۔

اس کی مشہور تصنیف سب رس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وجہی کو نہ صرف علم ادب وعلم الالسنہ، بلکہ حدیث و تفسیر و

تصوف وکلام پر کافی تبحر حاصل تھا۔ چنانچہ سب رس میں عربی فقروں اور احادیث کے بیسیوں والے موجود ہیں، جس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ "صراط مستقیم" کا مصنف ممکن ہے وجہی مصنف قطب مشتری و سب رس ہی ہو۔ مگر "کتاب صراط مستقیم فی دین قویم" کا مصنف "وجہی گولکنڈوی" قرار دینے کے لئے اس کے عقائد پر غور کرنا ہوگا۔ کہ اس کا مذہب کیا ہے"(۱۳)۔

وجہی کے عقائد:

اپنی تصنیف "صراط مستقیم" تصنیف قبل ۹۸۸ھ کے آئینے میں تو وہ زبردست مجتہد شیعہ ہے اور علوم عقلی و نقلی کا عالم تبحر ہے۔ اور مثنوی قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) کی داخلی شہادت سے بھی وہ اثناء عشری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے خلفاء راشدین کا بالکل ذکر نہیں کیا اور نقبت حضرت علیؓ میں ایک نظم لکھی ہے۔ وہ حضرت علیؓ کو خاتم ولایت مانتا ہے مگر کسی دوسرے صحابیؓ کا ذکر نہیں کرتا۔

البتہ سب رس (نثر میں تصنیف ۱۰۴۵) کی تمہید میں خلفائے راشدین کی تعریف کی ہے۔ یہ تمہید سب رس کے صرف ایک نسخے میں ہے، مثلاً عنواں یہ ہے:

"درنعت محمد مصطفیٰؐ وچہار باز، منقبت علی مرتضیٰؓ"

ابوبکر صدیقؓ صادق ہیں خاص
کیئے خارجیاں کو شریعت میں راست
عمرؓ جب نبیؐ کی امت میں حوے
یہودی عرب نے جو تھے سرنوے

جمع کر جو عثمانؓ قرآن کوں
شرم کا دیے زور ایمان کوں

ٹوٹیا کفر علیؓ ہت لیے ذوالفقار!
خدا بعد محمدؐ بھی چاروں ہیں یار

مگر اس کا الحاقی تصور نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ "سب رس" کے دوسرے نسخوں میں بعبارت نثر مدح صحابہؓ موجود ہے، کہتا ہے:

''حضرت کہیں خدا شاہد، انا و علی من نور واحد، تن سوں تن جیو سوں جیو، دم سوں دم، نبوت محمدؐ پر ولایت علیؓ پر ختم، ابوبکرؓ عمرؓ ہور عثمانؓ جنوں کی نیکی جانتا سب جہان، حضرت کے یاراں ہیں، بزرگواران ہیں ایکس نے ایک سب بھلے، جیوں خدا رسول فرمایا تھا تیوں چلے، لاف نیں کیے، خلاف نہیں کیے۔ حق پر چلن ہارے، ایسیچ اچھے ہیں خدا کے پیارے، ایچ رہتے ہیں حضرت کے یار، جنھوں سوں حضرت کرتے تھے بچار، آخر بعد از حضرت کے بیٹھے حضرت کے ٹھار الخ''۔

اس لحاظ سے ''صراط مستقیم'' اور ''قطب مشتری'' کے وجہی اور سب رس کے وجہی کے عقائد میں، بعد المشرقین معلوم ہوتا ہے۔ تو کیا وجہی نے آخر عمر میں اپنے عقائد بدل دیے تھے یا تفصیلی مذہب اختیار کرلیا تھا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ صراط المستقیم فی دین قویم، کتب خانہ نواب سالار بہادر کا ایک نادر مخطوطہ ہے جو ایک مقدمہ، پانچ اصل، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اور ہر اصل کے ضمن میں مختلف فصول ہیں۔

تمہید:

والصلوٰۃ والسلام بر جمیع انبیاء مرسلین و اولیاء صدیقین، خصوصاً بر سید انبیاء و مقتدای اولیاء وائمہ ہدی صلوٰۃ و سلاماً۔۔۔۔اما بعد چون باتفاق جمیع عقلاء از آدم تا خاتم واز خاتم تا این دم معرفت حق تعالیٰ وصفات ثبوتیہ وسلبیہ و مایصح علیہ ویمتنع ومعرفت نبوت وامامت ومعاد بر جمیع مکلفین فرض عین وتعین فرضیت بدلیل مفید یقین نہ تقلید وظن فان الظن لایغنی من الحق شیا، چہ باتفاق انبیاء وباتباع ایشان از مکلفین وباتفاق حکماء مشائین واشراقین یقین وایقان بعقاید حقہ موجب نجات اند، درکات نیران واصول وارتفاع بدرجات نہشت عنبر سوشت رضوان، است، بر محققان علماء ومدققان عرفاء تعلیم و تفہیم وتبیین وتوضیح عقاید حقہ جمیع مکلفین را واجب ومتحتم وفرض عین بود۔ اقل ماسحب معرفتہ من العقاید حقہ الغرفتہ الناجیہ الاما میہ درین رسالہ مسمی:

(نام کتاب)

''صراط المستقیم ودین قویم'' ان ہذا صراطا مستقیما نبوۃ ولاتبعو السبل ،متفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصاکم لعلکم تتقون، بیان کردیم بزبان فارسی، از جہت تعمیم انتفاع بان جمیع مکلفین''۔

(مقام تصنیف قندھار۔ دکن)

دراثنای سفرے کہ ہیچ کتابی از کتب علمی خصوصاً کلامی درنظر نبود۔ چہ در قندھار کہ قصبہ ایست از قصبات دکن صانہ اللہ تعالیٰ من الفتن، گرفتار ماندہ بود، از جہت سرانجام مہام بعضی از دودمان نبوت وولایت خلد اللہ ظلالہم وحصل اللہ لہم۔

(وجہ تصنیف)

وبعضی از صلحاء وفضلای مومنین استدعای رسالہ چنین فرمودند: ذخر الیوم العاد وارشاد أللعبا د نوشتہ شد، مبین بر مقدمہ و

پنج اصل و خاتمہ۔ ھو حسبنی ونعم الوکیل۔

(زمانہ تصنیف)

و چون مدت مدیر عہد بعید در عرصہ امکان و ساحت دوران ہر چند سمند اطار و یکران افکار را جولان دادم کہ بادشاہ سلیمان جاہی بیابم کہ لائق آن باشد کہ تصنیف شریف و این تالیف منیف رابنام نامی و اسم سامی او مشرف و مذین سازم، ہیچ پادشاہی لائق نیافتم الا۔

(معنون بہ ابراہیم قطب شاہ)

بادشاہ جم جاہ ملایک سپاہ عالم پناہ مستخدم الا کاسرہ مستعبد الاقاحرہ شرف سریر الخلافۃ بالارث والاستحقاق مالک رقاب الامم علی الاطلاق باسط بساط الامن والامان علی اہل الایمان موید مذہب ائمہ اثنا عشر تا حب لواء التصیفۃ والعدالۃ کافۃ البشر، کالمی احداق الحور، کافل ارزاق الوجوہ محی مراسم جود، حاتم طائی آثار شجاعت، رستم الغ اعظم و قتلغ معظم ھمایون اکرم، سلطان ابراہیم قطب شاہ خلد اللہ ظلال سلطنۃ و مال خلافۃ علی مفارق الملوک والسلاطین وابقاء الی اعالی معارج السلطنۃ و الخلافۃ اتاہ چہ حق سبحانہ درایں اوقات رحمۃ للعالمین این بادشاہ جم سپاہ را برگزیدہ وقبای پادشاہی بر قامت موزون او بریدہ، و خلایق را در ظل رایت و رحمت او پروریدہ و می پرورد۔

(نام مصنف)

بروجہی کہ زبان از بیان شمہ از ان لال و قلم دو زبان از تحریر شحہ از ان درکلال، مقصد اقصی چہ عالی نہمتش تقویت دین متقین، و نصب الیقین ضمیر آفتاب نظیرش تمشیت احکام سید المرسلین و ترویج مذہب ائمہ معصومین ۔۔۔۔۔و طریقت صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین، ۔۔۔۔۔ بنا بر این کتاب مستطاب را مذین بنام نامی این پادشاہ عالم پناہ ساختم، و تا قیام قیامت بروجنات صفحات ایام ثبت باشد، و موجب دوام ایام خلافت و بقای عوام سلطنت گردد۔ و ما ذالک علی بعزیز خانہ علی ما یشاء قدیر و تحقیق رجاء الراجین جدیر۔

مقدمے کا مختصر اقتباس یہ ہے: دربیان آنکہ فرقہ ناجیہ طایفہ امامیہ اثناعشریہ اند۔ پیغمبر ما صلعم ہفتاد و سہ فرقہ۔ علی ما قال متفرق امتی ثلاثۃ و سبعین فرقۃ کلھم فی النار احد واحدۃ قیل منھم یا رسول اللہ قال ما انا علیہ، و اہل سنت و اصحابہ روایت کردہ اند،۔۔۔ بدانکہ اہل سنت و جماعت برآنند کہ فرقہ ناجیہ مائیم، از برای آنکہ ما اہل سنت و جماعت ایم یعنی اہل عقیدہ پیغمبر صلعم و عقیدۂ صحابہ ایم، و ھر کہ بر عقیدہ این ہر دو باشد فرقہ ناجیہ است۔ لفظ اصحابی در حدیث وارد نیست و عقیدہ ہمہ صحابہ حق نیست، از برای آنکہ بعد از پیغمبر صلعم اختلاف بسیار کردہ اند الخ:

مگر اس کے جواب میں علماء احناف کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ایک قدیم دکھنی شاعر و علامہ کے دو شعر یہاں کافی معلوم ہوتے ہیں:

ماعلیہ اناواصحابی
گرچہ باللہ حسن ہے حب علی

مذہب سنت و جماعت ہے
بغض صحب نبی شناعت ہے

اصل اول درتوحید، کے ضمن میں، لکھا ہے: ''واصول دین درمذہب امامیہ پنج است، توحید وعدل ونبوت وامامت و معاد الخ۔ اور توحید کے ضمن میں مختلف فصول ہیں۔ واجب لذاتہ، عرض و جوہر، اور جذ ولایتجزی، ۔۔۔۔عرض و جوہر کے حدوث زمانی پر تعدد قدماء۔۔۔۔صفات واجب عین ذات وغیرذات۔۔۔توحید افعالی وصفاتی وذاتی پر بحث کرتے ہوئے مذہب صوفیہ وسوفسطائیہ پر روشنی ڈالی ہے۔ آیات متشابہات اور اللہ جمیل، پر بحث کی ہے اور حلول واتحاد کو باطل قرار دیا ہے۔ رویت حق کے متعلق یہ لکھا ہے:

''بدانکہ رویت حق تعالیٰ بقوت باصرہ ممکن نیست وممتنع بالذات الخ۔ اہل سنت اثبات می کنندہ کہ رویت اخروی است کہ فی الحقیقت راجع است بانکشاف تام، وامامیہ ومعتذلہ وحکماء ہمہ قایل اند بانکہ درآخرت انکشاف نسبت باموماناں خواہد بود۔ پس نزاع لفظی باشد بین الفریقین الخ۔

اس کے بعد مسئلہ حدث و قدم کلام اللہ اور صفات قدرت وعلم وارادات وغیرہ پر بحث کی ہے۔ اصل دویم میں، ''عدل'' سے متعلق ہے، اور علماء امامیہ کا نقطہ نظر ظاہر کیا کہتا ہے:

''عدل علماء امامیہ بدو معنی مستعمل است، اول آنکہ مباحث متعلقہ بافعال الٰہی راعدل گویند، دویم آنکہ حق سبحانہ تارک واجب وفاعل قبیح نیست الخ۔ واجب نیست براللہ تعالیٰ رعایت اصلح بعباد الخ''۔

اصل سیوم بعثت انبیاء سے متعلق ہے۔ کہتا ہے ''علماء امامیہ و معتزلہ برآنند کہ تکالیف شرعیہ لطف حق است۔۔۔اتفاق حکماء وملتیین یہود ونصاریٰ ومسلمان کہ۔۔۔۔تکمیل نفس ناطقہ انسان است الخ۔ اس کے بعد مختلف فصول میں، معجزات اور معصومیت انبیاء پر بحث کی ہے۔

اصل چہارم میں مسئلہ امامت پر بحث ہے، مثلاً لکھتا ہے:

امامیہ برآنند کہ نصب امام واجب است برحق تعالیٰ عقلاً وشرعاً چنانچہ نصب انبیاء علیہ السلام ومیگویند کہ فرق میان نبوت وامامت الابا صالۃ ونیابت پس اللہ تعالیٰ واجب است کہ نصب امام کند الخ۔۔۔۔۔۔۔اہل سنت معتزلہ برآنند کہ مقصود بالذات ازامامت ہمین مجرد سلطنت ظاہری واینان بثمرات ونتائج است، تجہیز جیوش وحفظ بیضۃ الاسلام ازغلبۃ کفار الخ۔۔۔امام بحق بعد از پیغمبر علی بن ابی طالب است باتفاق جماہر مفسرین الخ۔۔۔

آخری الفاظ ولخراش ہیں:

بعد از اطلاع برین دلایل (کہ فقیر گفتہ ام) فی الواقع حیف از فہم شیخ اشعری و شافعی ومحققان شافعیہ و ابوحنیفہ و اتباع ایشان را بر دین باطل مقر شدہ اند بہ محض عناد بے دلیل عقلی و نقلی و ہمہ عمر چندین ہزار مسلمانان را گمراہ کردہ اند۔۔۔۔فقیر ملوث باعتقاد افضلیت ابوبکر نشدہ الخ۔

بعض اہم ماخذ صراط مستقیم:

(۱) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازیؒ (۲) الٰہیات شفاء مولفہ شیخ ابو علیؒ (۳) قوال علامہ نیشاپوری وصدر الدین محمد شیرازی، وختم المحققین دوانی، (۴) مدارک مختصر کشاف، (۵) اقوال شیخ ابو نجیب از علماء امامیہ، (۶) شرح المقاصد تفتازانی، (۷) فصول فارسی محقق طوسی، (۸) شرح اشارات طوسی، (۹) شرح صحایف، (۱۰) احیاء العلوم امام غزالیؒ، (۱۱) رسالہ التکلیف الامہ شیخ عمر الخیام، (۱۲) شرح شمسیہ، (۱۳) عیون الحکمۃ از شیخ الرئیس، (۱۴) فتوحات مکیہ ابن عربیؒ (۱۵) تفسیر طبری، (۱۶) تنزیل الانبیا، مئولفہ سید مرتضی علم الہدی، (۱۷) قصص الاخبار، (۱۸) مجمع البحرین در شرح مفاتیح، (۱۹) تصنیفات سید ابو الشکور رسالی وغیرہم۔

کتاب زیر بحث ۳۳۴ صفحات، (سطر ۹) پر مشتمل ہے بخط نستعلیق معمولی، کاغذ جدید رولدار، عنوانات وآیات سرخی سے (تقطیع تقریباً (۴ x ۷)۔

ترقیمہ:

حسب الفرمایش جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب آقا سید اسد اللہ عرف جناب میر (۱۴) نواب صاحب دام اجالہ تعالیٰ مرقوم گردید،

(۱) میر نواب (سید اسد اللہ) حیدر آباد کے ایک کلکٹر تھے، آباؤ اجداد اصفہانی، مولد نشو نما حیدر آباد سندھ، وہاں سے کلکتہ ہوتے ہوئے ۱۲۷۹ھ میں بزمانہ سالار جنگ اول حیدر آباد آئے۔ مرزا علی محمد خان معتمد الدولہ کی سر پرستی سے مختلف سرکاری خدمات پر فائض رہے۔ بیدر شریف کی کلکٹری کے زمانہ میں تاریخ سلاطین بھمینہ (فارسی) الموسوم بہ مختار الاخیار بایماء سالار جنگ اول لکھی، جو ۱۲۹۴ھ میں طبع وشائع ہوئی۔ میر صاحب ۱۳۱۱ھ تک بقید حیات تھے، تاریخ وفات نہ مل سکی۔ ان کی قبر مستعد پورہ میں بیان کی جاتی ہے۔ بہر حال میر نواب نے اپنے عقائد کے لحاظ سے اس کتاب کو اپنے لیے نقل کرایا تھا، کس نسخے سے نقل کی گئی پتا نہ چل سکا۔ علماء اہل تشیع کی بیشمار تصانیف تفاسیر واحادیث وفقہ وعقائد کا نایاب ذخیرہ بھی کتب خانہ سالار جنگ بہادر میں موجود ہے۔

تمیقہ اقل الناس محمد عباس شوستری عفی عنہ بتاریخ ۲۹ شہر ذیقعدہ الحرام ۱۳۱۱ ہجری در بلدۃ بونہ۔

ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ ''صراط مستقیم فی دین قویم'' ملا وجہی گولکنڈہ کی تصنیف نہیں۔ دیباچہ میں لفظ ''وجہی'' بیائے معروف لکھنے کی وجہ سے مرتب کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ ''وجہی کی ہے۔ مصنف کی عبارت یہ ہے''۔

''این بادشاہ جم سپاہ را برگزیدہ وقبای بادشاہی بر قامت موزون او بریدہ وخلایق را در ظل واثبت او برور یدہ وجہی پرورد، بر وجہی کہ زبان از بیان شمہ ازان لال وقلم دو زبان از تحریر رشحہ ازان در کلال مقصد اقصیٰ الخ۔

بلحاظ ربط مضمون دراصل لفظ وجہی، بیائے معروف پڑھنا چاہیے۔ (یعنی وجہے) ورنہ ربط قایم نہ رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف نے بمقام قندھار اپنے قیام کا اشارہ کیا ہے، جہاں اس نے یہ کتاب لکھی۔ قندھار (دکن) ضلع ناندیڑ (حیدرآباد دکن) وہ مشہور تاریخی مقام ہے جس کو سلطان برہان نظام شاہ والی احمد نگر نے ۹۵۵ھ میں بریدی سلاطین بیدر سے چھین لیا تھا، اور اس معرکہ میں سلطان جمشید قلی، قطب شہ بھی شریک تھا۔ برہان نظام شاہ نے قندھار فتح کیا، اور وہاں ائمہ اثنا عشرؑ کا خطبہ پڑھوایا، خلفاء راشدین کے نام خارج کردیئے۔ یہاں سادات امامیہ علماء اور فضلاء آباد ہوئے۔ علامہ شاہ طاہر متوفی (۹۵۶ھ) کے اثر سے برہان نظام شاہ نے اپنا مذہب تبدیل کیا تھا۔ شیعیت کی دکن میں بڑی ترویج ہوئی۔ اس کے زمانہ میں خورشاہ ابن قباد الحسینی ایران سے احمد نگر آیا۔ اور شاہ طاہر کی وفات کے بعد ابراہیم قطب شاہ (۹۸۸/۹۵۷ء) کے زمانے میں، گولکنڈہ آ گیا، اور (۹۷۳ھ) میں وفات پائی۔ ''تاریخ ایلچی نظام شاہ'' اس کی مبسوط تاریخ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ دراصل یہ تصنیف ''صراط مستقیم'' خورشاہ کی ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں لکھی گئی ہے جب کہ سلطنت قطب شاہی میں جمشید قلی کے بعد تخت نشینی کے متعلق ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا، اور مصنف جیسا کہ اس نے خود اشارہ کیا ہے اس فکر میں تھا کہ اس تصنیف کو کس بادشاہ کے نام سے معنون کرے۔ الفاظ یہ ہیں:

''چوں مدت مدید وعہد بعید در عرصہ امکان وساحت دوران ہر چند سمند انظار و یکران افکار را جولان دادم کہ بادشاہ سلیماں جاہے بیابم کہ لایق آن باشد کہ تصنیف شریف وایں تالیف منیف را بنام نامی واسلم سامی او اشرف و مذین سازم الخ۔

اس نے یہ تصنیف ۹۵۵ھ یعنی فتح قندھار کیبعد قندھار میں لکھی (۱۵) اور ۹۵۶ھ میں جب علامہ شاہ طاہر کا انتقال ہو گیا اور اس کو احمد نگر سے کوئی دلچسپی نہ رہی اور اوائل عہد سلطان ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ چلا آیا، اور اپنی یہ کتاب سلطان موصوف کے نام معنون کردی۔ اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی اور موقعہ نہ تھا، جہاں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ سلطان مذکور ہی کے ایماء سے اس نے اپنی مشہور و معروف ''تاریخ ایلچی نظام شاہ'' تالیف کی جس کا ایک ناقص نسخہ کتب خانہ آصف حیدرآباد دکن (سنٹرل لائبریری) میں ہے۔ دوسرا (شاید مکمل نسخہ) کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔ کتب خانہ آصفیہ کے نسخے میں حسب ذیل مقالے ہیں:

مقالہ گفتار سوم: آل تیمور سے اکبر اعظم تک۔

مقالہ ششم گفتار چہارم: شاہان ایران اور امرائے شروان وماژندران۔

مقالہ ہفتم: گفتار پنجم۔ سلاطین بہمنیہ پر مشتمل ہے۔

مولف نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔ (نومبر ۱۹۶۰ھ)

حواشی وتعلیقات

(۱) سخاوت مرزا نے اپنے ایک دوسرے مقالے ''سب رس میراں جی شمس الصادق یا تاج الحقائق وجہی'' مشمولہ اردو نامہ کراچی، جنوری ۱۹۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ وجہی کو لکھنوئے کا مشہور شاعر ہے، اس کا دیوانِ فارسی کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے، اور اس کا نام اسداللہ ہے جبکہ وجیہہ کا زمانہ ۹۱۱ھ۔۹۹۸ھ کا ہے۔ (تاریخ پیدائش و وفات کی تفصیل بحث آگے ہے)۔

☆ وجہی نے اپنا نام اپنے فارسی دیوان کے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے۔

اسم اسداللہ و وجیہہ است تخلص۔ آرائش و کانچہ بازار کلام است

(زور محی الدین، مقالہ) ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو''، ص ۳۸۰)۔

(قریشی، وحید، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند''۱۹۷۱ء چھٹی جلد، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ۴۱۵)

(گیان چند، ڈاکٹر، ''اردو کی ادبی تاریخیں''، ۲۰۰۰ء، انجمن ترقی اردو کراچی، ص ۳۸۵۔

(۲) وجہی کا نام اسداللہ اور تخلص وجیہہ یا وجہی تھا۔

(وحید، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ۱۹۷۱ء چھٹی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۴۱۵)

(۳) وجہی نے ''سب رس'' ۱۶۳۵ء مطابق ۱۰۴۵ھ میں عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی جو کہ محمد یحیٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کے فارسی قصے ''حسن و دل'' سے ماخوذ ہے۔

(وحید قریشی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند''، ۱۹۷۱ء، ج؟؟ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ۴۱۶)

(۴) ''تاج الحقائق'' کے بارے میں کافی عرصے تک تذبذب پایا جاتا رہا کہ آیا یہ وجہی کی تصنیف ہے بھی یا نہیں، مگر سخاوت مرزا نے اپنے ایک تحقیقی مقالے کسب اس میراں جی شمس العشاق یا تاج الحقائق وجہی میں ثابت کیا ہے کہ یہ ملا وجہی کی تصنیف ہے۔ جو کہ اس نے سب اس کے بعد لکھی۔

(۵) وجہی کے دستیاب فارسی دیوان کے بعض اشعار میں اشارہ دیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ''میں تو ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن میری طبع پاک خراسان سے تعلق رکھتی ہے''۔

وحید قریشی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند''، ۱۹۷۱، ج چھٹی پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، ص ۴۱۵)

(۶) اس نے ابراہیم قطب شاہ سے لیکر عبداللہ قطب شاہ تک (۱۵۵۰ء۔۱۶۲۵ء) تک چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے۔

(۷) وجیہہ الدین علوی دسویں صدی ہجری کے مصنف ہیں۔
(سیدہ جعفر، پروفیسر، گیان چند، پروفیسر" تاریخ ادب، اردو ۱۷۰۰ تک" ۱۹۷ا ج چھٹی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، ص ۳۱۶)

(۸) ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:
وجہی نے ابراہیم قطب شاہ (۹۵۰ھ تا ۹۸۸ھ م ۱۵۴۳ء تا ۱۵۸۱ء کا زمانہ دیکھا۔ اگر ابراہیم قطب شاہ کی وفات اور محمد قلی کی تخت نشینی کے وقت یعنی ۹۸۸ھ میں اس کی عمر ۱۳ سال فرض کر لی جائے تو قطب مشتری کی تصنیف کے وقت یعنی ۱۰۱۸ھ میں وہ ۴۲ سال کا اور سب اس کی تصنیف کے وقت ۲۷ سال کا تھا۔
زور محی الدین، ڈاکٹر، "اردو شہر پارے" ص ۸۹

(۹) (سیدہ جعفر، گیان چند،" تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک، ۱۹۹۸، ج سوم، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ص ۳۳۷۔

☆ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ:
"اگر ۹۸۸ھ میں وجہی کی عمر ۲۵ سال قرار دی جائے تو ۱۰۴۵ میں سب رس کی تصنیف کے وقت اس کی عمر ۸۲ سال ہونی چاہیے۔
"ابراہیم قطب شاہ کے زمانے سے اس کی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وجہی کی شاعری ابراہیم کی وفات ۹۸۸ھ سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ۹۸۸ء میں وجہی کی عمر پندرہ یا بیس سال کی تھی تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی پیدائش ۹۶۰ھ یا ۹۶۵ کے لگ بھگ ہوئی۔
ڈاکٹر جاوید وشست نے حصہ ص و دل کے مقدمے میں یہی الفاظ دہرا دیئے ہیں۔ ساہتیہ اکادمی کے لئے اپنی مختصر کتاب "ملا وجہی" میں تفصیلات میں جائے بغیر لکھا ہے"۔
وجہی کی تاریخ پیدائش ۱۵۵۱ھ میں ہوتا ہے اور ۱۵۵۶ء کا اختتام ۹۶۴ھ میں اص ۱۸) اس طرح انہوں نے سن ولادت ۶۴۔۹۵۸ھ کے درمیان قرار دیا۔ ڈاکٹر رضیہ سلطانہ اور اکبر الدین صدیقی بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وجہی نے ابراہیم قطب شاہ سے لے کر عبداللہ قطب شاہ تک کا زمانہ دیکھا۔ خرد نود السعید اختر نصیر الدین ہاشمی سے مشفق ہیں کہ ۹۸۸ھ میں وجہی کی عمر ۲۵ سال کی ہوگی۔
ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کا خیال ہے کہ "اگر ہم وجہی کی عمر "قطب مشتری" کی تصنیف کے وقت ۴۵۔۵۰ سال کے جائین تصور کریں تو اس کا سن پیدائش ۹۶۸ھ سے ۹۷۳ھ کے قریب قرار پاتا ہے۔
(سیدہ جعفر، پروفیسر، گیان چند، پروفیسر تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک، ۱۹۹۸ جلد سوم، ص ۳۳۸)

سیدہ جعفر پروفیسر۔ گیانی چند، پروفیسر، ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک''، ج سوم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص ۳۴۷۔

محی الدین، ڈاکٹر، ''اردو شہ پارے''، ص ۸۹۔

(۱۰) فیروز سلا چنالی اور محمود کا ہم عصر تھا۔ ملا وجہی نے اپنی تصنیف ''قطب مشتری'' میں اس کا ذکر یوں کیا ہے۔
کہ فیروز خواب میں رات کو۔۔۔دُعا دے کر چوے مرے ہات کوں کھیا ہے تو یو شعر ایسا سرس۔ کہ پرانے کوں عالم کرے سب ہوس (وحید قریشی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، چھٹی جلد، ۱۹۷۱، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ص۔ ۴۱۱)۔

(۱۱) ملا وجہی نے محمود کو استادِ سخن تسلیم کیا ہے۔ وجہی ''قطب مشتری'' میں محمود کا ذکر یوں کرتا ہے کہ:
کہ فیروز محمود اچتے جو آج۔ تو اس شعر کوں بھوت ہوتا رواج (وحید قریشی، ڈاکٹر ''تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند''، چھٹی جلد، ۱۷۱۱، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۴۱۱)

(۱۲) ڈاکٹر زور کی یہ دلیل درست ہے کہ وجہی ۱۰۶۶ھ میں (۱۰۷۶ھ) یا ۱۰۸۱ھ کے درمیان فوت ہوا۔ یہ ہی بات اکبر الدین صدیقی اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے کہی ہے۔ اس کی تائید ایک اور طرح سے ہوتی ہے۔ دیکھئے سخاوت مرزا کا مضمون ملا وجہی کی فارسی شاعری (رسالہ اردو کراچی، شمارہ ۱، ۱۹۷۴ء) وہ اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ کتب خانہ اوقتین گلبرگہ میں ایک مجموعہ جس میں دو کتابیں ایک ہی کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور مجلد ہیں پہلی کتاب کا نام ''وجود العاشقین'' ہے یہ حضرت بندہ نواز کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کوئی اور گولکنڈوی صوفی ہیں۔ جو کبیر کے معاصر ہیں اس میں کبیر کا ایک دوہا اور وجہی کا ایک فارسی شعر نقل ہے۔ اس شعر کی پوری غزل وجہی کے فارسی دیوان میں ملتی ہے۔
سخاوت مرزا تاریخ گولکنڈہ مؤلفہ عبدالجبار صدیقی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ۱۰۶۷۔۱۰۶۶ھ میں قطب شاہی حکومت پر تسلط قائم کر لیا تھا۔ عبداللہ قطب شاہ نے دب کر صلح کر لی اور برائے نام بادشاہ رہ گیا سخاوت مرزا کے مطابق وجہی کے بعض اشعار میں شاجہاں کی تسخیر گولکنڈہ کی عرف اشارہ ملتا ہے۔ وجہی کے فارسی دیوان میں ایک قصیدہ در مدح سلطان وقت ہے جس کا مطلع ہے۔
بادشاہِ جہاں، جہاں پرور۔۔ظل سبحان وذات پیغمبر اگر وجہی نے یہ قصیدہ لکھا تو ۱۰۶۷ھ کے بعد ہی لکھا ہو گا تو ثابت ہوا کہ وہ ۱۰۶۷ھ تک زندہ تھا۔
سیدہ جعفر، گیان چند، ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ تک، ۱۹۹۸، ج سوم قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، ص ۳۴۲)

(۱۳) ''صراط مستقیم'' کا مصنف شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ وجہی نے اپنی تصنیف سب رس کی ابتداء میں چار

شعرا اس عنوان کے لکھتا ہے کہ درنعت محمد مصطفیٰ و چہار یار و منقبت علی مرتضیٰ محمد مصطفیٰ سے پہلے نعت اور علی مرتضیٰ سے پہلے منقبت لکھا ہے چہار یار سے پہلے کچھ نہیں گویا ان کی بھی نعت ہے چہار یار کے بعد علی مرتضیٰ لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ حضرت علیؓ بھی چہار یار ہی آ جاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ الحاقی فقرہ ہے اصل فقرہ یوں ہوگا۔

درنعت محمد مصطفیٰ و منقبت علی مرتضیٰ

اس کے آگے نثر میں رسول (ﷺ) کے بعد حضرت علیؓ کی شدومد سے منقبت ہے۔ اور نبی کے بعد ولی کا ذکر ہے حتیٰ کہ انہیں معراج تک میں رسول کے ساتھ موجود کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وجہی شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا۔

ڈاکٹر انصار اللہ نظر نے اپنے ایک مضمون میں وجہی کے مسلک کا تفصیلاً جائزہ لے کر یہ ہی طے کیا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ کہتے ہیں کہ کوئی سنی پہلے تین خلفاء کی مدح حضرت علی کے بعد نہیں کرتا۔ بلکہ تاریخ ترتیب برقرار رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ قطب شاہ بارہ برس کی عمر میں ۱۶۲۶ء میں تخت پر بیٹھا۔ عبداللہ کی والدہ حیات بخشی بیگم دختر سلطان محمد قلی قطب شاہ کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ بقول پروفیسر ہارون خان شیروانی حیات بخشی بیگم، بہ نفسِ نفیس اورنگ زیب عالم گیر کے فوجی کیمپ میں گئیں۔ اور صلح کی شرائط نامہ پر دستخط کئے تھے۔ جس میں پہلی شرط یہ تھی کہ شاہی خطبے سے شعیت کی رنگ آمیزی ختم کی جائے اور خطبہ کو سنی عقائد کے مطابق ڈھالا جائے۔ وجہی ان حالات کی نزاکت سے واقف تھا اس لئے منقبت میں ''چہار یار'' کا ذکر کیا گیا (ہارون خان شیروانی، ''بہمنی سلطنت''۔۔۔۔ ص ۴۷)

(۱۴) میر نواب (سید اسد اللہ) حیدر آباد کے ایک کلکٹر تھے۔ آباؤ اجداد اصفہانی مولانشو و نما حیدر آباد سندھ تھا۔ وہاں سے کلکتہ ہوتے ہوئے ۱۲۷۹ھ میں بزمانہ سالار جنگ اول حیدر آباد آئے۔ مرزا علی محمد خان معتمد الدولہ کی سرپرستی سے مختلف سرکاری خدمات پر قابض رہے۔ بیدر شریف کی کلکوی کے زمانے میں تاریخ سلاطین بہمینہ (فارسی) الموسوم بہ مختار الاخیار بایماء سالار جنگ اول لکھی، جو کہ ۱۲۹۴ھ میں طبع و شائع ہوئی میر صاحب ۱۳۱۱ھ تک بقید حیات تھے۔ تاریخ وفات نہ مل سکی ان کی قبر مستعد پورہ میں بیان کی جاتی ہے۔ بہر حال میر صاحب نے اپنے عقائد کے لحاظ سے اس کتاب کو اپنے لئے نقل کرایا تھا۔ علماء اہل تشیع کی بے شمار تصانیف تفاسیر و احادیث و فقہ و عقاید کا نایاب ذخیرہ بھی کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔

(۱۵) ہمیں سخاوت مرزا کی رائے سے اتفاق ہے کہ ''صراط مستقیم''، وجہی کی نہیں بلکہ کسی ''خورشاہ'' کی تصنیف ہے جو کہ قندھار کا رہنے والا تھا۔

فہرست دستیاب مضامین ومقالات

(۱) حضرت میراں جی شمس العشاق کی تاریخ وصال

(اردو نامہ، شمارہ ۳۰، جنوری، ۱۹۶۸)

(۲) میر غلام مصطفیٰ یکسخن اورنگ آبادی

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۲، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۸ میں ۶۱)

(۳) مثنوی من ہون

(اُردو نامہ، شمارہ ۲۸، جون ۱۹۶۷، ص ۳۴، بیدل لائبریری کراچی)

(۴) تاریسی اور اردو کی ایک قدیم لغت

(اُردو نامہ، شمارہ ۲۶، دسمبر ۱۹۶۶، ص ۴۴، بیدل لائبریری، کراچی)

(۵) مثنوی جامع الحقائق

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۵، جنوری ۱۹۷۰، ص ۵، بیدل لائبریری، کراچی)

(۶) مثنوی جگبت روپ

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۶، اپریل تا جون، ۱۹۷۰، ص ۱۷، ب ل)

(۷) برہنی

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۷، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۰، ص ۹، ب۔ل)

(۸) چند نایاب مرثیے

(اُردو نام، شمارہ ۳۳، جون ۱۹۶۹، ص ۱۷، ب۔ل)

(۹) شاہ کمال کڑا افالک پوری کا سنِ وفات

(اُردو نامہ، شمارہ ۱۳۰ اپریل تا جون ۱۹۶۵۱، ص ۴۳)

(۱۰) احسن اللہ خان بیان

(اُردو نامہ، شمارہ ۱۶، اپریل تا جون ۱۹۶۴، ص ۲۷، ب۔ل)

(۱۱) بیجاپور کے دو گمنام شاعر فاضل خان ابی افضل خان بیجاپوری کی دکنی غزلیں

(اُردو نامہ، شمارہ ۱۲، اپریل تا جون، ۱۹۶۳، ص ۴۸۔ب۔ل)

(۱۲) شیخ عمود چشتی کی نظم و نثر

(اُردو نامہ، شمارہ ۷، جنوری تا مارچ ۱۹۲۶، ص ۱۷۔ب۔ل)

(۱۳) مرزا حیدر علی گرم لکھنوی

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۴، جولائی ۱۹۵۵، ص نمبر ۳۳، ب۔ل)

(۱۴) قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض

(اُردو نامہ، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۵۰، ج ۲۹، ص ۱۸، ب۔ل)

(۱۵) شاہ قاسم علی قاسم اورنگ آبادی

(اُردو نامہ، شمارہ جنوری ۱۹۵۷، ج ۳۶، ص ۹، ب۔ل)

(۱۶) حسن السوال و حسن والجواب

(اُردو نامہ، شمارہ جولائی ۱۹۵۶، ج ۳۵۔۳، ص ۳۶۷، ب۔ل)

(۱۷) سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی قدس سرہٗ

(اُردو نام، شمارہ اپریل ۱۹۳۹، ج ۱۸، ص ۲۶۳، ب۔ل)

(۱۸) سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی قدس سرہٗ (رقیم گذشتہ مضمون کی)

(اُردو نامہ، شمارہ جولائی ۱۹۳۹، ج ۱۹، ص ۵۵۵، ب۔ل)

(۱۹) کیا مشتاق بھمنی دور کا شاعر نہیں تھا؟

(اُردو نامہ، شمارہ جنوری اپریل ۱۹۵۹، ج ۳۸، ص ۱۷۳، ب۔ل)

(۲۰) سید شاہ عبد القادر فی الحال قادری کرنوی

(اُردو نامہ، شمارہ ۳ جولائی ۱۹۵۹، ج ۳۸، ص ۳۶، ب۔ل)

(۲۱) سید شاہ طاہر حموی کرنولی کا نصابہ حبیاں

(اُردو نامہ، شمارہ جنوری و اپریل ۱۹۵۳، ج ۳۲، ص ۲۰، ب۔ل)

(۲۲) مخدوم سوائی بیجاپوری

(اُردو نامہ شمارہ اپریل ۱۹۴۲، تا ۲۲، ص ۲۶۳، ب۔ل)

(۲۳) بلوان سنگھ راجہ کا ایک نایاب قلمی دیوان

(اُردو نامہ، شمارہ جنوری ۱۹۵، ج ۲۹، ص ۵۳، ب۔ل)

(۲۴) تذکرۂ عروس الاذکار (مئولفہ نقش حیدر آبادی)

(اُردو نامہ، شمارہ جنوری ۱۹۵۸، ج ۳۷، ص ا، ب۔ل)

(۲۵) مناقب بازی

(اُردو نامہ، شمارہ جولائی اکتوبر ۱۹۵۸، ج ۴۳، ص ا، ب۔ل)

(۲۶) ایک مراسلہ

(اُردو نامہ، شمارہ جولائی اکتوبر ۱۹۵۸، ج ۳، ص ۱۰۴، ب۔ل)

(۲۷) امیر مینائی کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی

(اُردو نامہ، شمارہ جولائی۔ اکتوبر، ۱۹۶۰، ج ۳۹ ب۔ل)

(۲۸) ایڈورڈ بالفور

(اُردو نامہ، شمارہ اکتوبر ۱۹۵۴، ج ۳۳، ص ۹۲، ب۔ل)

(۲۹) قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض

(اُردو نامہ، شمارہ اپریل ۱۹۵۴، ج ۳۳، ص ۳، ب۔ل)

(۳۰) مکتوبات وہاب و مشاہیر متعلقہ ربیر لکھنوی

(اُردو نامہ، شمارہ ۵۳، جون ۱۹۷۶، ص ۵۹، ب۔ل)

(۳۱) بابائے ملت

(اُردو نامہ، شمارہ ۵۴، اپریل ۱۹۷۷، ص ۶۱، ب۔ل)

(۳۲) الااللہ شطاریؒ

(اُردو نامہ، شمارہ ۵۰، مارچ ۱۹۷۵، ص ۱۷۲، ب۔ل)

(۳۳) خاور نامہ رستمی پر ایک نظر

(اُردو نامہ، شمارہ ۵۱۔۵۲، دسمبر ۱۹۷۵، ص ۹۱)

(۳۴) تحقیقاتِ الفاظ ہندی، غرایب اللغات

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۸، اپریل ۱۹۷۴، ص ۲۵، ب۔ل)

(۳۵) چنگ نامہ بنگی خان

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۹، جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۹، ب۔ل)

(۳۶) مثنوی سراپا سوز "اختر"

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۲، جولائی ۱۹۷۳ء، ص ۷۵، ب۔ل)

(۳۷) انیس کی مرثیہ گوئی

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۷، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۷، ب۔ل)

(۳۸) ولی محمد عقلان

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۲، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۱۶، ب۔ل)

(۳۹) انوار العاشقین

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۳، جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۲۱، ب۔ل)

(۴۰) سب اس حیران جی شمس العشاق یا تاج الحقائق وجہی

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۸، جنوری ۱۹۷۱ء، ص ۳۳، ب۔ل)

(۴۱) بالاجی ترجبک نایک المتخلص بہ ذرہ

(اُردو نامہ، شمارہ ۳۹، مئی ۱۹۷۱ء، ص ۴۲، ب۔ل)

(۴۲) والہ موسوی

(اُردو نامہ، شمارہ ۴۰، ستمبر ۱۹۷۱ء، ص ۹۶، ب۔ل)

(۴۳) ترجمہ واگھبٹ وخیل نامہ ہاشمی

(نوائے ادب بمبئی، شمارہ ۴۰، اکتوبر ۱۹۵۹ء، ج ۱۰، ص ۳۵، ب۔ل)

(۴۴) مثنوی تحفۂ اعظم، مصنفہ غلام علی کوکنی

(نوائے ادب بمبئی، شمارہ ۳، جولائی ۱۹۵۸ء، ج ۹، ص ۴۲، ب۔ل)

(۴۵) شاہ حیدر الدین میسوری

(نوائے ادب بمبئی، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۶۳ء، ج ۱۴، ص ۶۳، ب۔ل)

(۴۶) سلطان محی الدین سالک کڑیوی ثم حیدر آبادی

(نوائے ادب بمبئی، شمارہ ۱۱، اپریل ۱۹۶۰ء، ص ۲۸، ب۔ل)

(۴۷) ابوالمعرفت شاہ زین الدین گنج نشین بیدریؒ

(نوائے ادب بمبئی، شمارہ ۴، جولائی ۱۹۶۰ء، ج ۱۱، ص ۴۱، ب۔ل)

(۴۸) مثنوی مراۃ الحشر

(نوائے ادب شمارہ ۳، جولائی ۱۹۶۱ء، ج ۱۲، ص ۲۶، ب۔ل)

(۴۹) سید شاہ فقیر محی الدین مقبل میسوریؒ

(نوائے ادب، شمارہ ۱، ج ۵، ۱۹۵۴ء، جنوری ص ۸، غ۔ل)

(۵۰) حضرت شاہ مقبل میسوری اور ان کا کلام (گذشتہ سے پیوستہ)

(نوائے ادب شمارہ ۲، ج ۵، اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۵، غ۔ل)

(۵۱) عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ اور ان کی تصنیفات

(نوائے ادب شمارہ ۳، ج ۶، جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۲۴، غ۔ل)

(۵۲) عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ اور ان کی تصنیفات

(نوائے ادب شمارہ ۴، ج ۶، اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۲۸، غ۔ل)

(۵۳) مثنوی بلقیس وسلمان مصنفہ نامی والا جاہی

(نوائے ادب شمارہ ۲، ج ۸، اپریل، ۱۹۵۷ء، ص ۳۷، غ۔ل)

(۵۴) معراج نامہ مختار دکنی بیجاپوری

(نوائے ادب شمارہ ۴، ج ۷، اکتوبر ۱۹۵۶ء، ص ۴۱، غ۔ل)

(۵۵) شاہ صدر الدین میسوری

(نوائے ادب شمارہ ۲، اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۱۴، ص ۶۳، غ۔ل)

(۵۶) شاہ صدر الدین میسوری

(نوائے ادب شمارہ ۳، جولائی ۱۹۶۳ء، ص ۱۴، ص ۴۷، غ۔ل)

(۵۷) قصہ کفن چور منظوم

(نوائے ادب شمارہ ۱، ج ۱۷، جنوری ۱۹۶۶ء، ص ۴۹، غ۔ل)

(۵۸) مثنوی تحفۂ اعظم، مصنفہ غلام علی کوکنی

(نوائے ادب شمارہ ۳، ج ۹، جولائی ۱۹۵۸ء، ص ۲۲، غ۔ل)

(۵۹) ریختہ ثناء گجراتی بزبان لیکیلی

(نوائے ادب شمارہ ۳، ج ۱۳، جولائی ۱۹۲۶، ص ۶۶، غ۔ل)

(۶۰) مثنوی ریاض العارفین

(نوائے ادب شمارہ ۳۔۴، ج ۲، جولائی و اکتوبر ۱۹۵۱، ص ۶۹، غ۔ل)

(۶۱) مجمع علم و ہنر مدراس

(نوائے ادب شمارہ ۳، جولائی ۱۹۵۷، ص ۲۳ غ۔ل)

(۶۲) اثیمہ

(نوائے ادب شمارہ ۴، ج ۳، اکتوبر ۱۹۵۲، ص ۴۱، غ۔ل)

(۶۷) قدیم ریختہ اور مولانا شیخ بدرالدین جونپوریؒ

(اُردو ادب علی گڑھ، شمارہ ۱، ۱۹۷۰، ۱۹۷۰، ص ۸۵)

(۶۸) کشن گیتا اور ارجن گیتا اور نرپا گیتا کے قدیم دکنی ترجمے

(اُردو ادب علی گڑھ، شمارہ ۳، ۱۹۷۰، ص ۳۴)

(۶۹) مثنوی یوسف زلیخا

(اُردو ادب علی گڑھ، شمارہ ۴، ۱۹۷۰، ص ۴۳)

(۷۰) صراط مستقیم کیا وجہی کی تصنیف ہے؟

(اورنٹیل کالج میگزین، شمارہ ۱۴۳، ج ۳۷/عدد ۱، نومبر ۱۹۶۰، ص ۴۵)

(۷۱) منشی غلام حسین جوہر بیدری (دکن)

(اورنٹیل کالج میگزین، شمارہ ۲، نومبر ۱۹۶۴، ج ۴۱/عدد ۱، ص ۱

(۷۲) ترکی زبان اور کالیتھ

(اورنٹیل کالج میگزین، شمارہ ۳۸، نومبر ۱۹۶۱، عدد مسلسل ۱۴۷، ص ۸۱)

(۷۳) مقالات مجتبہ و ضمیمہ

(اورنٹیل کالج میگزین، ضمیمہ جلد سوم، ۱۹۷۰، کے ے لا)

(۷۴) نصاب الاحتساب، عربی کا کاتب عزاصی گولکنڈوی

(اورنٹیل کالج میگزین، شمارہ ۱۲۷، ج ۳۳، عدد ۱، نومبر ۱۹۵۶، ص ۸۳ کے۔ ے۔لا)

(۷۵) شاہ عبدالقادر کرنوی کا ارشاد نامہ

(اردو ادب، شمارہ ۴، دسمبر ۱۹۶۱، ص ۱۱۵، کے، ے، ل)

(۷۶) شاہ تراب گنج الاسرار قدس سرہٗ کی ایک عشقیہ مثنوی

(اردو ادب، شمارہ ۲، ۱۹۶۱، ص ۵، کے، ے، ل)

(۷۷) غالب اور اقبال میں مسائل امکان نظیر و امتناع نظیر کا علمی پس منظر

(اقبال ایو، شمارہ ۲، ج ۱۲، جولائی ۱۹۷۱، کے، ے، لا)

(۷۸) برہان العاشقین خواجہ گیسو دراز بمع شرح

(اقبال ایور، شمارہ ۲، ج ۷، جولائی ۱۹۶۶، ص ۷۰، ب۔ل)

(۷۹) منشی امداد علی تھانوی کی مرثیہ گول

(سہ ماہی بصائر، شمارہ ۳۔۴، ج ششم، جولائی و اکتوبر ۱۹۶۹، ص ۲۴)

(۸۰) شاہ محی الدین پھلواروی اور ان کی تالیفات

(سہ ماہی بصائر، شمارہ ۲، ج ۱، اکتوبر ۱۹۲۶، ص ۱۸۷، ب۔ل)

(۸۱) سرنگرا منجری (دور قطب شاہی کی ایک نایاب سنکرت کتاب)

(سہ ماہی بصائر، شمارہ ۴، ج ۲، اکتوبر ۱۹۶۳، ص ۵۲۷، ب۔ل)

(۸۲) حنا لکھنوی کا نایاب دیوان

(صحیفہ، شمارہ اکتالیسواں، اکتوبر ۱۹۶۷، ص ۹، ب۔ل)

(۸۳) شیخ محمد جان شاہ لکھنوی، پیرو، میر کے نایاب دواوین

(صحیفہ، شمارہ ۵۴، جنوری ۱۹۷۱، ص ۳۸، ب۔ل)

(۸۴) حیدر آباد کا ایک مشاعرہ

(قومی زبان، شمارہ ۱۰۔۲۷، جولائی ۱۹۶۵، ص ۵۹، ب۔ل)

(۸۵) حکیم شمس اللہ قادری

(قومی زبان، شمارہ ۳، ج ۳۵، ستمبر ۱۹۶۹، ص ۵۵، ب۔ل)

(۸۶) بابائے اردو۔ اورنگ آباد تا کراچی

(قومی زبان، شمارہ ۸، ج ۴۷، اگست ۱۹۷۷، ص ۲۵، ب۔ل)

(۸۷) حضرت سید قبول اور داغ

(قومی زبان، شمارہ ۹۰،۱۱، ج ۲۰، مئی ۱۹۲۶، ص ۳۳، ب۔ل)

(۸۸) ملک الشعراء خواصی کا نام

(قومی زبان، شمارہ ۱، ج ۳۳، جنوری ۱۹۶۹ء)

(۸۹) بابائے اردو مولوی عبد الحق اور ابو عمر الیافعی مرحوم

(قومی زبان، شمارہ ۸، ج ۴۸، اگست ۱۹۷۸، ص ۱۸، ب۔ل)

(۹۰) مولوی عبداللہ خان

(قومی زبان، شمارہ ۲، ج ۲۹، اگست ۱۹۶۶، ص ۲۱۸، ب۔ل)

(۹۱) ریختہ قدیم۔ مولانا بدر الدین جونپوریؒ

(قومی زبان، شمارہ ۱۱، ج ۳، اکتوبر ۱۹۸۰، ص ۴۴، ب۔ل)

(۹۲) خواجہ بندہ نوازؒ

(سب رس، شمارہ ۱۱، ج ۳، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص ۴۴، ب۔ل)

(۹۳) خواجہ گیسو درازؒ کے چند ہندی گیت

(قومی زبان، شمارہ ۱۔۲، یکم تا ۱۶ جولائی ۱۹۶۳، ج ۲۴، ص ۲۱، ب۔ل)

(۹۴) سید محمد شاہ حیرائے چوٹی

(سب رس کراچی، اپریل ۱۹۵۳، ص ب۔ل)

(۹۵) سید محمد شاہ میررائے چوٹی

(سب رس کراچی، جولائی ۱۹۵۳)

☆☆☆☆☆☆☆

International Islamic Univ.
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD.